الرَّفیقُ الفَصِیح
لمشکوٰۃ المَصَابِیح
جلد ۵
افادات
حضرت علامہ رفیق احمد صاحب قدس سرہٗ
شیخ الحدیث مفتاح العلوم جلال آباد
مرتب
محمد فاروق غفرلہٗ
ڈیزائننگ و کمپوزنگ
مجیب الرحمٰن قاسمی 7895786325

الرفیق الفصیح

لمشکوٰۃ المصابیح

جلد ۵

افادات

حضرت علامہ رفیق احمد صاحب قدس سرہٗ

شیخ الحدیث مفتاح العلوم جلال آباد

مرتب

محمد فاروق غفرلہٗ

خادم جامعہ محمودیہ علی پور ہاپوڑ روڈ میرٹھ (یوپی) ۲۴۵۲۰۶

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ناشر

مکتبہ محمودیہ

جامعہ محمودیہ علی پور ہاپوڑ روڈ میرٹھ (یوپی) ۲۴۵۲۰۶

فہرست

الرفیق الفصیح

لمشکوۃ المصابیح

جلد پنجم

اجمالی فہرست

الرفیق الفصیح لمشکوۃ المصابیح

جلد پنجم

فہرست

الرفیق الفصیح لحل مشکاۃ المصابیح ۵

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
	باب احکام المیاہ	
	﴿پانی کے احکام﴾	
	(الفصل الاول)	
۱	حدیث نمبر ﴿۴۳۷﴾ ماء دائم میں پیشاب کرنا	۲۹
۲	حدیث نمبر ﴿۴۳۸﴾ رکے ہوئے پانی میں استنجاء کرنا	۳۱
۳	حدیث نمبر ﴿۴۳۹﴾ وضو کا بچا ہوا پانی پینا	۳۲
۴	ماء مستعمل کی تعریف	۳۳
۵	ماء مستعمل میں مذاہب ائمہ	۳۴
۶	ماء مستعمل کے طاہر ہونے پر دلائل	۳۴
۷	ماء مستعمل کو نجس کہنے کی وجہ	۳۴
۸	مہر نبوت	۳۵
	(الفصل الثانی)	
۹	حدیث نمبر ﴿۴۴۰﴾ قلیل و کثیر پانی کی مقدار	۳۷

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
	باب الحیض	
	﴿حیض کا بیان﴾	

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۲۷۳	سایہ کی تحقیق	۳۵۱
	باب تعجیل الصلوۃ	
	﴿نماز کو جلدی پڑھنے کا بیان﴾	
۲۷۴	اوقات مستحبہ	۳۵۵
۲۷۵	وقت الفجر مع مذاہب ودلائل	۳۵۵
۲۷۶	صلوۃ الظہر مع مذاہب ودلائل	۳۶۱
۲۷۷	صلوۃ العصر مع مذاہب ودلائل	۳۶۳
	(الفصل الاول)	
۲۷۸	حدیث نمبر ﴿۵۴۱﴾ مستحب اوقات کی وضاحت	۳۶۹
۲۷۹	عشاء کا مستحب وقت اور اختلاف ائمہ	۳۷۱
۲۸۰	نوم قبل العشاء اور حدیث بعد العشاء کی تفصیل	۳۷۲
۲۸۱	حدیث نمبر ﴿۵۴۲﴾ نمازیوں کی رعایت میں تعجیل وتاخیر	۳۷۴
۲۸۲	فائدہ	۳۷۶
۲۸۳	حدیث نمبر ﴿۵۴۳﴾ کپڑوں پر سجدہ	۳۷۶
۲۸۴	حدیث نمبر ﴿۵۴۴﴾ جہنم کی شکایت	۳۷۷
۲۸۵	اشکال مع جواب	۳۷۹
۲۸۶	ابراد بالصلوۃ کی حکمت	۳۸۰
۲۸۷	جہنم کی شکایت کی وجہ	۳۸۰
۲۸۸	اشکال مع جواب	۳۸۱
۲۸۹	دوسرا اشکال	۳۸۲

تمت وبالفضل عمت

×—××—××—××—×

مکتبہ محمودیہ

جامعہ محمودیہ علی پور ہاپوڑ روڈ میرٹھ (یوپی) ۲۴۵۲۰۶

باب احکام المیاہ

رقم الحدیث:...... ۴۳۷؁ تا ۴۵۰؁

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب احکام المیاہ

پانی کے احکام

﴿الفصل الاول﴾

ماءدائم میں پیشاب کرنا

﴿۴۳۷﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَایَبُوْلَنَّ اَحَدُکُمْ فِی الْمَاءِ الدَّائِمِ الَّذِیْ لَایَجْرِیْ، ثُمَّ یَغْتَسِلُ فِیْهِ، (متفق علیه) وَفِیْ رِوَایَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ لَایَغْتَسِلُ اَحَدُکُمْ فِی الْمَاءِ الدَّائِمِ وَهُوَ جُنُبٌ قَالُوْا کَیْفَ یَفْعَلُ یَا اَبَاهُرَیْرَةَا قَالَ یَتَنَاوَلُهٗ تَنَاوُلًا۔

حوالہ: بخاری شریف:۳۷/۱ ، باب البول فی الماء الدائم، کتاب الوضوء، حدیث نمبر:۲۲۹،مسلم شریف :۱۳۸/۱ ، باب النهی عن البول فی الماء الراکد، کتاب الطهارة، حدیث نمبر:۲۸۲۔

حل لغات: لایبولن، فعل نہی،نون تاکید ثقیلہ ہے،بَالَ (ن) بولاً، پیشاب کرنا،البول، پیشاب،یتناوله، (تفاعل)تَنَاوَلَ، الشیء، لینا،استعمال کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اس ٹھہرے ہوئے پانی میں جو بہنے والا نہ ہو پیشاب نہ کرے، کہ پھر اس میں غسل کرنے لگے۔ (بخاری و مسلم) مسلم کی ایک روایت کے الفاظ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی شخص ناپاکی کی حالت میں ٹھہرے ہوئے پانی میں غسل نہ کرے، لوگوں نے کہا: ابو ہریرہؓ پھر کس طرح کرنا چاہئے؟ انہوں نے فرمایا اس میں سے تھوڑا تھوڑا پانی لے کر۔

تشریح: اس حدیث کا خلاصہ اور مطلب یہ ہے کہ جس پانی سے غسل کرنا یا اس کو دوسری جگہ استعمال کرنا ہو، اس میں پیشاب نہ کرنا چاہئے، اگر پانی تھوڑا ہے تو اس میں پیشاب کرنا حرام ہے؛ کیوں کہ ایسی صورت میں پانی نجس ہو جاتا ہے، اور اگر پانی کثیر ہے تو اس صورت میں پیشاب کرنا مکروہ ہے، کیوں کہ ماءِ کثیر پیشاب سے اگر چہ نجس نہیں ہوتا؛ لیکن کسی ایک شخص کے پیشاب کرنے کی وجہ سے بسا اوقات دوسرے لوگ بھی پیشاب کرنے لگتے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کثرت سے پیشاب کرنے کی وجہ سے ماءِ کثیر بھی متغیر ہو کر نجس ہو جاتا ہے؛ لہٰذا ماءِ کثیر میں پیشاب کرنا بھی مکروہ ہے، اس حدیث میں ایک دوسری بات یہ بھی بتائی گئی ہے کہ اگر جنبی پانی نکالنے کی غرض سے پانی میں ہاتھ ڈالتا ہے تو پانی نجس نہ ہوگا؛ لیکن اگر وہ اپنے ہاتھوں کی ناپاکی دور کرنے کی غرض سے ڈالتا ہے تو پانی نجس ہو جائے گا۔

یہاں ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب سے منع کیا گیا ہے؛ کیوں کہ پیشاب کرنے کے بعد پینے کی، وضو کی اور غسل کی ضرورت پڑے گی، اور جس پانی میں پیشاب کیا جا چکا ہو وہ پانی لائق استعمال نہیں رہتا؛ لہٰذا اس مشقت و تکلیف سے بچانے کے لئے کہا گیا کہ ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کیا جائے۔

رُکے ہوئے پانی میں پائخانہ کرنا بھی پیشاب کے مذکورہ حکم میں ہے؛ بلکہ اس سے

بھی زیادہ برا ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص کسی برتن میں پیشاب پائخانہ کر کے پانی میں ڈالدے تو بھی پانی نجس ہو جائے گا، نیز اس نہی کا تعلق آدمی اور غیر آدمی سب کے پیشاب کے ساتھ ہے۔

ثم: یہاں "ثم" استبعاد کے لئے ہے، مطلب یہ ہے کہ یہ بات انسان کو زیب نہیں دیتی ہے کہ جو پانی آلۂ طہارت ہے اور جس کی ہمہ وقت ضرورت رہتی ہے، اس میں پیشاب کر کے اس کو ممنوع الاستعمال بنادیا جائے۔

رُکے ہوئے پانی میں استنجا کرنا

﴿۴۳۸﴾ وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ نَهىٰ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّبَالَ فِي الْمَاءِ الرَّاكِدِ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۱۳۸، باب النهی عن البول فی الماء الراکد، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۲۸۱۔

حل لغات: الراکد، پرسکون، ٹھیرا ہوا، منجمد، رَکَدَ (ن) رُکُوْدًا، ٹھیرنا، حرکت بند کرنا۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے منع کیا کہ ٹھیرے ہوئے پانی میں استنجا کیا جائے۔

تشریح: جو مضمون گذشتہ حدیث کا تھا وہی مضمون اس حدیث کا بھی ہے۔

گذشتہ حدیث میں "الماء الدائم" تھا، اس حدیث میں "الماء الراکد" ہے، دونوں کا مطلب ایک ہی ہے جس کو گذشتہ حدیث کے ذیل میں بیان کیا جا چکا، باقی تفصیلی

بحث حدیث القلتین کے تحت آگے آرہی ہے۔

وضو کا بچا ہوا پانی پینا

﴿۴۳۹﴾ وَعَنْ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ ذَهَبَتْ بِيْ خَالَتِيْ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّ ابْنَ أُخْتِيْ وَجِعٌ فَمَسَحَ رَأْسِيْ وَدَعَالِيْ بِالْبَرَكَةِ ثُمَّ تَوَضَّأَ فَشَرِبْتُ مِنْ وَضُوْئِهِ ثُمَّ قُمْتُ خَلْفَ ظَهْرِهِ فَنَظَرْتُ إِلَى خَاتَمِ النُّبُوَّةِ بَيْنَ كَتِفَيْهِ مِثْلَ زِرِّ الْحَجَلَةِ۔ (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۴۱، باب استعمال فضل وضوء الناس، کتاب الوضوء، حدیث نمبر:۱۹۰، مسلم شریف: ۲۵۹/۱، باب اثبات خاتم النبوة، کتاب الفضائل، حدیث نمبر:۳۳۴۵۔

حل لغات: وَجِعٌ، ہر ایک قسم کی تکلیف، ج اَوْجَاعٌ، وَجِعَ (س) وَجَعًا، دکھی ہونا، تکلیف محسوس کرنا، زِرٌّ، بٹن گھنڈی، الحجلة، گنبد نما کپڑوں سے آراستہ کیا ہوا دولہن کا کمرہ، گھر کے اندر دولہن کے لئے لگایا ہوا پردہ، ایک پرندہ (چکور) ج حَجَلٌ، وَحِجَالٌ.

ترجمہ: حضرت سائب بن یزید سے روایت ہے کہ میری خالہ مجھ کو لے کر حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! یہ میرا بھانجہ بیمار ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میرے سر پر دست مبارک پھیرا، اور میرے لئے خیر و برکت کی دعاء کی، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وضو فرمایا، اور میں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وضو کا بچا ہوا پانی پیا، اس کے بعد

میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پشت مبارک کے پیچھے آ کر کھڑا ہوا، تو میری نظر مہر نبوت پر پڑی، جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دونوں مونڈھوں کے درمیان چھپر کھٹ کی گھنڈی کی طرح تھی۔

تشریح: وجع: ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ حضرت سائب رضی اللہ عنہ کے سر میں بیماری ہو؛ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر پر اسی مقصد سے ہاتھ پھیرا؛ تاکہ اس کے ذریعہ سے ان کا مرض دور ہو جائے اور وہ شفا پا جائیں؛ چنانچہ ایسا ہی ہوا، حضرت سائب رضی اللہ عنہ شفایاب ہو گئے اور ان کی عمر تقریباً سو سال ہوئی اور ان کا ایک بھی بال سفید نہیں ہوا، اور نہ ہی ان کا کوئی دانت گرا۔

دعا لی بالبرکة: نعمتوں میں اضافہ کے لئے میرے حق میں برکت کی دعاء فرمائی۔ (مرقاۃ:۲/۵۳)

فشربت من وضوئه: حضرت سائب رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو سے بچا ہوا پانی پیا، اس میں دو احتمال ہیں۔

(۱)...... اعضا سے ٹپکنے والا پانی مراد ہو۔

(۲)...... برتن میں بچا ہوا پانی مراد ہو، پہلا احتمال زیادہ قوی ہے، اس وجہ سے کہ جو پانی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعضاء مبارک کو لگ کر جدا ہوا ہو اس کو بیماری کے دفعیہ کے لئے استعمال کرنا زیادہ قرین قیاس ہے۔

ماءِ مستعمل کی تعریف

ماءِ مستعمل وہ قلیل پانی ہے جس سے حدث کا ازالہ کیا گیا ہو، یا بہ نیت قربت اس کو استعمال کیا گیا ہو، اور پانی بدن سے جدا ہو گیا ہو، یعنی پانی عضو سے الگ ہوتے ہی مستعمل

ہو جاتا ہے۔

ماء مستعمل میں مذاہب ائمہ

ماء مستعمل کا مسئلہ اختلافی ہے، امام مالکؒ کا مشہور قول یہ ہے کہ طاہر و مطہر ہے اور امام شافعیؒ و احمدؒ کا راجح قول یہ ہے کہ طاہر ہے، مطہر نہیں ہے، اور حنفیہ کے یہاں تین روایات ہیں، مشہور اور راجح یہی ہے کہ طاہر ہے مطہر نہیں ہے، یہ امام صاحب سے امام محمدؒ کی روایت ہے، اور دوسری روایت امام صاحب کی جس کے راوی امام ابو یوسفؒ اور حسن بن زیادؒ ہیں یہ ہے کہ وہ نجس ہے، لیکن حسن بن زیاد سے نجاست غلیظہ اور ابو یوسفؒ سے نجاست خفیفہ منقول ہے۔

ماء مستعمل کے طاہر ہونے پر دلائل

(۱)...... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "**الماء طهور لاينجسه شيء الا ماغير مالونه او ريحه او طعمه**" چوں کہ پانی کے استعمال کرنے کے بعد ان تینوں وصفوں میں سے کسی وصف میں تغیر پیدا نہیں ہوتا؛ لہٰذا پانی پاک رہے گا۔

(۲)...... آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے وضو کا بچا ہوا پانی حضرت جابر رضی اللہ عنہ پر ڈالنا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا اس پانی سے تبرک حاصل کرنا ماء مستعمل کے پاک ہونے کی دلیل ہے۔ اسی طرح حدیث الباب بھی ماء مستعمل کے پاک ہونے کی دلیل ہے۔

ماء مستعمل کو نجس کہنے کی وجہ

امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ نے ماء مستعمل کو جو غیر طاہر کہا ہے، علامہ شعرانیؒ نے میزان

میں اس کے متعلق لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اس کو نجس کہنے پر مجبور تھے؛ کیونکہ ان کا کشف اس قدر کمال کو پہنچا ہوا تھا کہ ماء مستعمل کے ساتھ جو گناہ جھڑتے تھے امام صاحبؒ کو وہ نظر آتے تھے، انہی گناہوں کے پیش نظر امام صاحبؒ ماء مستعمل کو نجس قرار دیتے تھے، اور گناہ کبیرہ کے مرتکب کے ماء مستعمل کو دیکھ کر نجاست غلیظہ اور گناہ صغیرہ کے مرتکب کے ماء مستعمل کو دیکھ کر نجاست خفیفہ فرمایا، لیکن اب مفتی بہ قول یہی ہے کہ ماء مستعمل طاہر ہے، نصر الباری و فضل الباری میں علامہ شعرانیؒ کے امام ابوحنیفہؒ کے اس کشف سے متعلق (جس میں ان کو وضو اور غسل کرنے والے کے گناہ کا جھڑنا دکھتا تھا) کئی ایک واقعات منقول ہیں۔ (نصر الباری:۱۰۵ / تا ۱۰۷، ۲/ فضل الباری)

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ آگے کہتے ہیں کہ جب میں شفا پا گیا، تو میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک کے پیچھے چلا گیا، میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پشت پر مہر نبوت لگی ہوئی ہے۔

"مہر نبوت"

مہر نبوت اس قدرتی نقش کو کہتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کتف مبارک پر تھا، اس نقش کو مہر نبوت سے اس لئے تعبیر کیا جاتا ہے کہ پچھلی آسمانی کتابوں میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی جو علامتیں اور نشانیاں تھیں، ان میں سے ایک علامت یہ بھی بیان کی گئی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں مونڈھوں کے درمیان "مہر نبوت" ہوگی؛ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب اس دنیا میں تشریف لائے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں مونڈھوں کے درمیان یہ مہر پائی گئی، اور اس کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہچانے گئے کہ یہی نبی آخر الزماں ہیں، اس مہر کے باطن میں "وحدہ لاشریک لہ" لکھا

ہوا تھا، اور اس کے ظاہر پر "توجه حیث ماکنت فانک منصور" [تو جدھر چاہے ادھر جا، تجھ کو اللہ کی مدد و نصرت حاصل ہے] لکھا ہوا تھا۔

یہ مہر نبوت کب ظاہر ہوئی؟

اس کے بارے میں اقوال مختلف ہیں، بعض حضرات نے لکھا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ چاک کر کے سیا گیا، اس کے بعد یہ مہر نبوت ظاہر ہوئی۔

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جوں ہی بطن مادر سے پیدا ہوئے تو فرشتے نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تین غوطے دئے، پھر سفید حریر کی ایک تھیلی نکالی، اس میں ایک مہر تھی، وہ مہر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مونڈھے پر لگادی۔

اور بعض حضرات کہتے ہیں یہ مہر پیدائشی تھی یعنی اس مہر سمیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تھے۔ (مرقاۃ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ''ختم نبوت'' سے نبوت کے اختتام کی طرف بھی اشارہ ہے؛ چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ مہر نبوت ختم نبوت کی علامت تھی، یہ علامت جیسا کہ ذکر کیا گیا دونوں مونڈھوں کے درمیان میں تھی، مگر بالکل بیچ میں نہیں تھی؛ بلکہ بائیں جانب مائل تھی، صوفیا نے لکھا ہے کہ وہ جگہ شیطان کے وسوسہ ڈالنے کی ہے، جیسا کہ بعض اولیاء کبار کو کشف سے معلوم ہوا کہ شیطان کے ایک سونڈ ہے، جب وہ کسی کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے تو اس کے پیچھے بیٹھ کر اسی سونڈ سے اس کے دل میں وسوسہ پہنچاتا ہے، حق تعالیٰ شانہ نے مہر نبوت کے ذریعہ ایسی چیز سے محفوظ کر دیا۔ (نصر الباری: ۲/۱۱۰)

زر الحجلة: "زر" کے معنی گھنڈی، اور "حجلة" چھپر کھٹ کو کہتے ہیں، جو دولہن کے لئے تیار کیا جاتا ہے، اس پر پردے ڈالے جاتے ہیں، اس میں گھنڈیاں لگاتے ہیں، اس گھنڈی سے مہر نبوت کو تشبیہ دی ہے، یہ تشبیہ یا تو خوبصورتی میں ہے، یا ابھار میں، یہ

تشریح اس صورت میں جب کہ ''زر'' یعنی ''زا'' کو ''را'' پر مقدم رکھیں، اور اگر اس روایت کو لیا جائے جس میں ''را'' کو ''زا'' پر مقدم رکھا گیا ہے، تو پھر حجلۃ کے معنی چکور پرندہ کے ہوں گے، اور مطلب یہ ہوگا کہ مہر نبوت چکور کے انڈے کے مانند تھی۔ واللہ اعلم

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: فتح الباری: ٦/٥٢٢۔

﴿الفصل الثانی﴾

قلیل وکثیر پانی کی مقدار

﴿٤٤٠﴾ وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمَاءِ یَکُوْنُ فِی الْفَلَاۃِ مِنَ الْاَرْضِ وَمَا یَنُوْبُہُ مِنَ الدَّوَابِّ وَالسِّبَاعِ فَقَالَ اِذَا کَانَ الْمَاءُ قُلَّتَیْنِ لَمْ یَحْمِلِ الْخَبَثَ۔ (رواہ احمد وابوداؤد والترمذی والنسائی والدارمی وابن ماجۃ) وَفِیْ اُخْرٰی لِاَبِیْ دَاوٗدَ فَاِنَّہٗ لَایَنْجَسُ۔

حوالہ: مسند احمد: ٢/٢٧، ابوداؤد شریف: ١/٩، باب ماینجس الماء، کتاب الطھارۃ، حدیث نمبر: ٦٣۔ ترمذی شریف: ١/٢٠، باب الماء لاینجسہ شیء، کتاب الطھارۃ، حدیث نمبر: ٦٧۔ نسائی شریف: ١/٩، باب التوقیت فی الماء، کتاب الطھارۃ، حدیث نمبر: ٥٢۔ ابن ماجہ: ٤٠، باب مقدار الماء الذی لاینجس، کتاب الطھارۃ، حدیث نمبر: ٥١٧۔ دارمی: ١/٢٠٢، باب قدر الماء الذی لاینجس، کتاب الطھارۃ، حدیث نمبر: ٧٣٢۔

حل لغات: الفَلاۃُ، بیابان، ج فَلاً وفَلَوَاتٌ، یَنُوْبُ نَابَ (ن) نوبًا، باری باری آنا، ناوبہ فی الشیٔ والامر، کسی کے ساتھ باری باری کام کرنا، یا کسی چیز میں حصہ لینا، الدوابُّ، جمع ہے، واحد الدَّابَۃُ، زمین پر چلنے والا جانور، مویشی، چوپایہ، السِّبَاعُ، جمع ہے، واحد السَّبُعُ، درندہ، پھاڑ کھانے والا جانور، ج سِبَاعٌ وَاَسْبُعٌ وسُبُوْعٌ، قلتین، تثنیہ ہے، واحد قُلَّۃٌ، ج قُلَلٌ وَقِلالٌ، پانی کی صراحی۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس پانی کے بارے میں سوال کیا گیا جو بیابان زمین میں ہوتا ہے، اور چوپائے ودرندے باری باری اس پر آتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب پانی دو قلے ہو تو ناپاک نہیں ہوتا۔ (احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، دارمی، ابن ماجہ) ابوداؤد کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ ''پانی نجس نہیں ہوتا''

تشریح: اس حدیث کے ظاہر سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اگر پانی دو قلہ کے بقدر ہو تو وہ پانی کثیر ہے، اس میں اگر نجاست گر جائے تو جب تک اس کے رنگ، بو، مزہ میں تغیر نہ آئے پانی پاک رہے گا، محض نجاست کے گرنے سے پانی نجس نہ ہوگا۔

الفلاۃ: صحرا یا جنگل و بیابان میں جو پانی ہوتا ہے، اس کا حکم دریافت کیا، من الدواب والسباع. اس سے معلوم ہوا کہ درندوں کا جھوٹا پانی نجس ہوتا ہے، اگر درندوں کا جھوٹا نجس نہ ہوتا تو سوال وجواب کی ضرورت نہ پڑتی۔

قلہ بڑے مٹکے کو کہتے ہیں، اس میں ڈھائی مشک سے زیادہ پانی آتا ہے، اس طرح قلتین یعنی دو مٹکوں میں پانچ مشک پانی آتا ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ ''قلہ'' وہ بڑا گھڑا ہے جس میں ڈھائی سو رطل پانی آتا ہے، تو دو قلے میں پانچ سو رطل پانی آجائے گا، ایک قول ہے کہ دو قلے میں چھ سو رطل پانی آتا ہے، قلہ کے سلسلہ میں اور بھی اقوال ہیں۔

لم یحمل الخبث: اس میں سب کا اتفاق ہے کہ پانی فی نفسہ پاک ہے، نیز اس میں بھی اتفاق ہے کہ پانی میں اگر کوئی پاک چیز مل جائے تو جب تک پانی کی رقت اور سیلان باقی رہے گا پانی پاک رہے گا، اسی کے ساتھ اس بات میں بھی اتفاق ہے کہ پانی میں کوئی ناپاک چیز گر جائے تو پانی ناپاک ہو جاتا ہے؛ لیکن اس کی تفصیل میں اختلاف ہے، چنانچہ اس سلسلے میں دو مذاہب زیادہ مشہور واہم ہیں۔

(۱)......امام مالک کا مذہب۔

(۲)......امام ابو حنیفہؒ و شافعیؒ کا مذہب۔

آگے چل کر امام صاحبؒ و امام شافعیؒ میں بھی اختلاف ہو جاتا ہے؛ لہٰذا انجام کے اعتبار سے تین مذاہب زیادہ مشہور ہیں۔

امام مالکؒ کے نزدیک: نجاست گرنے میں مدار پانی کے اوصاف بدلنے پر ہے، پانی خواہ قلیل ہو یا کثیر اس سے بحث نہیں، نجاست گرنے کے بعد اگر پانی کا کوئی وصف بدل گیا تو پانی نجس اور اگر نہیں بدلا تو پانی پاک۔

امام ابو حنیفہؒ و شافعیؒ کے نزدیک: پانی کے قلت و کثرت کا اعتبار ہے، اگر نجاست قلیل پانی میں گری ہے تو پانی نجس اور اگر کثیر پانی میں گری ہے تو پاک رہیگا۔

پھر قلت و کثرت کی تعیین میں ان کا آپس میں اختلاف ہو گیا۔

امام صاحبؒ کے نزدیک: قلیل و کثیر کی کوئی حد مقرر نہیں ہے؛ بلکہ مبتلی بہ کی رائے کا اعتبار ہے۔

اہم فائدہ

قلیل اور کثیر پانی میں فرق کرنے کے لئے اصل مذہب حنفی یہی ہے کہ مبتلی بہ کے ظن

پر مدار ہے جس پانی کے بارے میں اس کی غالب رائے یہ ہو کہ ایک طرف پڑی ہوئی ناپا کی کا اثر دوسری طرف تک پہونچ جائے گا یہ قلیل ہے۔ اور اس کے خلاف کثیر ہے، حنفیہ کے ائمہ ثلاثہ کا مذہب یہی ہے۔ بعض متون متاخرین کے اندر جو یہ مسئلہ لکھدیا گیا ہے کہ کثیر پانی وہ ہے جو "عشر فی عشر" ہو یہ اصل مذہب حنفی نہیں ہے، یہ اس طرح سے شہرت پا گیا کہ امام محمد علیہ الرحمہ سے کسی نے پوچھا کہ غدیر عظیم کتنا ہوتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا میری مسجد کے برابر لوگوں نے مسجد کو ناپنا شروع کیا، اندر سے وہ "ثمانیة فی ثمانیة" اور باہر سے "عشر فی عشر" تھی اس سے سمجھ لیا گیا کہ ان کے نزدیک غدیر عظیم کی حد "عشر فی عشر" ہے، حالانکہ امام محمد علیہ الرحمہ کا مقصود تحدید نہیں تھا، بلکہ تقریب تھا اور اگر مان لیا جائے کہ ان کا مقصود تحدید تھا تو اس سے ان کا رجوع ثابت ہے، نیز انہوں نے غدیر عظیم کی حد بتائی ہے یہ اپنے ظن سے بتائی ہے مطلب یہ ہے کہ میرے ظن میں اتنا پانی کثیر سمجھا جاتا ہے۔ ظن مبتلی بہ کے مطابق فیصلہ کیا ہے، ایک مبتلی بہ کا ظن دوسروں کے لئے لازم نہیں ہوتا۔ اس لئے صحیح یہ ہے کہ امام محمدؒ بھی اس مسئلہ میں شیخین کے ساتھ ہیں، تینوں میں سے کوئی بھی تحدید حقیقی کے قائل نہیں ہیں، حنفیہ کا اصل مذہب تفویض الی ظن المبتلی بہ ہی ہے۔ "عشر فی عشر" اصل مذہب حنفی نہیں، بعد کے مشائخ متاخرین نے اسے سہولت کے لئے اختیار کیا ہے، ہر آدمی ذی رائے نہیں ہوتا، عام آدمی کو ایسے موقعہ پر فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے عوام کی آسانی کے لئے "عشر فی عشر" کی تحدید کی ہے، اس لئے کہ جو پانی دَہ دَرْ دَہ ہوگا اس میں ایک طرف کی ناپا کی کا اثر دوسری طرف تک نہیں پہونچتا، جب "عشر فی عشر" اصل مذہب حنفی نہیں ہے تو ہم دلائل سے اس بات کو ثابت کرنے کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ ہم پر ذمہ داری صرف اصل مذہب حنفی کے اثبات کی ہے، حنفیہ پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ "عشر فی عشر" کا مذہب کسی حدیث سے ثابت نہیں اس کا جواب یہی ہے کہ جو عرض کیا گیا کہ اصل

مذہب حنفی ہے ہی نہیں، لہٰذا ہم اس کے اثبات کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: البحر الرائق: ۷۷/۱،۷٦)

شارح وقایہ نے "عشر فی عشر" کو حدیث سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، حدیث میں آتا ہے: "من حفر بئرا فله اربعون ذراعا عطنا لماشيته" (سنن ابن ماجہ: ۱۸۱) یعنی جو شخص کسی مباح زمین میں کنواں کھودے تو اس کو حریم چالیس ذراع ہوگا۔ اس حریم کے اندر کسی اور شخص کو نہ پانی کا کنواں کھودنے کی اجازت ہوگی نہ بئر بالوعہ کھودنے کی۔ اس حدیث میں حریم چالیس ذراع بتایا گیا ہے، چالیس ذراع کا مطلب شارح وقایہ نے یہ لیا ہے کہ چاروں طرف دس دس ذراع ہو، اس مطلب کے لحاظ سے دس ذراع کے اندر دوسرا آدمی بئر الماء اور بئر بالوعہ کھودنے کا مجاز نہ ہوگا۔ دس ذراع سے باہر کھود سکتا ہے، یہاں شارح وقایہ نے استدلال کیا ہے کہ دیکھو شریعت دس ذراع تک بئر بالوعہ کھودنے کی اجازت نہیں دیتی اس سے آگے اجازت ہے اس کی علت یہی ہو سکتی ہے کہ دس ذراع تک نجاست کا اثر سرایت کر کے کنویں میں آئے گا، اس سے معلوم ہوا کہ شریعت کی نظر میں دس ذراع سے نیچے نیچے تک ایک طرف کی ناپاکی دوسری طرف تک اثر کرتی ہے، لہٰذا دس ذراع سے کم حوض کو قلیل کہیں گے، اور دس ذراع اور اس سے زیادہ کو کثیر کہیں گے۔ (شرح وقایہ: ۸۷/۱)

صاحب بحر نے شارح وقایہ کے اس استدلال پر اعتراضات کئے ہیں، پہلا اعتراض یہ ہے کہ حدیث میں جو "اربعون ذراعا" حریم آتا ہے، شارح وقایہ نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ دس ذراع ہر طرف ہوگا، صاحب بحر کہتے ہیں کہ یہ مطلب ٹھیک نہیں، صحیح مطلب یہ ہے کہ اس کنوئیں کا حریم چالیس ذراع ہر طرف ہوگا، لہٰذا وہ استدلال ختم ہوگیا۔

دوسرا اعتراض یہ کیا ہے کہ بات جو کہی گئی ہے کہ دس ذراع تک بئر بالوعہ نہیں کھود

سکتااس کے آگے کھودسکتا ہے، یہ اصل مذہب حنفی نہیں ہے، بلکہ مذہب حنفیہ یہ ہے کہ زمین کی تاثیر سمجھنے والے دو عادل تجربہ کاروں سے پوچھا جائے کہ ایسی زمین میں کتنی دور تک نجاست کا اثر کنوئیں میں پہونچ سکے گا، جہاں تک اثر پہونچنے کا خطرہ ہے وہاں تک بئر بالوعہ نہ کھودنے دیا جائے اور جتنی دور سے اثر پہونچنے کا خطرہ نہیں ہے وہاں تک کھودنے کی اجازت ہوگی، یہ مقدار زمین کے سخت یا نرم ہونے کے اعتبار سے بدل سکتی ہے۔

تیسرا اعتراض یہ کیا ہے کہ پانی کو زمین پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے، زمین کثیف چیز ہے، اور پانی اس کی نسبت لطیف ہے، زمین میں سے نجاست کا اثر اس قدر سرایت نہیں کرسکتا جس قدر تیزی سے پانی میں سرایت کرے گا، دس ذراع سے بئر بالوعہ کا اثر زمین میں سے ہوتا ہے، اگر کنوئیں تک پہونچے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ پانی کے تالاب میں سے بھی ایک طرف کی ناپاکی کا اثر اتنی دور ہی سے دوسری طرف پہونچے گا، بلکہ پانی کی لطافت کا تقاضہ یہ ہے کہ اس میں اس سے کم مسافت سے ایک طرف کی ناپاکی کا اثر دوسری طرف پہونچ جائے گا۔(اشرف التوضیح)

امام شافعیؒ کے نزدیک: قلت وکثرت کا مدار قلتین پر ہے، اگر پانی دوقلہ سے کم ہے تو قلیل ہے، اور اگر دوقلہ یا اس سے زائد ہے تو کثیر ہے، امام شافعیؒ کی دلیل حدیث باب ہے، جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر پانی دو قلے ہے تو وہ ناپاک نہیں ہوتا۔

جوابات: حدیث القلتین کے ہماری طرف سے متعدد طریقوں سے جوابات دیئے گئے ہیں۔

(۱)...... **مسلک الاضطراب:** اس حدیث میں سند ومتن دونوں اعتبار سے اضطراب ہے، متن میں اضطراب یہ ہے کہ کہیں قلتین ہے، اور ایک روایت میں ''قدر قلتین اوثلاث'' ایک روایت میں ہے ''اذا بلغ الماء قلة'' اور ایک روایت

میں "اربعین قلة" ہے، جب متن میں اس قدر اضطراب ہے تو اس حدیث سے استدلال کیسے درست ہوسکتا ہے؟ سند میں اضطراب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ حدیث تین طرق سے مروی ہے اور تینوں طرق میں بہت اختلاف ہے۔

(۲)...... **مسلک التضعیف**: ایک بڑی جماعت نے اس حدیث کی تضعیف کی ہے، علامہ ابن عبدالبر، ابن العربیؒ، علی المدینیؒ، امام غزالیؒ وغیرہ نے حدیث کے تمام طرق جمع کر کے اور بڑی چھان بین کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔

(۳)...... **مسلک الاجمال**: اس حدیث میں بہت زیادہ اجمال ہے، اور مجمل حدیث سے استدلال درست نہیں، یہ جواب امام طحاویؒ کا ہے، وہ کہتے ہیں کہ قلہ کئی معنی میں مستعمل ہے، اس کے معنی قامۃ رجل، رأس جبل، ہر بلند چیز اور اونٹ کے کوہان کے بھی آتے ہیں، نیز قلہ بڑے گھڑے و مٹکے کو بھی کہتے ہیں، پھر مٹکے بھی کئی طرح کے ہوتے ہیں، چھوٹے بڑے یہاں کون سے سائز کا مٹکا مراد ہے اس کی وضاحت بھی نہیں ہے۔

(۴)...... **مسلک التاویل**: یہ حدیث مؤول ہے، اس کے وہ معنی نہیں جو آپ بیان کرتے ہیں، بلکہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ماءِ قلیل خواہ دو قلہ کے بقدر ہو، وہ نجاست کا متحمل نہیں ہوسکتا؛ بلکہ نجاست گرنے سے نجس ہوجاتا ہے۔

(۵)...... **مسلک المعارضة بالروایات الصحیحة**: اس کے مقابل میں ہم صحیح روایات پیش کرتے ہیں؛ جن پر کوئی کلام نہیں ایک تو "حدیث المستیقظ من النوم" ہے۔ دوسری "لایبولن احدکم فی الماء الدائم" ہے۔ ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ماءِ قلیل ٹھہرا ہوا نجاست گرنے سے نجس ہوجاتا ہے،

خواہ وہ دو قلہ ہو یا نہ ہو۔(الدر المنضور: ۱/۱۹۱،۱۹۰)

بئر بضاعہ کا بیان

﴿۴۴۱﴾ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَنَتَوَضَّأُ مِنْ بِئْرِ بُضَاعَةَ وَھِیَ بِئْرٌ یُلْقٰی فِیْھَا الْحِیَضُ وَلُحُوْمُ الْکِلَابِ وَالنَّتْنُ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمَاءَ طَھُوْرٌ لَایُنَجِّسُہٗ شَیْءٌ۔ (رواہ احمد والترمذی وابوداؤد والنسائی)

حوالہ: مسند احمد: ۳/۳۱، ابوداؤد شریف: ۱/۹، باب ماجاء فی بئر بضاعة، کتاب الطھارۃ، حدیث نمبر:؟؟؟۔ ترمذی شریف: ۲۰، باب ان الماء لاینجسہ شیء، کتاب الطھارۃ، حدیث نمبر:۶۶۔ نسائی شریف:۳۷، باب ذکر بئر بضاعة، کتاب المیاہ، حدیث نمبر:۳۲۔

حل لغات: یُلْقٰی، باب افعال سے، مصدر القاءٌ، الشیء، ڈالنا، الحیضُ، جمع ہے، واحد الحیضةُ، حیض کا چیتھڑا، کرسف، الکلاب، جمع ہے، واحد الکلب، کتا، والنتن، نَتَنَ (ض) نتناً، بدبودار ہونا، یہاں بدبودار چیزیں مراد ہیں۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اے اللہ کے رسول! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیا ہم بئر بضاعة کے پانی سے وضو کر سکتے ہیں، جب کہ اس میں حیض کے کپڑے، کتوں کے گوشت اور بدبودار گندی چیزیں ڈالی جاتی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: بلاشبہ پانی پاک ہے، اس کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی۔

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ "بضاعة" کنویں کا پانی ماء کثیر کے حکم میں ہے؛ لہٰذا اس میں نجاست گرنے سے اس کنویں کا پانی نجس نہیں ہوتا، لیکن یہ حکم اس خاص کنویں کا ہے، اس حدیث سے یہ استدلال کرنا کہ کوئی بھی پانی نجاست گرنے سے نجس نہیں ہوتا غلط ہے۔

بضاعة: "با" کا کسرہ اور ضمہ دونوں جائز ہیں؛ لیکن ضمہ زیادہ مشہور ہے، یہ ایک معروف کنویں کا نام ہے، جو مدینہ طیبہ میں محلّہ بنو ساعدہ میں واقع تھا، اور اب بھی وہیں موجود ہے۔

یلقی فیها الحیض: وہ کپڑے مراد ہیں جو عورتیں ایام حیض میں استعمال کرتی ہیں۔

و النتن: بدبودار اشیاء مراد ہیں۔

ان الماء طهور: یہ حدیث امام مالکؒ کی دلیل ہے۔ ان کے نزدیک جب تک پانی کے اوصاف میں سے کوئی وصف متغیر نہیں ہوتا پانی نجس نہیں ہوتا، وہ کہتے ہیں کہ محض وقوع نجاست سے پانی نجس نہیں ہوتا، خواہ نجاست قلیل ہو یا کثیر، اسی طرح جس پانی میں نجاست گری ہے، وہ پانی قلیل ہو یا کثیر، مذکورہ بالا حدیث امام مالکؒ کی دلیل ہے، اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پانی کسی بھی حال میں نجس نہیں ہوتا، امام مالکؒ عدم تغیر اوصاف کی قید دوسری حدیث سے لگاتے ہیں، ابن ماجہ کی روایت ہے: "**الماء طاهر لاینجسه شی الا ماغلب علی طعمه او لونه او ریحه**"

حنفیہ کے نزدیک ماء قلیل نجاست گرنے سے نجس ہو جاتا ہے۔ حدیث باب بظاہر احناف کے خلاف ہے، لہٰذا ذیل میں ہم اس کا جواب ذکر کرتے ہیں۔

حدیث کا جواب

(۱)...... صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا بئر بضاعۃ کے بارے میں سوال مشاہدہ پر مبنی نہیں تھا، بلکہ نجاست کے اوہام وخطرات پر مبنی تھا، دراصل یہ کنواں نشیب میں تھا اور اس کے چاروں طرف آبادی تھی، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو یہ خطرہ گذرا کہ اس کے چاروں طرف جو نجاستیں پڑی رہتی ہیں وہ ہوا سے اڑ کر یا بارش سے بہہ کر اس کنویں میں نہ پڑ جاتی ہوں؛ ان خیالات کی وجہ سے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اس کی نجاست وطہارت کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کیا؛ لیکن چونکہ یہ خیالات محض وساوس اور اوہام تھے اور مشاہدہ پر مبنی نہیں تھے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قطع وساوس کے لئے جواب علی اسلوب الحکیم دیا، اور "ان الماء طهور لاينجسه شيء" فرمایا۔

اس جواب کا حاصل یہ ہے کہ "الماء" میں الف لام عہد خارجی کا ہے اس سے مراد خاص بئر بضاعہ کا پانی ہے اور "لاينجسه شيء" کا مطلب ہے "لاينجسه شي مما تتوهمون" یعنی جس کا تم کو وہم ہے اس سے پانی نجس نہیں ہوتا۔

(۲)...... "يلقى فيها الحيض" اصل میں "كان يلقى فيها الحيض" تھا، مطلب یہ ہے کہ بئر بضاعۃ میں زمانہ جاہلیت میں گندگیاں اور غلاظتیں ڈالی جاتی تھیں، اسلام کے بعد یہ سلسلہ منقطع ہو گیا؛ لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دل میں یہ شک باقی تھا کہ اگرچہ اب کنواں پاک وصاف ہو چکا ہے؛ لیکن اس کی دیواروں پر اب بھی نجاست کے اثرات باقی ہوں گے، اس پر انہوں نے سوال کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرمان کے ذریعہ سے ان کے وہم کو دور فرما دیا۔

(۳)......بئر بضاعۃ کا پانی جاری تھا، اس کے ذریعہ سے باغات سیراب کئے جاتے تھے؛ لہٰذا جاری ہونے کی وجہ سے وقوع نجاست سے وہ متأثر نہیں ہوتا تھا۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: مرقاۃ: باب احکام المیاہ)

سمندر کا پانی پاک ہے

﴿۴۴۲﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ سَأَلَ رَجُلٌ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا نَرْكَبُ الْبَحْرَ وَنَحْمِلُ مَعَنَا الْقَلِيْلَ مِنَ الْمَاءِ فَاِنْ تَوَضَّأْنَا بِهٖ عَطِشْنَا اَفَنَتَوَضَّأُ بِمَاءِ الْبَحْرِ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ الطَّهُوْرُ مَاؤُهٗ وَالْحِلُّ مَيْتَتُهٗ۔ (رواه مالك والترمذی وابوداؤد والنسائی وابن ماجة والدارمی)

حوالہ: مؤطا امام مالک: ۷، باب الطهور للوضوء، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۱۲۔ ابوداؤد شریف: ۱۲/۱، باب الوضوء بماء البحر، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۸۳۔ ترمذی شریف: ۲۰/۱، باب فی ماء البحر انه طهور، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۶۹۔ نسائی شریف: ۹/۱، باب ماء البحر، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۵۹۔ ابن ماجه: ۴۰، باب الوضوء بماء البحر، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۳۸۶۔ دارمی: ۲۰۱/۱، باب الوضوء من ماء البحر، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۷۲۸۔

حل لغات: نركب، رَكِبَ الشیء وعليه وفيه رُكُوْبًا، (س) سوار ہونا، نَحْمِلُ حَمَلَ (ض) حَمْلاً، لادنا، اٹھانا، عطشنا عَطِشَ (س) عَطَشًا، پیاس لگنا،

پیاسا ہونا، **المیتہ**، مردار جانور، جو اپنی موت خود مرا ہو، یا غیر شرعی طور پر مارا گیا ہو۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم سمندر میں سفر کرتے ہیں، پانی ہمارے پاس کم مقدار میں ہوتا ہے، اگر اس پانی سے ہم وضو کریں تو پیاسے رہ جائیں، ایسی صورت میں کیا ہم سمندر کے پانی سے وضو کر سکتے ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ پاک کرنے والا ہے، اور اس کا مردار حلال ہے۔

تشریح: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ چوں کہ سمندروں میں بے شمار جانور مرتے ہیں اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کے پانی کے پاک ہونے کے بارے میں شبہ تھا؛ چنانچہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں دو باتیں ارشاد فرمائیں:

(۱)......سمندر کا پانی پاک کرنے والا ہے، لہٰذا اس سے وضو و غسل بھی جائز ہے، اور اس کا دیگر مصارف میں استعمال بھی مباح ہے۔

(۲)......سمندر کے مردار جانور مثلاً مچھلی بھی حلال ہے۔

سأل رجل: سوال کرنے والے کے نام کے بارے میں اختلاف ہے، کہا گیا ہے کہ ''عبداللہ، عبد، عبید، حمید بن صخر'' میں سے کوئی ایک نام تھا۔

انا نرکب البحر: رکوب بحر سے دریائی سفر مراد ہے۔

اشکال مع جواب

اشکال: دریا کا پانی کثیر ہوتا ہے، جاری ہوتا ہے، وقوعِ نجاست سے کسی کے نزدیک نجس نہیں ہوتا، تو پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس پانی سے وضو کرنے میں شبہ کیوں ہوا؟

جواب: اس اشکال کے عام طور سے تین جواب دئے جاتے ہیں:

(۱)...... ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "**لایرکب البحر الا حاجا او معتمرا او غازیا فی سبیل اللہ فان تحت البحر نارا**" چوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سمندر کے نیچے یعنی پانی میں آگ ہونے کی اطاع دی ہے اور آگ مظہر غضب ہے، لہٰذا اس سے وضو کرنے میں شبہ ہونا فطری بات ہے۔

(۲)...... دریا میں بہت جانور مرتے سڑتے اور گلتے ہیں، ایسے پانی کو استعمال کرنے میں کراہت ہوتی ہے اس لئے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اشکال ہوا۔

(۳)...... دریا کا پانی رنگ، بو، مزہ ہر اعتبار سے ماء مطلق سے کچھ مختلف محسوس ہوتا ہے، لہٰذا صحابہ رضی اللہ عنہم کو اشکال ہوا۔ ان جوابات سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کا اشکال بالکل بجا اور بہت معقول تھا۔

ھو الطھور ماؤہ: یہ صحابہ کے سوال کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب مرحمت فرمایا ہے۔ یہاں پر مسند اور مسند الیہ دونوں معرفہ ہیں، تو یہاں خبر پر الف لام یا تو تعارف کیلئے ہے، اور مقصد صحابہ کے وہم کو زائل کرنا ہے، خوب تاکید کے ساتھ، اور اگر یہاں حصر مانتے ہیں تو مسند الیہ کا حصر مسند میں ہوگا، مطلب حدیث کا یہ ہوگا کہ "**ماء البحر**" طہوریت میں منحصر ہے، **ماء البحر** طہور ہی ہے، غیر طہور نہیں اور اسکا عکس مراد نہیں، ورنہ لازم آئیگا کہ **ماء البحر** کے علاوہ کوئی اور پانی مطہر نہیں ہے، ایسی صورت میں طہوریت **ماء البحر** میں منحصر ہو جائیگی۔

اشکال مع جواب

اشکال: "**ھو الطھور ماؤہ**" پورا جملہ استعمال کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اگر صرف

"نعم" فرما دیتے تو بھی کافی تھا، اس طوالت میں بظاہر کوئی فائدہ سمجھ میں نہیں آتا۔

جواب: اگر صرف "نعم" کے ساتھ جواب پر اکتفا کیا جاتا تو اس کا تعلق صرف اس صورت سے ہوتا جو سوال میں مذکور ہے، اور اس سے یہ سمجھ میں آتا کہ "ماء البحر" سے اسی وقت وضو کرنا درست ہے؛ جب شیریں پانی تھوڑا ہو، حالانکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے؛ بلکہ ماء البحر سے وضو ہر حال میں جائز ہے، نیز اگر "نعم" سے جواب دیتے تو یہ بھی وہم ہوتا کہ غسل کرنے اور دیگر ضرورتوں میں استعمال کرنے کی اجازت نہیں، نیز یہ بھی وہم ہوتا کہ سمندر کا پانی صرف سمندر میں سفر کرنے والے استعمال کر سکتے ہیں، اور کوئی نہیں، تو ان سب اوہام کو دور کرنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں طوالت اختیار فرمائی، اور ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں؛ بلکہ عین حکمت ہے۔

و الحل میتته: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے سوال کے جواب میں ایک مزید بات ارشاد فرمائی کہ سمندر کے مردار حلال ہیں۔

اشکال مع جواب

اشکال: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دینے میں اضافہ کیوں فرمایا؟ حکمت کا تقاضہ تو یہ ہے کہ جتنا سوال ہو اتنا ہی جواب دیا جائے، سوال صرف پانی کے بارے میں تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے کے بارے میں کیوں ارشاد فرمایا؟

جواب: صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو جس طرح پانی کی ضرورت پڑ سکتی تھی اسی طرح کھانے کی بھی ضرورت پڑ سکتی تھی، اس لئے ضرورت کے پیش نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال سے پہلے ہی طعام کے بارے میں بھی جواب عنایت فرمایا۔ نیز

اس جواب سے صحابہ کے سمندر کے پانی کے بارے میں شبہ کا ازالہ بھی ہوگیا کہ میتة البحر پاک ہے، لہٰذا پانی میں ان کے مرنے سے پانی فاسد نہیں ہوتا۔

ملا علی قاریؒ نے ایک جواب یہ دیا ہے کہ ان کے سوال سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ ماء البحر کے حکم سے ناواقف تھے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قیاس فرمایا کہ وہ لوگ صید البحر کے حکم وحلت سے بھی ناواقف ہونگے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں اضافہ فرمایا۔ ارشادا وهدایةً. (مرقاۃ: باب احکام المیاہ)

میتة البحر میں احناف وجمہور کا اختلاف

میتة البحر کے مسئلہ میں ائمہ اربعہ کا اختلاف ہے۔

حنفیہ کا مذہب: حنفیہ کے نزدیک میتة البحر کا مصداق یہاں صرف مچھلی ہے، لہٰذا مچھلی کے علاوہ کوئی سمندری جانور حنفیہ کے نزدیک حلال نہیں ہے۔

دلائل: (۱)......قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "حرمت علیکم المیتة" اس سے معلوم ہوا کہ تمام میتہ حرام ہیں، سوائے اس میتہ کے جس کی تخصیص دلیل شرعی سے ثابت ہوگئی، اور دلیل شرعی سے دو میتہ کی حلت ثابت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "احلت لنا المیتان السمک و الجراد" ہمارے لئے دو مردار حلال کئے گئے ہیں: (۱) مچھلی۔ (۲) ٹڈی۔ معلوم ہوا سمندری میتہ میں صرف مچھلی حلال ہے۔

(۲)......آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پوری حیات طیبہ میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ایک مرتبہ بھی مچھلی کے علاوہ کسی دریائی جانور کے کھانے کا ثبوت نہیں ہے؛ اگر

مچھلی کے علاوہ جانور حلال ہوتے تو کبھی نہ کبھی بیان جواز کے لئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ضرور تناول فرماتے۔

امام مالکؒ کا مذہب: مالکیہ کے یہاں سوائے خنزیر کے تمام جانور حلال ہیں۔

شوافع کا مذہب: شافعیہ کے اس مسئلہ میں تین قول ہیں۔

(۱)......تمام سمندری جانور حلال ہیں، حتیٰ کہ **کلب البحر، خنزیر البحر، حیّاۃ البحر** سب حلال ہیں۔

(۲)...... دوسرا قول یہ ہے کہ سمندر کے سب جانور حلال ہیں، ماسوا ضفدع اور تمساح اور سلحفاۃ کے۔

(۳)......تیسرا قول یہ ہے کہ جن سمندری جانوروں کی نظیر بری جانوروں میں حلال ہے وہ سمندری جانوروں میں بھی حلال ہے، جیسے بکری، اونٹ وغیرہ۔اور جن سمندری جانوروں کی نظیر بری جانوروں میں حرام ہے، وہ سمندری میں بھی حرام ہیں، جیسے خنزیر، کلب وغیرہ۔اور جن سمندری جانوروں کی نظیر بر میں نہیں وہ بھی حلال ہیں۔

علامہ نوویؒ نے امام شافعیؒ کے جس قول کو مفتی بہ قرار دیا ہے وہ یہ ہے کہ ضفدع (مینڈک) کے سوا تمام بحری جانور حلال ہیں۔

امام احمدؒ کا مذہب: امام احمد کے نزدیک تمساح، ضفدع، کوسج کے علاوہ بقیہ تمام بحری جانور حلال ہیں۔

چونکہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تقریباً تمام آبی جانور حلال ہیں، اس لئے ان کے دلائل ساتھ میں ذکر کئے جاتے ہیں۔

ائمہ ثلاثہ کے دلائل: (۱)......قرآن مجید میں "**احل لکم صید البحر وطعامه**" اس آیت قرآنی میں لفظ "صید" عام ہے؛ اس لئے ہر جانور حلال ہوگا۔

(۲)......حدیث باب میں "الحل میتتہ" کے الفاظ ہر آبی میتہ کی حلت بیان کرر ہے ہیں۔

جواب: جمہور کی پہلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید کی آیت سے استدلال اس وقت درست ہوگا جب کہ لفظ "صید" کو "مصید" کے معنی میں لیا جائے، اور مصید یہ اسم مفعول ہے، مصدر کو مفعول کے معنی میں لینا مجاز ہے، اور بلا ضرورت مجاز کی طرف رجوع کرنا درست نہیں ہے، اور آیت کا مقصد محرم کے حق میں صید البحر اور صید البر کے درمیان فرق کرنا ہے، یعنی یہ بتانا ہے کہ محرم کے لئے حالت احرام میں صید البر ناجائز اور صید البحر جائز ہے، اس آیت سے مقصود حلت لحم بیان کرنا نہیں ہے، آیت کا سیاق وسباق بھی اسی پر شاہد ہے۔ اور اگر بالفرض یہاں صید سے مصید مراد ہوتو بحر کی طرف اضافت عہد خارجی کے لئے ہوگی، اور ایک مخصوص شکار مراد ہوگا اور وہ مچھلی ہے جس کی حلت دوسرے دلائل سے ثابت ہو چکی ہے اور اس کی حلت کے احناف بھی قائل ہیں۔

جمہور کی دوسری دلیل حدیث باب کا جواب یہ ہے کہ یہاں "حل" سے حلال ہونا نہیں بلکہ طاہر ہونا مراد ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ اس حدیث میں سلسلہ کلام طہارت ہی کا چل رہا ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم کو شبہ تھا کہ سمندر میں مرنے والا جانور ناپاک ہوتا ہے، اس شبہ کو ختم کرنے کیلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ سمندر کا میتہ پاک ہے، اس کے علاوہ یہ جواب بھی دیا گیا ہے کہ یہاں میتہ میں اضافت استغراق کے لئے نہیں ہے، بلکہ عہد خارجی کیلئے ہے۔ لہٰذا اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ سمندر کا وہ میتہ حلال ہے، جس کے بارے میں حلت کی نص آ چکی ہے اور حلت کی نص صرف سمک کے بارے میں آئی ہے۔

سمک طافی کا حکم

طافی اس مچھلی کو کہتے ہیں کہ جو پانی میں بغیر کسی سبب کے مرگئی ہو، اور وہ الٹی ہوگئی ہو، ائمہ ثلاثہ اس کو حلال کہتے ہیں، حنفیہ اس کو حرام قرار دیتے ہیں۔

جھینگہ کا حکم

ائمہ ثلاثہ اس کے جواز کے بھی قائل ہیں، حنفیہ کے یہاں مدار اس بات پر ہے کہ یہ مچھلی ہے یا نہیں؟ اگر مچھلی ہے تو حلال ہے اور اگر مچھلی نہیں ہے تو حرام ہے۔ یہ مباحث بذل، معارف السنن، درس ترمذی، اور الدر المنضود سے مستفاد ہیں۔

فتویٰ حضرت فقیہ الامتؒ

جھینگے کے بارے میں فقیہ الامت حضرت اقدس مفتی محمود حسن گنگوہی قدس سرہٗ تحریر فرماتے ہیں:

حنفیہ کے نزدیک دریائی جانوروں میں سے صرف مچھلی جائز ہے اور کوئی جانور جائز نہیں جھینگا مچھلی اگر مچھلی ہی کی کوئی قسم ہے تو وہ جائز ہے جیسا کہ علامہ دمیری شافعی نے حیات الحیوان ص:۱۷۱ر۳ میں لکھا ہے اور اسی سے تتمہ ثالثہ امداد الفتاویٰ ص:۵۰ر میں نقل کیا ہے اگر یہ مچھلی کی قسم نہیں بلکہ کوئی اور جانور ہے اور محض نام جھینگا مچھلی مشہور ہوگیا ہے تو یہ جائز نہیں جیسا کہ فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۲۲/۲ ر میں ہے۔ مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحیؒ ص ۱۱۰/۲ ر میں دونوں قول نقل کئے ہیں حمادیہ کی عبارت نقل کی ہے "الدود الذی یقال لہ جھینگا حرام عند بعض العلماء لانہ لا یشبہ السمک فانما یباح عندنا من صید البحر انواع

السمک وھذا لایکون کذٰلک وقال بعضھم حلال لانہ یسمی باسم السمک اھ ج:٣ر ص:١٠٤راور ١٠٧ر میں بھی دونوں قول نقل کئے ہیں تذکرۃ الخلیل ص:٢٠٠ر میں عدم جواز کا فتویٰ ہے۔ یہی راجح ہے نیز جب کہ اس میں حرمت کا قول بھی ہے تو اس سے اجتناب ہی بہتر ہے۔ لقولہ علیہ السلام دع ما یریبک الی مالایریبک، الحدیث. فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ:١٩٥/ ٢٧)

نبیذ سے وضو کرنے کا بیان

﴿٤٤٣﴾ وَعَنْ اَبِیْ زَیْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَنْ عَبْدِاللّٰہِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَہٗ لَیْلَۃَ الْجِنِّ مَا فِیْ اِدَاوَتِكَ قَالَ قُلْتُ نَبِیْذٌ قَالَ تَمْرَۃٌ طَیِّبَۃٌ وَّمَاءٌ طَھُوْرٌ۔ (رواہ ابوداؤد) وَزَادَ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ فَتَوَضَّاَ مِنْہُ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ اَبُوْزَیْدٍ مَجْھُوْلٌ وَصَحَّ عَنْ عَلْقَمَۃَ عَنْ عَبْدِاللّٰہِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَمْ اَکُنْ لَیْلَۃَ الْجِنِّ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: ابوداؤد شریف:١٢/ ١، باب الوضوء بالنبیذ، کتاب الطھارۃ، حدیث نمبر:٨٤۔ مسند احمد: ٤٥٠/ ١، ترمذی شریف:٢٦/ ١، باب الوضوء بالنبیذ، کتاب الطھارۃ، حدیث نمبر:٨٨۔

حل لغات: اِدَاوَۃٌ، پانی کا برتن (چمڑے کا) ج اَدَاوَی، تَمَرَۃٌ، التَّمْرُ، خشک کھجور، ج تُمُوْرٌ.

ترجمہ: حضرت ابوزید رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے

روایت کرتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لیلۃ الجن میں ان سے دریافت فرمایا: کہ تمہاری چھاگل میں کیا ہے؟ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا، اس میں نبیذ ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کھجور پاک ہے، اور پانی پاک کرنے والا ہے، (ابوداؤد) احمد وترمذی نے اس روایت میں یہ الفاظ مزید نقل کئے ہیں کہ اور پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے وضو فرمایا: لیکن ترمذی نے یہ بھی کہا ہے کہ ''ابوزید'' مجہول ہیں، اور صحیح روایت علقمہؒ کی ہے، جس کو انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لیلۃ الجن میں نہیں تھا۔ (مسلم)

تشریح: لیلۃ الجن سے مراد وہ رات ہے جس میں جنات کے کچھ نمائندے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دین کی کچھ باتیں سکھانے کی درخواست کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تھے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جنات کے یہاں جاتے وقت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو راستہ میں کسی جگہ روک کر بیٹھا دیا، اور کہا کہ یہاں سے آگے مت بڑھنا، اور اس جگہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی حفاظت کی غرض سے حصار بھی فرما دیا تھا، صبح کے وقت جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جنات کے پاس سے تشریف لائے، اس وقت چونکہ نماز کا وقت ہو چکا تھا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا جیسا کہ حدیث میں ہے کہ تمہارے چھاگل میں کیا ہے؟ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس صرف نبیذ تھی، ماء مطلق نہیں تھا، لہٰذا ان کے پاس موجود نبیذ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وضو فرما کر نماز پڑھی۔

نبیذ ایک قسم کا شربت ہے جو کھجور، کشمش، جو وغیرہ سے بنتا ہے، لیکن عام طور پر کھجور کی

نبیذ بنائی جاتی ہے؛لہٰذا جب مطلق نبیذ بولا جاتا ہےتو نبیذ تمر ہی مراد ہوتی ہے،اسی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نوش فرماتے تھے۔

نبیذ بنانے کا طریقہ

نبیذ بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ جس چیز کی نبیذ بنانی ہوتی ہے اس کو پانی میں ڈال کر رکھ دیا جاتا ہے، کچھ مدت گذرنے کے بعد پانی میں اس چیز کا اثر اور ذائقہ پیدا ہوجاتا ہے، پھر اس پانی کو پی لیا جاتا ہے یہی نبیذ ہوتی ہے۔

نبیذ کے اقسام باعتبار احکام

احکام کے اعتبار سے نبیذ کی تین قسمیں ہیں۔

(۱)...... کھجور پانی میں اتنی مدت رہی کہ پانی میں اس کی مٹھاس کا ابھی اثر نہیں آیا۔

(۲)...... کھجور اتنی دیر پانی میں رہی کہ پانی میں صرف مٹھاس پیدا ہوئی اس میں کسی قسم کا جھاگ اور نشہ نہیں آیا۔

(۳)...... کھجور پانی میں اتنی زیادہ رہی کہ پانی میں حدت تیزی جھاگ اور نشہ پیدا ہوگیا۔

قسم اول سے وضو کرنا بالاتفاق جائز ہے، اس لئے کہ حقیقتاً یہ نبیذ ہے ہی نہیں، یہ تو صرف لغۃً نبیذ ہے، تیسری قسم جس میں سکر پیدا ہوجائے اس سے بالاتفاق وضو جائز نہیں، دوسری قسم جو درمیانی ہے اس سے وضو کے جواز وعدم جواز میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

ائمہ ثلاثہ کا مذہب: ائمہ ثلاثہ وابو یوسفؒ کے نزدیک اس نبیذ سے وضو جائز نہیں۔چنانچہ ایسی صورت میں وضو نہ کرکے تیمم کرنا چاہیئے۔

دلیل: قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:"**فلم تجدوا ماءً فتیمموا**" یعنی جب ماء

مطلق نہ ہوتو تیمم کرو، اور نبیذ ماء مطلق تو ہے نہیں؛ لہٰذا اگر ماء مطلق نہ ہو اور نبیذ ہو تو نبیذ سے وضو کرنا جائز نہیں؛ بلکہ تیمم کیا جائے گا۔

امام ابو حنیفہ ؒ کا مذہب: امام صاحبؒ کا مذہب یہ ہے کہ نبیذ سے وضو کیا جائے گا، تیمم نہیں کیا جائیگا۔

دلیل: امام صاحبؒ کی دلیل حدیث باب ہے، جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نبیذ سے وضو فرمانا مذکور ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نبیذ کو پاک قرار دیا ہے اور ترمذی کی روایت کے مطابق وضو بھی فرمایا ہے۔

امام محمد ؒ کا مذہب: امام محمدؒ کے نزدیک نبیذ سے وضو کیا جائے گا، پھر تیمم بھی کیا جائے گا، وہ فرماتے ہیں کہ احتیاط کا تقاضہ یہی ہے کہ وضو بالنبیذ اور تیمم دونوں کرلیا جائے۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل کا جواب: نبیذ تمر، ماء مطلق ہی ہے، نبیذ تمر ماء مطلق سے خارج نہیں ہے، اصل میں واقعہ یہ تھا کہ عرب کا پانی اکثر نمکین ہوتا تھا، استعمال کرنا مشکل ہوتا تھا، تو اس کے نمک کو دور کر کے خوش ذائقہ بنانے کے لئے کچھ کھجور ڈالی جاتی تھی، جیسے کہ ہم پانی کو ٹھنڈا کرنے کے لئے برف ڈالتے ہیں، یا خوش ذائقہ بنانے کے لئے عرق گلاب ڈالتے ہیں، لیکن وہ مطلق پانی سے خارج نہیں ہوتا ہے، یہی حال نبیذ تمر کا ہے، لہٰذا اس سے وضو کرنا ماء مطلق سے وضو کرنا ہے۔

امام صاحب کی دلیل پر اعتراض

امام صاحب کی دلیل پر دو اعتراض ہیں۔

اعتراض نمبر (۱)...... امام صاحب نے جو دلیل پیش کی ہے اس میں ایک راوی ہیں

ابوزید، وہ مجہول ہیں؛ لہٰذا دلیل میں پیش کردہ حدیث ضعیف ہونے کی وجہ سے قابلِ استدلال نہیں ہے۔

جواب: ابوزید مجہول الذات راوی نہیں ہیں، کیونکہ ان سے دو تلامذہ روایت کرتے ہیں۔(۱) ابوفزارہ راشد ابن کیسان عبسی۔(۲) ابوروق عطیہ ابن حارث، باقی مجہول العدالت راوی کی روایت جب کہ اس کے متابعین موجود ہوں معتبر ہوتی ہے اور یہاں ابوزید کے چودہ متابعین موجود ہیں، جو یہ روایت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، لہٰذا یہ روایت معتبر ہے۔(بذل المجہود: ۱/۵۴)

اعتراض نمبر (۲)......دوسرا اعتراض "وصح عن علقمة الخ" سے کیا جارہا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو روایت پیش کی ہے وہ صحیح نہیں ہے، اس وجہ سے کہ اس میں یہ بات مذکور ہے کہ لیلۃ الجن میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موجود تھے؛ حالانکہ خود عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ علقمہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ میں لیلۃ الجن میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں تھا، تو عبداللہ ابن مسعود کی اس صراحت سے معلوم ہوا کہ حنفیہ کی روایت درست نہیں۔

جواب: آکام المرجان فی احکام الجان کے مؤلف قاضی بدرالدین نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ جنات کا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونا اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ان کے یہاں تبلیغ کے لئے تشریف لے جانا چھ مرتبہ پیش آیا ہے، تین مرتبہ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور تین مرتبہ نہیں تھے، لہٰذا جہاں نفی ہے وہ دوسرا واقعہ ہے اور جہاں اثبات ہے وہ اس کے علاوہ ہے؛ لہٰذا دونوں میں کوئی تضاد نہیں یا پھر یہ

کہا جائے کہ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جو نفی کی ہے وہ اس بات کی نفی کی ہے کہ میں مقام تبلیغ میں نہیں تھا۔

تنبیہ: امام صاحبؒ شروع میں نبیذ تمر سے جواز وضو کے قائل تھے، پھر بعد میں آپ سے مسلک جمہور کی طرف رجوع ثابت ہے؛ لہٰذا اب فتویٰ اسی قول اخیر پر ہے یعنی نبیذ تمر سے وضو جائز نہیں، یہ مطلب نہیں ہے کہ لیلۃ الجن میں بالکل ساتھ نہیں تھا، اور جب وضو کا واقعہ پیش آیا اس وقت بھی ساتھ نہیں تھا۔

بلی کا جھوٹا ناپاک نہیں

﴿۴۴۴﴾ وَعَنْ كَبْشَةَ بِنْتِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ وَكَانَتْ تَحْتَ ابْنِ أَبِيْ قَتَادَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ أَنَّ أَبَا قَتَادَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ دَخَلَ عَلَيْهَا فَسَكَبَتْ لَهُ وَضُوْءً فَجَاءَتْ هِرَّةٌ تَشْرَبُ مِنْهُ فَأَصْغٰى لَهَا الْإِنَاءَ حَتّٰى شَرِبَتْ قَالَتْ كَبْشَةُ فَرَآنِيْ أَنْظُرُ إِلَيْهِ فَقَالَ أَتَعْجَبِيْنَ يَا ابْنَةَ أَخِيْ قَالَتْ فَقُلْتُ نَعَمْ فَقَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّهَا لَيْسَتْ بِنَجِسٍ إِنَّهَا مِنَ الطَّوَّافِيْنَ عَلَيْكُمْ أَوِ الطَّوَّافَاتِ۔ (رواه مالك واحمد والترمذي وابو داؤد والنسائي وابن ماجة والدارمي۔

حوالہ: مؤطا امام مالک: ۷، باب الطهور للوضوء، كتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۱۳۔ مسند احمد: ۵/۳۰۳، ابو داؤد شریف: ۱/۹، باب سور الهرة، كتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۷۵۔ ترمذی شریف: ۱/۲۷، باب سور الهرة، كتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۶۹۔ نسائی شریف: ۱/۹، باب سور الهرة،

کتاب الطهارة، حدیث نمبر:٦٨۔ابن ماجه شریف: ٣٢، باب الوضوء بسور الهرة، کتاب الطهارة، حدیث نمبر:٣٦٧۔دارمی:٢٠٣/ ٢٠٤/ ١، باب الهرة اذا ولغت في الاناء، کتاب الطهارة، حدیث نمبر:٣٦٧۔

حل لغات: فسکبت سکب (ن) سَکْبًا وَسُکُوْبًا الماء پانی گرانا بہانا، ڈالنا،ھِرَّۃٌ، ج ھِرَرٌ، مادہ بلی،اصغیٰ،مصدر اِصْغَاءٌ، باب افعال، جھکانا۔

ترجمہ: حضرت کبشہ بنت کعب ابن مالک جو حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے کی بیوی ہیں،ان سے روایت ہے کہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ ان کے یہاں آئے تو انہوں نے وضو کے لئے پانی رکھا، اتنے میں ایک بلی آ گئی اوراس نے اس برتن میں سے پینا شروع کردیا،حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے برتن کواس کے سامنے جھکا دیا، یہاں تک کہ اس بلی نے پانی پی لیا،حضرت کبشہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے مجھ کودیکھا کہ میں بہت حیرت کے ساتھ ان کو دیکھ رہی ہوں،تو انہوں نے فرمایا: اے میری بھتیجی کیا تجھے کچھ تعجب ہو رہا ہے؟ میں نے کہا جی ہاں، اس پر حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بلی نجس نہیں بلی تو ان میں سے ہے جو تم پر چکر لگانے والے ہیں یا یہ فرمایا کہ جو تم پر چکر لگانے والیاں ہیں۔

تشریح: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بلی کا جھوٹا ناپاک نہیں ہے، بلی اور کتا دونوں درندے ہیں؛ لیکن دونوں کے سور (جھوٹے) کے حکم میں بڑا فرق ہے، کتے کا جھوٹا ناپاک ہے، بلی کا جھوٹا پاک ہے، قیاس کا تقاضا تو یہ تھا کہ بلی کا بھی جھوٹا ناپاک ہو، مگر ایک علت کی بناء پر نجاست کا حکم نہیں لگایا، وہ علت جیسا کہ حدیث میں مذکور ہے کثرت طواف ہے،یعنی اس کا گھروں میں بار بار آنا جانا جس کی وجہ سے برتنوں کو محفوظ رکھنا دشوار تھا، اگر اس کے جھوٹے کو نجس قرار دیتے تو بہت دشواری ہوتی؛ لہٰذا اس دشواری کے پیش نظر بلی کے

جھوٹے کو پاک قرار دیا۔

وکانت تحت ابن ابی قتادۃ: مطلب یہ ہے کہ حدیث کی راویہ کبشہ بنت کعب ابن مالک رضی اللہ عنہا حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے کی بیوی تھیں، حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کا نام حارث ابن ربعی انصاری ہے، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماہر شہسوار تھے۔ ان کے بیٹے کا نام عبداللہ تھا۔ کبشہ رضی اللہ عنہا ان ہی عبداللہ کی بیوی کا نام ہے۔

فسکبت: یعنی حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ اپنی بہو کبشہ کے پاس آئے تو بہو نے ان کو وضو کرانے کے لئے پانی ڈالا۔

فاصغی لھا: یعنی حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے پانی کا برتن بلی کے لئے جھکا دیا، تاکہ بلی آرام سے پانی پی لے۔ حتی شربت یعنی بلی نے آسانی سے پانی پی لیا۔

انظر الیہ: کبشہ کہتی ہیں کہ میں ابوقتادہ کو حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

اتعجبین: کیا تم کو اس بات پر حیرت ہے کہ میں نے اپنے وضو کے پانی سے بلی کو پلا دیا۔

یا ابنۃ اخی: یہ عربوں کی عادت ہے ہے کہ وہ اپنے چھوٹوں کو بھتیجہ بھتیجی کہتے ہیں کہ اگرچہ حقیقت میں وہ ان کے بھائی کے اولاد نہ ہوں۔

عرب کی عادت تھی کہ ان کا مخاطب اگر عمر میں ان سے چھوٹا ہوتا ہے خواہ مرد ہو یا عورت تو اس کو بھتیجہ یا بھتیجی یا چچازادہ یا چچازادی کہہ کر مخاطب کرتے ہیں، خواہ حقیقت میں ان دونوں مخاطِب اور مخاطَب کے درمیان چچا بھتیجے کا یا چچا بھتیجی کا رشتہ نہ ہو کیونکہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے اسلام کا بھائی چارہ یقیناً رکھتا ہے، اور اس اسلامی رشتہ سے ایک مسلمان کی اولاد دوسرے مسلمان کے لئے بھتیجا یا بھتیجی ہی ہوئی۔

لیست بنجس: نجس مصدر ہے،اس میں مذکرومؤنث سب برابر ہیں،مطلب یہ ہے کہ بلی نجس بالذات نہیں ہے۔(مرقاۃ:٦٠/٢)

انها من الطوافین علیکم او الطوافات: طوافین اور طوافات سے مرادخدمت گذارنابالغ لڑکےاورلڑکیاں ہیں،یہ گھروں میں کثرت سے آتے جاتے ہیں،حدیث میں بلی کوانہیں سے تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح ان کے بار بار گھر میں آنے کی وجہ سے ان کے لئے اجازت لینے کی ضرورت نہیں؛ کیونکہ ان کو ہر دفعہ اجازت لینے میں پریشانی ہے؛ اسی طرح بلی کا جھوٹا بھی نجس نہیں ہے؛ کیونکہ اس کی بھی گھروں میں آمدورفت لگی رہتی ہے،اس کے جھوٹے کونجس قراردینے میں بھی پریشانی ہے۔

سورۂ ہرہ میں اختلاف مذاہب

بلی کا جھوٹا پاک ہے یاناپاک؟اگر پاک ہےتو مکروہ ہے کہ نہیں؟اگرمکروہ ہےتو مکروہ تحریمی ہے یاتنزیہی؟اس سلسلے میں ائمہ کے مذاہب مختلف ہیں۔

امام اوزاعیؒ کا مذہب: امام اوزاعیؒ کے نزدیک بلی کا جھوٹا نجس ہے۔

دلیـــــــل: ایک طویل حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ”السنور سبع“ (بلی درندہ ہے)معلوم ہوا کہ بلی کا جھوٹا ناپاک ہے؛ کیونکہ درندوں کا جھوٹا ناپاک ہوتا ہے۔

امام صاحبؒ کا مذہب: امام ابوحنیفہؒ اورامام محمدؒ کے نزدیک بلی کا جھوٹا مکروہ ہے؛ لہٰذا جس برتن میں بلی منھ ڈال دے اس کوایک یادوبار دھوڈالنا چاہئے۔

دلیل: ”طهور الاناء اذا ولغ فیه الهر ان یغسل مرة او مرتین“ [بلی کے برتن میں منھ ڈالنے کی صورت میں ایک یا دو بار برتن کو دھویا جائے] تو برتن پاک

ہو جاتا ہے۔

امام صاحب کا قول مکرہ کا ہے، اور مکروہ میں اختلاف ہے۔ امام طحاویؒ مکروہ تحریمی کہتے ہیں، جب کہ امام کرخی مکروہ تنزیہی کہتے ہیں، کرخی کی روایت کو اکثر حنفیہ نے ترجیح دی ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

جمہور کا مذہب: ائمہ ثلاثہ وابو یوسفؒ کے نزدیک سورۂ ہرہ بلا کراہت طاہر ہے۔

دلیل: جمہور کی دلیل حدیث باب ہے اس میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سورۂ ہرہ کے بارے میں فرمایا: "انها ليست بنجس"

اوزاعی کی دلیل کا جواب: امام اوزاعی نے جو حدیث پیش کی ہے وہ حدیث ضعیف ہے، اس میں ایک راوی عیسیٰ ہیں جو محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں، نیز اگر استدلال تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی بلی علت طواف اور عموم بلوئی کی وجہ سے سورسباع کے حکم سے خارج ہے۔

جمہور کی دلیل کا جواب: جمہور نے جو حدیث پیش کی ہے، اس سے **سورہ ھرہ** کا جواز معلوم ہوتا ہے، اور مکروہ تنزیہی جواز کا ایک درجہ ہے؛ لہٰذا روایت بیان جواز پر محمول ہوگی۔

بلی کے جھوٹے پانی سے وضو کرنا

﴿۴۴۵﴾ **وَعَنْ** دَاوُدَ بْنِ صَالِحِ بْنِ دِيْنَارٍ عَنْ أُمِّهِ أَنَّ مَوْلَاتَهَا أَرْسَلَتْهَا بِهَرِيْسَةٍ إِلَى عَائِشَةَ قَالَتْ فَوَجَدْتُهَا تُصَلِّي فَأَشَارَتْ إِلَيَّ أَنْ ضَعِيْهَا فَجَاءَتْ هِرَّةٌ فَأَكَلَتْ مِنْهَا فَلَمَّا انْصَرَفَتْ عَائِشَةُ مِنْ صَلَاتِهَا أَكَلَتْ مِنْ حَيْثُ أَكَلَتِ الْهِرَّةُ

فَقَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّھَا لَیْسَتْ بِنَجِسٍ اِنَّھَا مِنَ الطَّوَّافِیْنَ عَلَیْکُمْ وَاِنِّی رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَتَوَضَّأُ بِفَضْلِھَا۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱۱/۱، باب سور الھرۃ، کتاب الطھارۃ، حدیث نمبر: ۷۶۔

حل لغات: **الھریسۃ**، آٹے کا حلوہ جو گھی اور شکر ملا کر بنایا جاتا ہے۔

ترجمہ: حضرت داؤد بن صالح بن دینار اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں کہ ان کی آزاد کرنے والی خاتون نے ان کو "ہریسہ" دے کر ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس بھیجا، روایہ کہتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نماز پڑھتے ہوئے پایا، انہوں نے مجھ کو اشارہ کیا کہ اس کو رکھدو، اتنے میں ایک بلی آ گئی اور اس نے اس ہریسہ میں سے کھالیا، پھر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب اپنی نماز سے فارغ ہوئیں تو اس کو جہاں سے بلی نے کھایا تھا وہیں سے کھایا، پھر کہا بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا بلی نجس نہیں ہے، وہ تو ان میں سے ہے جو تم پر چکر لگانے والے ہیں، بلاشبہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بلی کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرتے دیکھا ہے۔

تشریح: **فاشارت**: ہاتھ یا سر سے اشارہ کیا، نماز میں ہاتھ یا سر سے ضرورت کے وقت اشارہ کرنا جائز ہے، اور اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ عمل کثیر نہیں ہے۔

بفضلھا: یعنی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس برتن کے بچے ہوئے پانی سے وضو کیا جس سے بلی نے پی لیا تھا۔

یہ حدیث بظاہر جمہور کا مستدل ہے، لیکن یہ حدیث ضعیف ہے؛ کیونکہ ام داؤد مجہول ہیں، یا پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ عمل بیان جواز کے لئے تھا؛ لہٰذا بلی کا جھوٹا دوسرے دلائل کی بنا پر مکروہ رہے گا، امام طحاویؒ کہتے ہیں کہ جب بلی کا گوشت حرام ہے تو اس کا جھوٹا تو مکروہ رہے گا ہی، ایک اور جواب ہے جو صاحب بحر کے کلام سے مستفاد ہوتا ہے، وہ یہ کہ جس بلی کے سور سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وضو فرمایا تھا ہو سکتا ہے کہ اس بلی کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے قبل پانی پیتے ہوئے دیکھا ہو اور ایسی بلی کا سور ہمارے یہاں بھی پاک ہے؛ اس وجہ سے کہ سورہ ہرہ کی کراہت ایک قول کی بنا پر عدم توقی عن النجاسۃ کی بنا پر ہے، یقینی طور پر وہ گندی چیزیں کھاتی ہے، اس لئے اس کا منہ نجاست سے ناپاک ہوتا ہے، اور یہاں یہ علت مرتفع ہے، اس کے منہ کا پانی پینے کی وجہ سے پاک ہونا معلوم ہے، اور گویا یہ صرف احتمال ہے؛ لیکن احتمال کا وجود مانع عن الاستدلال ہو جاتا ہے۔ (الدر المنضود: ۱/۲۰۷)

درندوں کا جھوٹا پاک ہے یا نہیں؟

﴿۴۴٦﴾ وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَتَوَضَّأُ بِمَا اَفْضَلَتِ الْحُمُرُ قَالَ نَعَمْ وَبِمَا اَفْضَلَتِ السِّبَاعُ كُلُّهَا۔ (رواه في شرح السنة)

حوالہ: البغوی فی شرح السنة: ۲/۷۱، باب طهارة سؤر السباع والهرة سوى الكلب، كتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۲۳٦۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سے سوال کیا گیا کہ کیا ہم اس پانی سے وضو کر سکتے ہیں، جس کو گدھوں نے جھوٹا کر دیا ہو؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہاں، اور اس پانی سے بھی جس کو کسی بھی درندے نے جھوٹا کر دیا ہو۔

تشریح: اس حدیث سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ گدھے نیز دیگر درندے اگر پانی کو جھوٹا کر دیں تو اس پانی کے استعمال میں کوئی حرج نہیں، ان کا جھوٹا پاک ہے اور یہی امام شافعیؒ کا مذہب ہے، امام ابوحنیفہؒ کا مذہب اس کے خلاف ہے۔

افضلت السباع: ابن **ملک** کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمان دلالت کر رہا ہے کہ تمام درندوں کا جھوٹا پاک ہے، یہی وجہ ہے کہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ کتے اور خنزیر کے علاوہ تمام جانوروں کا جھوٹا پاک ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تمام درندوں کا جھوٹا نجس ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۶۲)

سورحمار کے بارے میں اختلاف ائمہ

امام شافعیؒ کا مذہب: امام شافعیؒ کے نزدیک سورِحمار (گدھے کا جھوٹا) پاک ہے، اس لئے کہ اس کا چمڑا منتفع بہ ہے، لہٰذا سورحمار پاک ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کا مذہب: امام صاحبؒ کے نزدیک گدھے کا جھوٹا مشکوک ہے؛ کیونکہ اس کے بارے میں احادیث اور آثار موقوفہ متعارض ہیں، چنانچہ حدیث باب سے طہارت معلوم ہوتی ہے اور خیبر والی روایت سے نجاست ثابت ہوتی ہے؛ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا گدھے کے گوشت کے بارے میں فرمان ہے: "فانها رجس" اسی طرح اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم بھی متعارض ہیں نیز قیاس بھی متعارض ہے، کیونکہ گوشت کی طرف خیال کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ناپاک ہے،

اس وجہ سے کہ گدھے کا گوشت بالاتفاق حرام ہے، اور اگر پسینے کی طرف خیال کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ سور حمار پاک ہے، کیونکہ اس کا پسینہ بالاتفاق پاک ہے، ان تعارضات کی وجہ سے امام ابو حنیفہؒ نے کہا ہے کہ گدھے کا جھوٹا مشکوک ہے۔

درندوں کے جھوٹے کے بارے میں اختلاف ائمہ

امام شافعیؒ کا مذہب: امام شافعیؒ کے نزدیک درندوں کا جھوٹا پاک ہے۔

دلیـــــل: امام شافعیؒ کی دلیل حدیث باب ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام درندوں کا جھوٹا پاک ہے؛ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تمام درندوں کے جھوٹے پانی سے وضو کرنے کی اجازت دی ہے۔

امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کا مذہب: امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تمام درندوں کا جھوٹا ناپاک ہے۔

دلیـــــل: (۱)......حدیث قلتین میں دواب اور سباع کے پانی پر آنے کا تذکرہ ہے، اگر درندوں کا جھوٹا پاک ہوتا ہے پھر قلتین کی قید کا کوئی فائدہ نہیں۔

(۲)......فصل ثالث میں جو پہلی حدیث ہے وہ درندوں کے سور کی نجاست کی دلیل ہے؛ کیونکہ اس میں عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے سوال کیا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سوال نجاست کی دلیل ہے ورنہ سوال کے کیا معنی۔

امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب: حدیث باب جو کہ شوافع کا مستدل ہے، وہ ماء کثیر پر محمول ہے؛ کیونکہ مکہ اور مدینہ کے درمیانی حوضوں میں کثیر پانی تھا، اس کا قرینہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے: "**تردها السباع والكلاب والحمر**" تو اس میں کلاب کا بھی ذکر ہے، حالانکہ کلاب کا جھوٹا بالاتفاق نجس ہے،

لہٰذا یہاں تاویل ضروری ہے۔

پاک چیز ملے ہوئے پانی سے وضو

﴿٤٤٧﴾ وَعَنْ اُمِّ هَانِئٍ[1] رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ اِغْتَسَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ وَمَيْمُوْنَةُ[2] رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا فِيْ قَصْعَةٍ فِيْهَا اَثَرُ الْعَجِيْنِ۔ (رواه النسائي وابن ماجه)

حوالہ: نسائی شریف: ۲۸/۱، باب ذکر الاغتسال فی القصعة التی یعجن فیها، حدیث نمبر: ۲۴۰۔ ابن ماجه: ۳۱، باب الرجل والمرأة یغتسلان من اناء واحد، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۳۷۸۔

حل لغات: قصعة، بڑا پیالہ (پھیلا ہوا) ج قِصَعٌ وقصاعٌ وَقَصَعَاتٌ، العجین، گوندھا ہوا آٹا، ج عُجُنٌ.

---

[1] **ام ھانی**: یہ حضرت علی ابن طالب رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ ہیں، ان کا نام فاختہ بنت ابی طالب ہے، حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زمانہ جاہلیت میں ان کے لئے نکاح کا پیغام دیا تھا؛ لیکن ابو طالب نے ہبیرہ ابن وہب سے نکاح کر دیا، جب یہ اسلام لائی تو اسلام کی وجہ سے ان کے اور ہبیرہ کے درمیان جدائیگی ہوگئی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر پیغام دیا تو انہوں نے کہا میں تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو زمانہ جاہلیت میں بھی بہت چاہتی تھی، اسلام لانے کے بعد تو میری محبت اور بڑھ گئی ہے، لیکن میں ایک بہت مجبور عورت ہوں میری وجہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو زحمت اور پریشانی ہوگی، اس لئے میں نکاح سے معذور ہوں، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس پر خاموشی اختیار فرمائی، ان سے بہت سے لوگوں نے روایت کی ہے جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ (مرقاۃ: ۲/۶۳)

[2] **میمونة**: یہ امہات المومنین میں سے ہیں، جاہلیت میں ان کا نام برہ تھا حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میمونہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) نام رکھا تھا، یہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سب سے آخری بیوی ہیں، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ذیقعدہ ۷ھ میں عمرۃ القضاء کے موقع پر ان سے نکاح فرمایا تھا۔

ترجمہ: حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہ روایت کرتی ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے ایک بڑے پیالے سے غسل فرمایا، جس میں گوندھے ہوئے آٹے کا اثر باقی تھا۔

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ میاں بیوی دونوں ایک ساتھ غسل کر سکتے ہیں، اس میں کوئی حرج نہیں، نیز یہ بھی بات معلوم ہوئی کہ عورت کا بچا ہوا پانی استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اثر العجین: گوندھے ہوئے آٹے کا اثر، مطلب یہ ہے کہ جس پانی سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غسل فرمایا، اس میں آٹے کا اثر تھا، امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ آٹے کا اثر اتنی زیادہ مقدار میں نہیں تھا جس سے وہ پانی متغیر ہو جاتا، یہ وضاحت شوافع کی طرف سے کی جاتی ہے، اور حنفی مسلک یہ ہے کہ پانی اگر کسی پاک چیز کے پڑنے سے متغیر بھی ہو جائے تو بھی اس سے پاکی حاصل کرنا جائز ہے؛ لیکن اگر اس کی اصل یعنی رقت اور سیلان میں فرق آ جائے تو پھر اس سے وضو درست نہیں ہوگا۔ (مرقاۃ)

﴿الفصل الثالث﴾

بڑا حوض درندوں کے جھوٹا کرنے سے ناپاک نہیں ہوتا

﴿۴۴۸﴾ وَعَنْ يَحْيَى بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ قَالَ إِنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ خَرَجَ فِيْ رَكْبٍ فِيْهِمْ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ حَتّٰى وَرَدُوْا حَوْضًا فَقَالَ عَمْرُو رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ يَا صَاحِبَ الْحَوْضِ هَلْ تَرِدُ حَوْضَكَ

السِّبَاعُ فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ يَاصَاحِبَ الْحَوْضِ لَا تُخْبِرْنَا فَإِنَّا نَرِدُ عَلَى السِّبَاعِ وَتَرِدُ عَلَيْنَا۔ (رواه مالك) وَزَادَ رَزِيْنٌ قَالَ زَادَ بَعْضُ الرُّوَاةِ فِيْ قَوْلِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ وَإِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَهَا مَا اَخَذَتْ فِيْ بُطُوْنِهَا وَمَا بَقِيَ فَهُوَ لَنَا طُهُوْرٌ وَشَرَابٌ۔

حوالہ: مؤطا امام مالک:۸، باب الطہور للوضوء، کتاب الطھارۃ، حدیث نمبر:۱۴۔

ترجمہ: حضرت یحیٰی بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک ایسے قافلے کے ساتھ سفر کررہے تھے، جس میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے، قافلہ جب ایک حوض کے پاس پہونچا تو حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا، اے حوض والے کیا تمہارے اس حوض پر درندے بھی آتے ہیں؟ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اے حوض والے تم ہمیں مت بتلاؤ بلاشبہ ہم درندوں پر آتے ہیں اور درندے ہم پر آتے ہیں، اس روایت کو مالکؒ نے نقل کیا ہے، اور رزین نے کہا ہے کہ بعض راویوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہ الفاظ مزید نقل کئے ہیں کہ بلاشبہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ درندوں کا وہ ہے جو انہوں نے اپنے پیٹ میں لے لیا اور جو پانی رہ گیا وہ ہمارے لئے پاک کرنے والا اور پینے کے قابل ہے۔

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر پانی تھوڑا ہے اور اس میں سے درندوں نے پی لیا تو وہ پانی نجس ہے، لیکن اگر پانی زیادہ ہے تو درندوں کے پینے سے وہ نجس نہیں ہوگا، چونکہ حدیث میں جس حوض کے بارے میں پوچھا گیا ہے وہ بڑا تھا، لہٰذا اس کا پانی بھی درندوں کے پینے سے نجس نہیں ہوتا۔

لاتخبرنا: چونکہ شریعت میں حکم ظاہر پر لگتا ہے، بہت زیادہ کھود کرید اور تتبع وتفحص میں مبالغہ کا حکم نہیں ہے۔ اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "لاتخبرنا" یعنی ہمارے عدم علم کے وقت ان حوضوں کا پانی استعمال کرنا جائز ہے، اس میں کوئی مضائقہ نہیں، اور ہمارے لئے پوچھنا لازم نہیں ہے، اگر زیادہ تتبع کریں گے تو ممکن ہے ہم مسافروں پر معاملہ تنگ ہوجائے، لہٰذا خبر ہی مت دو، حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے سوال اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد دونوں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ سور سباع نجس ہے، اگر ایسا نہ مانیں تو ان حضرات کی گفتگو بے معنی ہوجائیگی۔

بڑا حوض سور سباع سے نجس نہیں ہوتا

﴿۴۴۹﴾ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنِ الْحِیَاضِ الَّتِیْ بَیْنَ مَکَّۃَ وَالْمَدِیْنَۃِ تَرِدُھَا السِّبَاعُ وَالْکِلَابُ وَالْحُمُرُ عَنِ الطُّھْرِ مِنْھَا فَقَالَ لَھَا مَاحَمَلَتْ فِیْ بُطُوْنِھَا وَلَنَا مَاغَبَرَ طَھُوْرٌ۔ (رواہ ابن ماجۃ)

حوالہ: ابن ماجہ: ۴۰، باب الحیاض، کتاب الطہارۃ وسننھا، حدیث نمبر: ۵۱۹۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان حوضوں کے بارے میں دریافت کیا گیا جو مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہیں، جن پر درندے، کتے، اور گدھے آتے ہیں کہ کیا ان سے پاکی حاصل ہوجاتی ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ درندوں کا وہ ہے جو ان کے پیٹ اپنے اندر اٹھالیں، اور جو باقی

رہے وہ ہمارے لئے ہے، وہ ناپاک کرنے والا نہیں ہے۔

تشــریح: اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ درندوں کا جھوٹا پاک ہے، لیکن یہ حکم ان حوضوں کا ہے جس میں پانی کثیر ہو، اگر پانی قلیل ہے اور اس میں درندے نے منھ ڈالدیا تو وہ پانی نجس ہو جائے گا۔

و الکلاب: شوافع کہتے ہیں کہ کتے اور خنزیر کے علاوہ تمام درندوں کا جھوٹا پاک ہے، اور وہ حضرات اپنے مسلک پر ان احادیث سے استدلال کرتے ہیں، جن سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ درندوں کا جھوٹا پاک ہے، ہم ان کی روایت کردہ احادیث کو ماءِ قلیل پر محمول کرتے ہیں، لیکن وہ ماننے کو تیار نہیں ہوتے، اب ہم اس حدیث کی بنا پر ان سے سوال کرتے ہیں کہ بتایئے کتے کا جھوٹا پاک ہے یا نہیں، اگر وہ کہتے ہیں کہ پاک ہے تو یہ بات ان کے مذہب کے خلاف ہوگی اور اگر وہ ناپاک کہتے ہیں اور حدیث باب میں کوئی تاویل کرتے ہیں تو ہم وہی تاویل ان تمام احادیث میں کریں گے، جن سے کسی بھی درندے کا جھوٹا پاک ہونا معلوم ہوتا ہے۔

دھوپ سے گرم پانی کا مسئلہ

﴿۴۵۰﴾ وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ لَا تَغْتَسِلُوْا بِالْمَاءِ الْمُشَمَّسِ فَإِنَّهُ يُوْرِثُ الْبَرَصَ۔ (رواہ الدار قطنی)

حوالہ: دارقطنی: ۱/۳۹، باب الماء المسخن، کتاب الطھارۃ، حدیث نمبر: ۴۔

تـرجـمـہ: حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا:

سورج کے گرم کئے ہوئے پانی سے غسل نہ کرو، کیونکہ وہ کوڑھ کی بیماری پیدا کرتا ہے۔

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جو پانی دھوپ سے گرم ہو، یا اس کو دھوپ سے گرم کیا گیا ہو تو اس سے وضو اور غسل نہ کرنا چاہئے۔

لاتغتسلو ا: بعض حضرات نے اس پانی کو مراد لیا ہے جو بالقصد دھوپ میں گرم کیا گیا ہے، اور بعض نے مطلق رکھا، میرک شاہ کا کہنا ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس مسئلے میں کوئی حدیث ثابت نہیں ہے؛ لیکن شوافع نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول کو ایک دوسری سند سے بھی نقل کیا ہے، اس سند کے تمام راوی ثقہ ہیں، لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول اگر صحیح تسلیم کیا جائے تو اس کی مراد یہ لی جائے گی کہ دھوپ کے ذریعہ گرم شدہ پانی سے غسل کرنے کو عادۃً اور دواماً نہ اختیار کیا جائے۔

بعض حضرات نے قدیہ کے حوالہ سے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو دھوپ میں پانی گرم کرنے سے منع فرمایا تھا اور فرمایا تھا کہ دھوپ سے گرم کئے ہوئے پانی سے کوڑھ کی بیماری پیدا ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

اس بارے میں جہاں تک فقہی اقوال کا تعلق ہے تو امام شافعیؒ کے علاوہ ائمہ ایسے پانی کے استعمال کو مکروہ نہیں قرار دیتے ہیں، حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک ایسے پانی کا استعمال مکروہ ہے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: مرقاۃ: ۲/۶۴)

باب تطهير النجاسة

رقم الحدیث:...... ۴۵۱ تا ۴۷۴

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب تطهير النجاسة

(نجاستوں کو پاک کرنے کا بیان)

نجاست کی تعریف

حجۃ اللہ البالغہ میں ''تطہیر النجاسات'' کے ذیل میں نجاست کی تعریف مذکور ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ نجاست ہر وہ گندی چیز ہے جس سے سلیم طبیعتوں کو گھن آتی ہے، اور جس سے لوگ بچتے ہیں، اگر وہ بدن یا کپڑوں پر لگ جائے تو لوگ اس کو دھوتے ہیں جیسے پیشاب یا پاخانہ وغیرہ۔

نجاست کے اقسام

نجاست کی دو قسمیں ہیں:

(۱)......غلیظہ۔ (۲)......خفیفہ

غلیظہ: امام کے نزدیک غلیظ وہ ہے کہ جس کی نجاست کا ثبوت قرآن سے ہو اور اس کے معارض کوئی دوسری آیت نہ ہو، جیسے خون شراب مردار کا گوشت پاخانہ وغیرہ۔

خفیفہ: وہ ہے کہ ایک نص اس کی طہارت پر دلالت کرتی ہو اور دوسری نص سے اس کی نجاست معلوم ہو، جیسے ''بول مایوکل لحمہ'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ''استنزھوا من البول فان عامة عذاب القبر منہ'' سے اس کی نجاست معلوم ہورہی ہے، اور واقعہ عرنیین سے اس کا پاک ہونا معلوم ہو رہا ہے، لہٰذا یہ نجاست خفیفہ ہے، نجاست غلیظہ ایک درہم سے کم ہے تو معاف ہے۔ اور خفیفہ جو چوتھائی کپڑے سے کم ہو وہ بھی معاف ہے۔ پھر ان دونوں میں سے ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں۔

(۱)......مرئیہ۔

(۲)......غیر مرئیہ۔

نجاست مرئیہ جب پاک ہوتی ہے جب وہ نجاست زائل ہو جائے، اگر چہ ایک ہی مرتبہ سے کیوں نہ زائل ہو جائے، اور نجاست غیر مرئیہ تین مرتبہ دھونے اور نچوڑنے سے پاک ہوتی ہے۔

﴿الفصل الاول﴾

کتے کے جھوٹے برتن کی پاکی کا حکم

﴿۴۵۱﴾ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا شَرِبَ الْکَلْبُ فِیْ اِنَاءِ اَحَدِکُمْ فَلْیَغْسِلْہُ سَبْعَ مَرَّاتٍ۔ (متفق علیہ) وَفِیْ رِوَایَۃٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ طُھُوْرُ اِنَاءِ اَحَدِکُمْ اِذَا وَلَغَ

فِيهِ الْكَلْبُ اَنْ يَغْسِلَهُ سَبْعَ مَرَّاتٍ اُوْلَاهُنَّ بِالتُّرَابِ۔

حوالہ: بخاری شریف: ۲۹/۱، باب الماء الذی یغسل بہ شعر الانسان، کتاب الوضوء، حدیث نمبر: ۱۷۲. مسلم شریف: ۱۳۷/۱، باب حکم ولوغ الکلب، کتاب الطہارۃ، حدیث نمبر: ۲۷۹.

نوٹ: حوالہ کے اعتبار سے بخاری شریف کے الفاظ ”فلیغسلہ سبعاً“ ہیں، ”مرات“ کے الفاظ نہیں ہیں۔

حل لغات: الاناء، برتن، جمع آنِيَةٌ، جمع اَوانٍ، وَلَغَ (ف) وُلُوْغًا برتن میں منہ ڈال کر زبان ہلانا یا زبان کے کنارے سے پینا۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جب تم میں سے کسی کے برتن میں کتا پی لے تو اس برتن کو سات بار دھونا چاہئے۔ (بخاری شریف و مسلم شریف) اور مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کسی کے برتن میں سے کتا پی لے تو اس برتن کو پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو سات بار دھویا جائے اور اسی سات بار میں ایک مرتبہ مٹی سے دھویا جائے۔

تشریح: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کتا ایک خبیث جانور ہے، لہٰذا اس کا جھوٹا ناپاک ہے، جس برتن میں کتا منہ ڈال دے اس کو سات بار دھونا چاہئے، نیز ایک بار مٹی سے مانجھنا بھی چاہئے، کتے کے جھوٹے کا نجس ہونا مسلم شریف کی ایک دوسری روایت سے اور صاف طریقہ سے معلوم ہوتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اذا ولغ الکلب فی اناء احدکم فلیرقہ“ (مسلم شریف: ۱۳۷/۱)

یعنی اگر برتن میں کتا منہ ڈال دے تو اس برتن میں جو چیز ہے اس کو گرا دو، پھر برتن کو

سات بار دھوؤ، اگر کتے کا جھوٹا پاک ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم برتن میں جو چیز ہے اس کو گرانے کا ہرگز حکم نہ فرماتے، کیونکہ مال مسلم کی اضاعت جائز نہیں۔

اذا شرب الکلب: یہاں شرب کالفظ ہے،ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے "اذا ولغ" کے الفاظ سے بھی روایت ہے،ولوغ کلب اس وقت کہتے ہیں جب کتا اپنی زبان کے کنارے سے پئے، یا اپنی زبان کو برتن میں ڈال کر اس کو حرکت دے۔(فتح الباری:۱/۵۱۱)

معارف السنن میں یہ بات منقول ہے کہ ولوغ کے معنی ہیں کتے کا کسی مائع چیز میں منہ ڈال کر زبان کو حرکت دینا، چاہے پئے یا نہ پئے اور اس کے کھانے کے لئے "لحس" اور خالی برتن کو چاٹنے کے لئے "لعق" کے الفاظ مستعمل ہیں، یہاں ولوغ سے مراد منہ ڈالنا ہے، جس میں لعق اور لحس دونوں شامل ہیں۔(معارف السنن:۱/۳۲۲)

فلیغسلہ: چونکہ کتے کا جھوٹا نجس ہے، اسی لئے سات بار دھونے کا حکم ہے۔

سات بار دھونے کا حکم کیوں ہے؟

اس کے بارے میں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: کتے کی فطرت شیطان کے مشابہ ہے، وہ کھیل کود میں مست رہتا ہے، ناپاکیوں میں لتھڑنا اور لوگوں کو ستانا اس کی گھٹی میں پڑا ہوا ہے، اور وہ شیطان کے الہامات کو قبول کرتا ہے، اس ملعون جانور سے بچنا بھی ضروری ہے، اور کھیتی اور مویشی اور چوکیداری کیلئے اس کی ضرورت بھی ہے، یہ دو باتیں ایک ساتھ جمع ہیں، اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سات مرتبہ دھونے کا حکم دیا، تا کہ لوگوں کو کتوں سے باز رکھنے میں کفارہ کا کردار ادا کرے۔

سات بار دھونے کے وجوب میں اختلاف ائمہ

امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کا مذہب: کتا اگر کسی برتن میں منہ ڈال

دے تو اس برتن کی پاکی کے لئے تین بار دھونا واجب ہے، اور مزید نظافت کے لئے سات بار دھونا مستحب ہے۔

دلیل: امام صاحبؒ کی اس بات پر دلیل کہ تین بار دھونا واجب ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "**قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا ولغ الکلب فی اناء احدکم فلیھرقہ ولیغسلہ ثلاث مرات**" حضرت رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تم میں کسی کے برتن میں کتا منہ ڈال دے پس وہ اس کو گرادے، اور اس کو تین مرتبہ دھولے، اور سات بار مستحب ہونے پر دلیل حدیث باب ہے، جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "**فلیغسلہ سبع مرات**" [چاہئے کہ وہ اس کو سات مرتبہ دھوئے۔]

امام مالکؒ کا مذہب: امام مالکؒ کے نزدیک لحم کلب پاک ہے، لہٰذا اس کا جھوٹا بھی پاک ہے اور جس برتن میں وہ منہ ڈال دے وہ بھی پاک ہے؛ البتہ جس برتن میں کتا منہ ڈال دے اس کو سات بار دھویا جائے گا؛ لیکن دھونے کا یہ حکم تطہیر کے لئے نہیں ہے؛ بلکہ امر تعبدی ہے۔

مالکیہ کی دلیل: امام مالکؒ کی اس بات پر دلیل کہ کتے کا جھوٹا ناپاک نہیں ہے، قرآن مجید کی آیت ہے: "**قل لا اجد فیما اوحی الی محرما علی طاعم یطعمہ الا ان یکون میتۃً او دما مسفوحا الخ**" [(اے پیغمبر ان سے) کہو کہ جو وحی مجھ پر نازل کی گئی ہے اس میں تو میں کوئی ایسی چیز نہیں پاتا جس کا کھانا کسی کھانے والے کے لئے حرام ہو، الا یہ کہ وہ مردار ہو، یا بہتا ہوا خون ہو، یا سور کا گوشت ہو، کیونکہ وہ ناپاک ہے، یا جو ایسا گناہ کا جانور ہو جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو۔] (آسان ترجمہ)

اس آیت میں حرام چیزوں کا ذکر ہے؛ لیکن اس میں کتے کا ذکر نہیں ہے، معلوم ہوا کتا نجس نہیں ہے، لہٰذا اس کا جھوٹا بھی نجس نہیں ہوگا، مالکیہ کی اس بات پر دلیل کہ برتن کو سات بار دھویا جائے گا حدیث باب ہے۔

مالکیہ کی دلیل کا جواب: کتا ناپاک ہے اس کا جھوٹا بھی نجس ہے، مالکیہ قرآن مجید کی جو آیت پیش کرتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ کسی چیز کی حرمت کا قرآن مجید میں نہ ہونا اس کی حلت کی دلیل نہیں، اس وجہ سے کہ بہت سی چیزوں کی حرمت احادیث مبارکہ سے ثابت ہوئی ہے۔

شوافع وحنابلہ کا مذہب: شوافع کے نزدیک برتن کو سات بار دھونا واجب ہے، حنابلہ کے یہاں سات بار دھونے کے ساتھ ایک بار مٹی سے مانجھنا بھی واجب ہے، ان دونوں کے نزدیک کتے کا جھوٹا ناپاک ہے، شوافع وحنفیہ کے نزدیک مٹی سے ایک بار مانجھنا مستحب ہے، واجب نہیں ہے۔

شوافع وحنابلہ کی دلیل: شوافع وحنابلہ بھی حدیث باب سے استدلال کرتے اور وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "**فلیغسله سبع مرات**" [پس چاہئے کہ وہ اس کو سات مرتبہ دھوئے۔] فرمایا ہے، امام احمدؒ دوسری حدیث جس میں "**اولٰھن بالتراب**" کے الفاظ ہیں سے استدلال کرتے ہوئے مٹی سے مانجھنے کو واجب قرار دیتے ہیں۔

حدیث باب کا جواب: (۱)...... پہلا جواب یہ ہے کہ اس طرح کی روایت میں اضطراب ہے، بعض میں سات مرتبہ کے الفاظ ہیں اور بعض میں آٹھ مرتبہ دھونے کا حکم ہے اور یہ دونوں طرح کی روایتیں کتب صحاح میں موجود ہیں، اسی طرح "**یغسل ثلاثا او خمسا او سبعاً**" کے الفاظ بھی ہیں نیز بعض رواۃ نے "**اُولٰھُنَّ**

بِالتُّرَابِ“ بعض نے ”اخراهن بالتراب“ اور بعض نے ”احداهن بالتراب“ کے الفاظ نقل کئے ہیں، معلوم ہوا کہ اس حدیث میں بہت اضطراب ہے اور ہم نے جو حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کی ہے اس میں تین مرتبہ دھونے کا صراحتاً حکم موجود ہے اور وہ اضطراب سے خالی حدیث ہے۔

(۲)...... دوسرا جواب یہ ہے کہ ہم اس حدیث کو استحباب پر محمول کرتے ہیں یعنی تین بار دھونا واجب ہے اور سات بار دھونا مستحب ہے، اس طرح دونوں طرح کی احادیث میں تطبیق بھی ہو جائے گی۔

(۳)...... تیسرا جواب یہ ہے سات مرتبہ والی روایات منسوخ ہیں۔ اور منسوخ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سات مرتبہ دھونے کی روایت کو نقل کرتے ہیں، اور ان ہی کا فتویٰ تین مرتبہ دھونے کا ہے، جو اس کی واضح دلیل ہے کہ خود حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک بھی سات مرتبہ دھونے والی روایت منسوخ ہے، ورنہ وہ خود اپنی روایت کردہ حدیث کے خلاف فتویٰ کیسے دیتے۔

(۴)...... چوتھا جواب یہ ہے کہ سات مرتبہ دھونے کا حکم بطور علاج ہے کہ کتے کے منھ ڈالنے سے ایسے جراثیم پیدا ہو جاتے ہیں جو سات مرتبہ دھوئے بغیر زائل نہیں ہوتے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

ایک دیہاتی کا مسجد نبوی میں پیشاب کرنا

﴿۴۵۲﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَامَ اَعْرَابِيٌّ فَبَالَ فِي الْمَسْجِدِ فَتَنَاوَلَهُ النَّاسُ فَقَالَ لَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعُوْهُ وَهَرِيْقُوْا عَلٰى بَوْلِهٖ سَجْلًا مِنْ

مَاءٍ اَوْ ذَنُوْبًا مِنْ مَاءٍ فَاِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِيْنَ وَلَمْ تُبْعَثُوْا مُعَسِّرِيْنَ۔ (رواه البخاری)

حوالہ: بخاری شریف:۳۵/۱، باب صب الماء علی البول فی المسجد، کتاب الوضوء، حدیث نمبر:۲۲۰ر

حل لغات: هريقوا امر حاضر، هرق (ف) هرقًا پانی بہانا، اوپر سے ڈالنا، سجلًا بڑا ڈول، بھرا ہوا ڈول، ج سُجُوْلٌ وسجالٌ، ذَنُوْباً بڑا ڈول، ج اذنبة و ذنائبٌ، بعثتم ماضی مجہول، بَعَثَ (ف) بَعْثًا وَبَعْثَةً اليه و لَهٗ بھیجنا، ميسرين واحد مُيَسِّرٌ سہولت فراہم کرنے والے، يَسَّرَ لفلان الشيءَ آسان کرنا، معسرين جمع ہے، واحد مُعَسِّرٌ تنگی کرنے والا، عَسَّرَ عَلَيْهِ کسی کے لئے تنگی پیدا کرنا، الامر مشکل ودشوار بنانا۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مسجد میں ایک دیہاتی کھڑا ہوا اور پیشاب کرنے لگا، صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اس کو برا بھلا کہنا شروع کیا، حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا کہ چھوڑو، جانے دو، اس کے پیشاب پر پانی کا ایک ڈول ڈال دو، یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ پانی کا ایک بھرا ڈول بہادو، بلاشبہ تم لوگ آسانی پیدا کرنے کے لئے بھیجے گئے ہو، تنگی پیدا کرنے کے لئے نہیں بھیجے گئے ہو۔

تشریح: قام اعرابی: اعرابی کا اطلاق ساکن البادیہ یعنی بادیہ نشین آبادی سے دور رہنے والے پر ہوتا ہے، جو شہر میں کسی ضرورت سے آتے ہیں، اس کا ترجمہ دیہاتی سے کرتے ہیں، ان اعرابی کا کیا نام تھا؟ اس میں بڑا اختلاف ہے، عام طور سے تین قول ذکر کئے جاتے ہیں، علامہ یوسف بنوریؒ نے تینوں قول ذکر کئے ہیں:

(۱)...... یہ اقرع بن حابس تمیمی ہیں۔

(۲)...... عیینہ بن حصن ہیں۔

(۳)......ذوالخویصرہ یمنی ہیں۔

یہ ابتدائی زمانہ کا واقعہ ہے کہ لوگ نئے نئے مسلمان ہونے کی وجہ سے آداب مسجد سے ناواقف تھے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وعظ سننے کا بہت شوق تھا، پیشاب کا تقاضا ہوتے ہوئے بھی بیٹھے رہے، آخر میں جب برداشت نہ کر سکے اور دور جانے کی فرصت نہ ملی تو مسجد ہی میں کنارے پیشاب کرنے لگے۔

فتناولہ الناس: صحابہ رضی اللہ عنہم ان اعرابی کو برا بھلا کہنے لگے اور ڈانٹنے پھٹکارنے لگے۔

فقال لہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم دعوہ: آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو برا بھلا کہنے سے منع کیا اور اعرابی کو پیشاب کرنے دیا، اس وجہ سے کہ اگر آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس اعرابی کو پیشاب کرنے کے دوران روکتے تو یا تو اچانک پیشاب رکنے کی وجہ سے ان کو تکلیف ہوتی، یا پھر پیشاب نہ رکتا اور کپڑے نیز مسجد کے دوسرے حصہ بھی پیشاب سے ملوث ہوتے، اس حکمت کے پیش نظر آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا نہیں۔ (فتح الباری: ۱/۵۹۲)

وھریقوہ علی بولہ سجلا من ماء او ذنوبا من ماء: یہاں یا تو راوی کو شک ہے کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سجلاً کا لفظ ذکر فرمایا، یا ذنوباً کا لفظ ذکر فرمایا، یا پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں لفظ فرمائے ہوں گے اور یہ حکم تخییر کے لئے ہوگا، یعنی سجل کے بقدر یا ذنوب کے برابر پانی پیشاب پر بہادو۔

سجل: سجل اس ڈول کو کہتے ہیں جس میں پانی ہو، خواہ تھوڑا پانی ہو یا بہت۔

ذنوب: جب کہ ذنوب اس ڈول کو کہتے ہیں جو پانی سے بھرا ہوا ہو۔

انما بعثتم میسرین: یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ مبعوث تو آنخضرت صلی

اللہ علیہ وسلم تھے، تو بعثت کی نسبت صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف کیوں کی گئی؟ جواب یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم گو مبعوث نہیں تھے؛ لیکن نائب مبعوث اور حق نیابت ادا کرنے والے تھے، اسی وجہ سے ان کو مبعوث کہا گیا۔

زمین کی طہارت کا مسئلہ

اگر کوئی زمین نجس ہو جائے تو اس کو پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ اس مسئلہ میں ائمہ اربعہ کا اختلاف ہے۔

حنفیه کا مسلک: حنفیہ کے نزدیک زمین کے پاک کرنے کے تین طریقے ہیں۔

(۱)...... **جفاف:** یعنی ناپاک زمین خشک ہونے کے بعد خود بخود پاک ہو جاتی ہے۔

(۲)...... **پانی کا بہانا:** یعنی پانی بہانے سے زمین پاک ہو جاتی ہے۔

(۳)...... **حفر:** زمین کھودنے اور ناپاک مٹی منتقل کرنے سے زمین پاک ہو جاتی ہے۔

ائمه ثلاثه کا مذهب: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک نجس زمین کی تطہیر صرف پانی بہانے سے ہو سکتی ہے، دھوپ سے خشک ہونے کے ذریعہ اور حفر کے ذریعہ زمین کی پاکی حاصل نہیں ہوتی۔

حنفیه کے دلائل: (۱)......"**ایما ارض جفت فقد زکت**" یہ مرفوع روایت ہے، مطلب یہ ہے کہ جب زمین خشک ہو جائے گی تو پاک ہو جائے گی۔

(۲)...... ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے: "**ذکاة الارض یبسها**" [زمین کی طہارت اس کا خشک ہونا ہے۔]

(۳)...... ابو قلابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے: "**جفوف الارض طهورها**" [زمین کا خشک ہونا اس کا پاک ہونا ہے۔] (فتح الباری: ۱/۱۳۸)

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: شوافع وغیرہ کی دلیل حدیث باب ہے، جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "**هريقوا على بوله سجلا من ماء**" معلوم ہوا ناپاک زمین پر جب پانی بہایا جائے گا تب ہی پاکی حاصل ہوگی۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل کا جواب: ائمہ ثلاثہ نے جو دلیل پیش کی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ وہ ہمارے خلاف نہیں ہے، کیونکہ ہم مانتے ہیں کہ نجس زمین پر پانی بہانے سے زمین پاک ہو جاتی ہے، لیکن ایک طریقہ اختیار کرنے سے بقیہ طریقوں کی نفی نہیں ہوتی، اس حدیث میں یہ بات نہیں کہی گئی ہے کہ زمین خشک ہونے سے پاک نہیں ہوتی، باقی یہ بات کہ اس وقت پانی بہانے کو اختیار کیوں کیا گیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ جلدی پاک کرنے کا ارادہ تھا، یا بدبو زائل کرنا مقصود تھا، یا دھونے میں آسانی تھی، لہٰذا اس سے غسل کی تخصیص پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے؛ چنانچہ خود امام غزالیؒ فرماتے ہیں: "**استدلال الشافعي بهذا الحديث غير صحيح**"

فائدہ: (۱)...... حدیث پاک سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال حکمت ودانائی اور امت پر کمال شفقت ورحمت کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔

(۲)...... حدیث پاک سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ ایک داعی کو کس طرح تحمل وبردباری سے کام لینا چاہئے۔

ایضاً

﴿۴۵۳﴾ وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ فِي الْمَسْجِدِ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ جَاءَ أَعْرَابِيٌّ فَقَامَ يَبُوْلُ

فِيْ الْمَسْجِدِ فَقَالَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَهْ مَهْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتُزْرِمُوْهُ دَعُوْهُ فَتَرَكُوْهُ حَتّٰى بَالَ ثُمَّ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَاهُ فَقَالَ لَهٗ اِنَّ هٰذِهِ الْمَسَاجِدَ لَاتَصْلُحُ لِشَيْءٍ مِنْ هٰذَا الْبَوْلِ وَالْقَذَرِ اِنَّمَا هِيَ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَالصَّلٰوةِ وَقِرَاءَةِ الْقُرْاٰنِ اَوْ كَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَاَمَرَ رَجُلًا مِنَ الْقَوْمِ فَجَاءَ بِدَلْوٍ مِنْ مَاءٍ فَسَنَّهٗ عَلَيْهِ۔ (متفق عليه)

حواله: بخاری شریف: ۱/۳۵، باب ترک النبی صلى الله عليه وسلم والناس الاعرابي حتى فرغ من بوله في المسجد، كتاب الوضوء، حدیث نمبر: ۲۱۔ مسلم شریف: ۱/۱۳۸، باب وجوب غسل البول الخ، كتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۲۸۵۔

تنبیہ: بخاری شریف میں باب مذکور کے تحت یہ حدیث مکمل نہیں ہے، بلکہ مختصراً مذکور ہے۔

حل لغات: لاتزرموهُ، نہی جمع مذکر حاضر، باب افعال سے ہے، مصدر ازرامٌ، البولَ پیشاب روکنا، مجرد میں زَرِمَ (س) زَرْمًا البول پیشاب رک جانا، سَنَّه سنَّ (ن) سنًّا، الماء او التراب على وجه الارض زمین پر آہستہ سے پانی ڈالنا۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے، کہ اچانک ایک دیہاتی شخص آیا اور مسجد میں کھڑے ہوکر پیشاب کرنا شروع کردیا، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے کہا ٹھہر ٹھہر، اس پر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس کا پیشاب مت روکو، اس کو چھوڑ دو، چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کو چھوڑ دیا، یہاں تک

کہ اس نے پیشاب کرلیا پھر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بلایا اور ارشاد فرمایا: بلاشبہ یہ مسجدیں پیشاب اور گندگی جیسی چیزوں کے لئے نہیں ہوتی ہیں، یہ صرف اس وجہ سے ہیں کہ ان میں اللہ تعالیٰ کا ذکر، نماز، اور قرآن کی تلاوت کی جائے، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی سے ملتے جلتے الفاظ ارشاد فرمائے، راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں موجود لوگوں میں سے ایک شخص کو حکم دیا، چنانچہ وہ شخص پانی کا ایک ڈول لائے، اور اس پانی کو پیشاب کی جگہ پر ڈال دیا۔

تشریح: اس حدیث میں بھی وہی مضمون ہے جو گذشتہ حدیث میں بیان کیا جا چکا ہے، لیکن اس میں اتنا اضافہ ہے کہ اعرابی کے پیشاب کر لینے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلایا اور نہایت شفقت کے ساتھ ان کو کچھ نصیحتیں فرمائیں، ان کو مسجد کے آداب سکھائے اور بتایا کہ مسجدیں اس لئے نہیں ہوتیں کہ ان میں پیشاب کیا جائے، یا اس میں گندگی پھیلائی جائے، مساجد تو اس لئے ہیں کہ ان میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے، نمازیں پڑھی جائیں، کلام اللہ کی قرأت و تلاوت کی جائے، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد کہا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی الفاظ فرمائے، یا اسی سے ملتے جلتے الفاظ ارشاد فرمائے۔

فائدہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انداز تعلیم سے معلوم ہوا کہ ناواقف آدمی کو نصیحت کرنے میں نرمی برتنی چاہئے اور سختی و خفگی کے بغیر اسے ضروری تعلیم دینی چاہئے۔

واقف اور ناواقف میں فرق

یہاں ایک اشکال ہوتا ہے کہ یہاں مسجد میں پیشاب کرنے پر بھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اتنی نرمی فرمائی اور کسی قسم کی ناراضگی کا اظہار نہیں فرمایا، اور دوسرے موقعہ پر

جدار مسجد پر بلغم دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انتہائی ناراضگی کا اظہار فرمایا، حتیٰ کہ چہرۂ مبارک سرخ ہوگیا، اس کی کیا وجہ ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ مسجد میں پیشاب کرنے والا مخلص دیہاتی تھا جو آداب مسجد سے ناواقف تھا، اور اس نے جو کچھ کیا ناواقفیت کی وجہ سے کیا اور ناواقف آدمی معذور ہوتا ہے اور جدار مسجد اور وہ بھی جدار قبلہ پر بلغم وہ کسی ایسے شخص سے صادر ہوا جو بظاہر وہاں کا باشندہ تھا۔ کوئی ناواقف نہیں تھا، اس سے اس فعل کا صدور اس کی غفلت کا نتیجہ تھا، اس لئے اس پر ناراضگی کا اظہار ضروری تھا اس سے معلوم ہوگیا کہ آداب سے واقف اور بالکل ناواقف کے افعال میں فرق ہوتا ہے، جیسے کوئی عالم یا طالب علم ایک کام غلطی کا کرے، اور ایک دیہاتی ناواقف اسی کام کو کرے دیہاتی ناواقف کو معذور قرار دیا جائے گا اور اس کے ساتھ نرمی برتی جائے گی، اور وہی کام عالم یا طالب علم واقف کار کرے تو اس کو تنبیہ کی جائے گی، اور حسب موقع اس کے ساتھ سختی بھی کی جائے گی۔ فقط

ایک غلط فہمی کا ازالہ

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ ایک جرم کی سزا ہر ایک کے لئے ایک ہی ہونی چاہئے، مگر معلوم ہوگیا ایسا نہیں جب ہر ایک کے لئے ایک جرم کی نوعیت میں فرق ہوتا ہے، اسی طرح اس کی سزا میں بھی فرق ہوتا ہے، جیسے ایک مرض کے تمام مریضوں کے لئے ایک ہی دوا نہیں ہوتی، بلکہ ان کے مزاجوں کے فرق کی وجہ سے دوائیں مختلف ہوتی ہیں، حالانکہ مرض ایک ہی ہے، اسی طرح مزاجوں کے اعتبار سے سزا بھی مختلف ہوتی ہے، البتہ شرعی حدود کا حکم ایک ہی ہوتا ہے۔ فقط

حیض کے خون سے ملوث کپڑے کو پاک کرنے کا طریقہ

﴿۴۵۴﴾ وَعَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِیْ بَكْرٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا قَالَتْ سَأَلَتْ اِمْرَأَةٌ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَرَأَيْتَ اَحَدَنَا اِذَا اَصَابَ ثَوْبَهَا الدَّمُ مِنَ الْحَيْضَةِ كَيْفَ تَصْنَعُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَصَابَ ثَوْبَ اِحْدَاكُنَّ الدَّمُ مِنَ الْحَيْضَةِ فَلْتَقْرُصْهُ ثُمَّ لِتَنْضَحْهُ بِمَاءٍ ثُمَّ لِتُصَلِّ فِيْهِ۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۱/۴۵، باب غسل دم المحیض، کتاب الحیض، حدیث نمبر: ۳۰۷۔ مسلم شریف: ۱/۱۳۷، باب نجاسة الدم و کیفیة غسله، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۲۹۱۔

حل لغات: فلتقرصه، قرصَ (ن) قرصاً کسی کے بدن میں چٹکی بھرنا، چٹکی سے کھرچنا۔

ترجمہ: حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک عورت نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا، چنانچہ اس نے کہا اے اللہ کے رسول! مجھے بتائیے ہم میں سے کسی کے کپڑے پر اگر حیض کا خون لگ جائے، تو وہ کیا کرے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کے کپڑے کو حیض کا خون لگ جائے تو اس کو چاہئے کہ اس کپڑے کو انگلیوں سے ملے، پھر اس کو پانی سے دھوئے، اور پھر کپڑے میں نماز پڑھ لے۔

تشریح: خون ناپاک ہے، خواہ حیض کا خون ہو یا کسی اور مقام کا، اور اس ناپاکی کے ازالہ کی صورت صرف یہ ہے کہ اس کو دھویا جائے، اور چونکہ حیض کے خون میں ناپاکی کے

ساتھ گھناونا پن بھی ہے، اسی لئے حیض کے خون کو پاک کرنے میں مبالغہ کا حکم ہے، اس حدیث میں ایک ایسی عورت کا تذکرہ ہے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ اگر کسی عورت کو حیض آیا اور اس کی وجہ سے کپڑا آلودہ ہوگیا تو وہ کیا عمل کرے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کپڑا پاک کرنے کا طریقہ سکھایا اور ایسا طریقہ بتایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حیض کا خون دھونے میں مبالغہ سے کام لیا جائے گا۔

فلتقرصه: قرص کے معنی چٹکیوں سے ملنا، پہلے تھوڑا تھوڑا پانی ڈال کر انگلیوں سے ملنے کا حکم اسی لئے دیا ہے کہ کپڑوں کے تاروں میں جو خون پیوست ہوگیا ہے وہ نکل جائے۔

ثم لتنضحه بماء: نضح سے مراد یہاں دھونا ہے۔

ثم لتصل فیه: حیض کا خون دھونے کے بعد اسی کپڑے میں نماز پڑھنے کی اجازت ہے، خواہ وہ کپڑا گیلا اور نم ہو یا نہ ہو۔

اشکال مع جواب

اشکال: دم مسفوح بالخصوص دم حیض کا نجس ہونا متفق علیہ ہے، پھر حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سوال کیوں کیا؟

جواب: منشاء سوال یہ تھا کہ عورتوں کو دم حیض میں ابتلاء عام ہے اور عموم بلویٰ کی وجہ سے نجاسات میں تخفیف ہوجاتی ہے، جیسے منی میں عموم بلویٰ کی وجہ سے مردوں کے حق میں جواز فرک ہوگیا، اسی لئے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا حیض میں کوئی تخفیف کی صورت چاہتی تھیں؛ لیکن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جواب سے معلوم ہوا کہ عموم بلویٰ کے قاعدہ سے دم حیض مستثنیٰ ہے۔

دمِ حیض میں مسئلہ اختلافیہ

دمِ حیض کی نجاست پر اتفاق ہے؛ لیکن مقدار قلیل معاف ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔

امام شافعیؒ کا مذہب: امام شافعیؒ کے نزدیک قلیل وکثیر میں کوئی فرق نہیں اگر حیض کے خون کا ایک قطرہ کپڑے پر لگا ہے تو وہ نجس ہے، اس کے ساتھ نماز نہ ہوگی۔

جمہور کا مذہب: جمہور کے نزدیک اگر خون قلیل مقدار میں ہے تو وہ معاف ہے، اس کے ساتھ نماز پڑھنا جائز ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کا مذہب: امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک قدر درہم سے کم قلیل ہے اس کا دھونا واجب نہیں، البتہ اس کا دھونا مستحب ہے، اور اگر قدرِ درہم یا اس سے زائد ہے تو اس کا دھونا واجب ہے۔

امام احمدؒ کا مذہب: امام احمدؒ کے نزدیک مختار قول کے مطابق رائے مبتلی بہ کا اعتبار ہے۔

منی کو پاک کرنے کا طریقہ

﴿٤٥٥﴾ وَعَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا عَنِ الْمَنِيِّ يُصِيبُ الثَّوْبَ فَقَالَتْ كُنْتُ أَغْسِلُهُ مِنْ ثَوْبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَخْرُجُ إِلَى الصَّلٰوةِ وَأَثَرُ الْغَسْلِ فِيْ ثَوْبِهِ۔ (متفق عليه)

حواله: بخاری شریف: ۱/۳۶، باب غسل المني وفركه، كتاب الوضوء، حدیث نمبر: ۲۳۰، مسلم شریف: ۱/۱۴۰، باب حكم المني، كتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۲۸۹۔

ترجمه: حضرت سلیمان بن یسار سے روایت ہے کہ میں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس منی کے بارے میں دریافت کیا جو کپڑے پر لگی ہو، تو انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے کے کسی حصہ کو اگر منی لگ جاتی تھی، تو میں اس کو دھو دیتی تھی، اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لئے جاتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے پر دھونے کا نشان موجود ہوتا تھا۔

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ منی نجس ہے، اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے میں منی لگ جاتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تک اس منی کو زائل نہیں فرما لیتے تھے، نماز کے لئے تشریف نہیں لے جاتے۔

واثر الغسل في ثوبه: بخاری شریف میں "واثر الغسل فيه بقع الماء" کے الفاظ ہیں، اس جملہ کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔

(۱)...... اثر الغسل سے شئ مغسول یعنی منی کا اثر مراد لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ اگر کسی کپڑے پر منی لگ گئی اور اس کو قاعدہ کے مطابق دھو لیا گیا اب اگر دھونے کے بعد خفیف دھبہ باقی رہ گیا تو اس دھبہ کی وجہ سے کپڑے کی پاکی متأثر نہ ہوگی؛ بلکہ اس دھبہ کے رہتے ہوئے کپڑا پاک ہو جائے گا۔

(۲)...... اثر سے دھلائی کا دھبہ مراد ہو، یعنی منی کے دھونے کی وجہ سے کپڑے پر پانی کا دھبہ رہ گیا ہو، اب مطلب یہ ہوگا کہ نجاست دھو لینے کے بعد کپڑے کو خشک کرنا ضروری نہیں، تر کپڑے کو بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔

منی پاک ہے یا ناپاک؟

ائمہ کا انسان کی منی کے بارے میں شدید اختلاف ہے، بعض لوگ اس کو پاک کہتے ہیں اور بعض لوگ ناپاک کہتے ہیں، جو لوگ ناپاک کہتے ہیں ان میں بھی اختلاف ہے، کچھ لوگ کہتے ہیں کہ منی کا دھونا ضروری ہے اور بعض لوگ کہتے ہیں اگر منی خشک ہے تو اس کا کھرچ دینا ہی کافی ہے۔

امام ابو حنیفہ کا مذہب: امام اعظم ابو حنیفہ، امام مالک اور امام ابو یوسف وغیرہ نجاست کے قائل ہیں، امام صاحب فرماتے ہیں کہ اگر منی خشک ہو تو طہارت کے لئے فرک (کھرچنا) بھی کافی ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ منی کا دھونا ضروری ہے، خشک ہو یا تر فرک کافی نہیں۔

امام ابو حنیفہ کے دلائل: (۱)......قرآن مجید میں منی کو ماء مہین کہا گیا ہے، جو نجاست کی دلیل ہے۔

(۲)......حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے: "کنت اغسل الجنابة الخ" ظاہر ہے کہ اگر منی پاک ہوتی تو بااستمرار دھونے کی ضرورت نہ تھی۔

(۳)......حضرت ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے منی کو لفظ "اذی" سے تعبیر کیا ہے اور اذی کے معنی نجاست کے ہیں، جیسا کہ دم حیض کے بارے میں قرآن مجید میں ہے:

"قل هو اذى"

(۴)......حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں: "ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يغسل المنى ثم يخرج الى الصلوٰة" [حضرت رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منی کو دھوتے تھے، پھر نماز کے لئے تشریف لے

جاتے تھے۔]

(۵)......اگر منی پاک ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کم از کم ایک مرتبہ ضرور اس کو بغیر فرک کے چھوڑ دیتے تاکہ منی کی طہارت معلوم ہوجاتی حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ایسا نہیں فرمایا، یہ نجاست منی کی واضح دلیل ہے۔

ان دلائل سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ منی نجس ہے، اس کو پاک کرنا ضروری ہے، لیکن کپڑے کو رگڑ دینے سے بھی پاکی حاصل ہوجاتی ہے، اس بات کی دلیل حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے، آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں "**کنت افرک المنی من ثوب رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا کان یابساً و اغسله اذا کان رطباً**" [میں حضرت رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کپڑے کو رگڑ دیتی تھی، جبکہ وہ خشک ہوتا تھا اور دھوتی تھی جب وہ تر ہوتا تھا۔] اس دلیل سے معلوم ہوا کہ اگر خشک منی ہے تو اس کو رگڑ دینا کافی ہے، دھونا لازم نہیں ہے۔

امام مالکؒ منی کے لئے دھونے کو لازم قرار دیتے ہیں، اور وہ اس کو پیشاب وخون پر قیاس کرتے ہیں، یعنی جس طرح خون اور پیشاب سے بغیر دھلے پاکی حاصل نہیں ہوتی اسی طرح منی کا بھی معاملہ ہے۔

امام مالکؒ کا یہ قیاس صحیح نہیں، کیونکہ یہ نص کے مقابلہ میں ہونے کی وجہ سے فاسد ہے؛ لہٰذا اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا، نیز یہ قیاس مع الفارق ہے کیونکہ پیشاب وخون ذی جرم نہیں ہیں اور منی غلیظ یابس، ذی جرم ہے، لہٰذا ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا صحیح نہیں۔

امام شافعیؒ کا مسلک: امام شافعیؒ کا راجح مذہب یہ ہے کہ مرد وعورت دونوں کی منی پاک ہے۔

دلائل: شوافع کے پاس کوئی صریح حدیث نہیں ہے، بعض آیات وغیرہ سے دور دراز کے

استنباط کرتے ہیں، کچھ دلائل ہم یہاں ذکر کرتے ہیں۔

(۱)......اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "ولقد کرمنا بنی آدم" [ہم نے انسان کو معزز بنایا] اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے شوافع کہتے ہیں کہ انسان کی تخلیق منی سے ہوئی ہے، اگر منی کو نجس کہا جائے تو پھر انسان مکرم نہ ہو پائے گا۔

(۲)......ارشاد الٰہی ہے: "وهو الذی خلق من الماء بشرا" [اور وہ وہی ہے جس نے پانی سے انسان کو پیدا کیا] اس آیت میں منی کو پانی فرمایا گیا ہے اور پانی پاک ہوتا ہے، معلوم ہوا منی پاک ہے۔

(۳)......ان حضرات نے احادیث فرک سے استدلال کیا ہے، کہتے ہیں کہ اگر منی ناپاک ہوتی تو فرک کافی نہ ہوتا؛ کیونکہ فرک سے منی کے تمام اجزاء زائل نہیں ہوتے، کچھ اجزا باقی رہ جاتے ہیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان اجزا کے ساتھ نماز پڑھتے تھے، معلوم ہوا کہ منی کے اجزا پاک ہیں، اور جس کا ایک جز پاک ہو اس کے تمام اجزا پاک ہوں گے۔

(۴)......حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی تخلیق منی سے ہوئی ہے، حضرات انبیاء کرام علیہم السلام معصوم ہیں اگر منی ناپاک ہوتی تو ان مقدس حضرات کی تخلیق اس سے نہ ہوتی، معلوم ہوا کہ منی پاک ہے۔

شوافع کے دلائل کے جوابات: شوافع کی یہاں چار دلیلیں ذکر کی گئی ہیں ہم ذیل میں ترتیب وار ہر ایک کا جواب تحریر کرتے ہیں۔

پہلی دلیل کا جواب: آیت میں بنی آدم کو مکرم کہا گیا ہے، نطفہ کو مکرم نہیں کہا گیا ہے، اور یہ ضابطہ شرعی ہے کہ کسی نجس چیز کی اگر ماہیت بدل جائے تو وہ پاک ہو جاتی ہے، جیسے گدھا نمک میں گر کر نمک بن جاتا ہے، پاخانہ جل کر راکھ بن جاتا ہے، اسی

طرح نطفہ نجس ہے؛ لیکن جب اس کی ماہیت بدل گئی اور اس سے انسان بن گیا تو اب انسان پاک ہو گیا۔ پس اس سے اس کے نطفہ کا پاک ہونا لازم نہیں آتا۔

دوسری دلیل کا جواب: آیت کریمہ سے استدلال کا جواب یہ ہے کہ جہاں یہ ارشاد ربانی ہے: "وھو الذی خلق من الماء بشرا" وہیں یہ بھی ارشاد الٰہی ہے: "و اللہ خلق کل دابۃ من ماء" اب اگر ماء (پانی) کہنے کی وجہ سے طہارت منی پر استدلال کیا گیا تو ہر جانور حتی کہ کتے اور سور کی منی کو بھی پاک کہنا پڑے گا، جو بالاتفاق ناپاک ہے، لہٰذا استدلال صحیح نہیں۔

تیسری دلیل کا جواب: منی کے کچھ اجزا باقی رہنے کی وجہ سے منی کی طہارت پر استدلال درست نہیں، جس طرح ڈھیلے سے استنجاء کرنے سے نجاست کے سب اجزا دور نہیں ہوتے، کچھ باقی رہ جاتے ہیں، اور اس کے ساتھ نماز پڑھی جاتی ہے، اور کوئی شخص بھی بول و براز کی پاکی کا قائل نہیں ہے، ہر ایک یہ کہتا ہے کہ یہ ناپاک ہے؛ لیکن بہت تھوڑا ہونے کی وجہ سے معفو عنہ ہے، اسی طرح فرک کے بعد منی کے جو اجزاء کپڑے پر رہ جاتے ہیں، وہ ناپاک ہیں، لیکن قدر معفو عنہ ہیں، لہٰذا فرک منی سے طہارت منی پر استدلال درست نہیں۔

چوتھی دلیل کا جواب: منی کا مادہ خون ہے، تو پھر آپ خون کو بھی پاک قرار دیں، دراصل یہ قدرتِ باری تعالیٰ کا اظہار ہے کہ اس نے اپنی قدرت سے ایک ذلیل چیز سے اتنے مقدس نفوس پیدا کیے، نیز ہماری جو بحث ہے وہ انبیاء کرام علیہم السلام کی منی سے نہیں ہے، جن مبارک نطفوں سے انبیاء کرام کی تخلیق ہوئی ہے، وہ عام انسانوں کے نطفوں کی طرح ناپاک نہیں تھے، اگر یہ بات کہی جائے تو یہ ہمارے مذہب کے خلاف نہیں ہے، ہماری بحث امت کی منی کے متعلق ہے، جس منی سے

ابوجہل فرعون شدادوغیرہ کی تخلیق ہوئی ہے، اس کو کس طرح پاک قرار دیا جا سکتا ہے،
جب کہ یہ سب جہنمی ہیں۔

رگڑنے سے منی کا پاک ہونا

﴿۴۵٦﴾ وَعَنِ الْاَسْوَدِ وَهَمَّامٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ كُنْتُ اَفْرُكُ الْمَنِيَّ مِنْ ثَوْبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رواہ مسلم) وَبِرِوَايَةِ عَلْقَمَةَ وَالْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا نَحْوَهُ ثُمَّ يُصَلِّي فِيْهِ۔

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۱۴۰، باب حکم المنی، کتاب الطھارۃ، حدیث نمبر: ۲۲۸۔

ترجمہ: حضرت اسود اور حضرت ہمام دونوں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی کو رگڑتی تھی۔ (مسلم) اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وہ روایت جس کو حضرت علقمہ اور حضرت اسود دونوں نے نقل کیا ہے، وہ بھی اسی طرح سے ہے، اور اس میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس کپڑے میں نماز پڑھ لیتے تھے۔

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ منی نجس ہے اس کو زائل کرنا ضروری ہے، بغیر ازالہ منی کے نماز کی ادائیگی صحیح نہیں ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلے کپڑے پر لگی منی کو زائل کرتے، پھر نماز پڑھتے تھے، اگر منی پتلی ہو تو اس کا دھونا ضروری ہے، اور اگر گاڑھی منی

ہے جو کہ کپڑے میں سرایت نہ کرتی ہو، اس کو خشک ہونے کے بعد رگڑ کر چھڑا دینے سے بھی کپڑا پاک ہو جاتا ہے۔

یہ حدیث مالکیہ کے خلاف ہے؛ کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ منی کا دھونا لازم ہے۔ امام شافعیؒ اسی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ منی پاک ہے؛ کیونکہ اگر منی نجس ہوتی تو فرک سے پاکی حاصل نہ ہوتی۔ تفصیل اوپر گذر چکی۔

شیرخوار بچہ کا پیشاب

﴿۴۵۷﴾ وَعَنْ اُمِّ قَيْسٍ بِنْتِ مِحْصَنٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا اَنَّهَا اَتَتْ بِابْنٍ لَهَا صَغِيْرٍ لَمْ يَأْكُلِ الطَّعَامَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَجْلَسَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حِجْرِهٖ فَبَالَ عَلٰى ثَوْبِهٖ فَدَعَا بِمَاءٍ فَنَضَحَهٗ وَلَمْ يَغْسِلْهُ۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۳۵/۱، باب بول الصبیان، کتاب الوضوء، حدیث نمبر: ۲۲۳۔ مسلم شریف: ۱۳۹/۱، باب حکم بول الطفل الرضیع وکیفیة غسله، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۲۸۷۔

ترجمه: حضرت ام قیس بنت محصن رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ وہ اپنے چھوٹے بچے کو جس نے ابھی غذا کھانا شروع نہیں کیا تھا، لے کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آئیں حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس بچے کو لے کر اپنی گود میں بٹھا لیا، پھر اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے پر پیشاب کر دیا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگایا اور اس جگہ بہا دیا اور اس کو دھویا نہیں۔

تشــــریح: شیر خوار بچوں کا پیشاب بالاتفاق ناپاک ہے، البتہ شیر خوار بچے کے پیشاب میں اس کے حالات کی رعایت کرتے ہوئے شیر خوار بچی کے مقابلے میں تخفیف رکھی گئی ہے، بچی اگر پیشاب کر دے تو مل کر دھویا جائے گا۔ لیکن بچے کے پیشاب میں اگر وہ غذا نہ کھاتا ہو تو یہ گنجائش رکھی ہے کہ اسی کو بہانا کافی ہے ملنے کی ضرورت نہیں ہے، اس حدیث میں ایک بچے نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پیشاب کر دیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کپڑے کو دھویا نہیں۔

وعن ام قیس: ام قیس ان عورتوں میں سے ہیں جنہوں نے مکہ میں اسلام قبول کیا، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی، اور مدینہ طیبہ ہجرت کی۔

اتت بابن لها صغیر: معلوم ہوا کہ بچوں کو برکت حاصل کرنے کے لئے بزرگوں کے پاس لے جانا مستحب ہے۔

الطعام: دودھ کے علاوہ غذائیں مراد ہیں۔

فاجلسه: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گود میں بٹھالیا، معلوم ہوا کہ بچوں کے ساتھ شفقت و محبت اور نرمی کا رویہ اپنانا بھی مستحب ہے۔

فبال علی ثوبه: یعنی اس بچہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں پر پیشاب کر دیا۔

فنضحه: پانی کو اپنے کپڑے پر بہایا۔

ولم یغسله: پانی ڈالنے میں مبالغہ سے کام نہیں لیا، اس کو شدت سے نہیں دھویا اور کپڑے کو نچوڑا نہیں۔

شراح نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی گود میں پانچ بچوں کا پیشاب کرنا ثابت ہے۔ (۱) حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ (۲) حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۳)حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ (۴)حضرت ابن ام قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ (۵) سلیمان ابن ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ اور کہا گیا ہے کہ صحیح سلیمان بن ہاشم ہے۔

قد بال فی حجر النبی اطفال

حسن حسین ابن الزبیر بالوا

و کذا سلیمان بن هشام

و ابن ام قیس جاء فی الختام

بول صبی میں اختلاف ائمہ

اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ بچہ اور بچی اگر غذا کھائیں تو ان کا پیشاب ناپاک ہے، اور جس جگہ یہ پیشاب کریں گے وہ جگہ بغیر غسل کے پاک نہ ہوگی، نیز اس پر بھی اتفاق ہے کہ اگر غذا نہ بھی کھائیں تب بھی ان کا پیشاب ناپاک ہے؛ البتہ طریقہ تطہیر میں اختلاف ہے۔

امام ابوحنیفہ ؒومالک کا مذہب: ان حضرات کے نزدیک صبی اور صبیہ دونوں کا پیشاب دھونا ضروری ہے؛ البتہ اتنا فرق ہے کہ بول صبیہ میں غسل شدید یعنی تین مرتبہ مل کر دھونا واجب ہے، اور بول صبی میں غسل خفیف یعنی صرف ایک مرتبہ بغیر ملے دھونا واجب ہے۔

دلائل: (۱)......"اتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بصبی یرضع فبال فی حجره فدعا بماء فصبه علیه" اس حدیث سے صاف طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ بچہ کے پیشاب پر پانی بہایا جائے گا۔

(۲)......"استنزهوا من البول فان عامة عذاب القبر منه" یہ حدیث بھی عام ہے،

اس میں بول صبی وبول جاریہ دونوں شامل ہیں۔

شوافع کا مذہب: شوافع کے نزدیک بول صبی میں محض چھینٹا دینا کافی ہے، غسل ضروری نہیں؛ البتہ بول صبیہ میں غسل شدید ضروری ہے۔

تنبیہ: بعض شراح حدیث نے حضرت امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کا جو اختلاف نقل کر دیا کہ ان کے نزدیک بول صبی طاہر ہے، یہ نقل غلط ہے، امام نوویؒ علامہ زرقانیؒ نے اس کی تصریح کی ہے۔ (الدر المنضود: ۱/۴۶۲)

دلائل: ان حضرات کی دلیل حدیث باب اور اسی طرح کی وہ احادیث ہیں جن میں بول صبی کے متعلق "نضح" یا "رش" کا لفظ آیا ہے، یہ حضرات کہتے ہیں کہ نضح اور رش کے معنی چھینٹا مارنا ہے، لہٰذا بول صبی میں چھینٹا مارنا کافی ہے، غسل غیر ضروری ہے۔

جواب: حدیث میں جہاں بھی "نضح" یا "رش" کا لفظ بول صبی کے متعلق استعمال ہوا ہے، وہاں چھینٹا دینا مراد نہیں ہے، بلکہ وہاں غسل خفیف مراد ہے۔

بول صبی وصبیہ میں وجہ فرق

بول صبی میں غسل خفیف ہے اور بول صبیہ میں غسل شدید ہے، اس کی متعدد وجوہ ذکر کی جاتی ہیں۔ ہم ان میں سے چند یہاں ذکر کرتے ہیں۔

(۱)...... صبیہ کا بول اس کے مزاج پر غلبۂ رطوبت وبرودت کی وجہ سے زیادہ غلیظ چکنا اور بدبودار ہوتا ہے، بخلاف بول صبی کے کہ اس میں یہ بات نہیں ہوتی ہے۔

(۲)...... صبی تنگی مخرج کی بناپر ایک جگہ پیشاب کرتا ہے، اور صبیہ وسعت مخرج کی وجہ سے بہت زیادہ جگہ پیشاب کرتی ہے، یعنی اس کا پیشاب پھیل جاتا ہے، لہٰذا صبیہ میں غسل شدید کا حکم دیا۔

(۳)...... بول صبی زیادہ رقیق ہوتا ہے، جب کہ بول صبیہ گاڑھا ہوتا ہے۔

(۴)...... صبیہ کو اگرچہ فی الحال حیض نہیں آتا؛ لیکن اس کے رحم سے حیض ونفاس کا گندہ خون جاری ہوتا ہے اس لئے بول صبیہ زیادہ بدبودار ہوتا ہے، اس بناء پر غسل شدید کا حکم دیا گیا ہے۔ واللہ اعلم

(۵)...... پانچویں وجہ وہ ہے جو ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ حضرت امام شافعیؒ سے ان کے شاگرد رشید ابوالیمان المصری نے اس فرق کی حکمت دریافت کی، انہوں نے ارشاد فرمایا: وجہ اس کی یہ ہے کہ بول جاریہ پیدا ہوا ہے لحم ودم سے اور بول غلام ماء وطین سے، لہٰذا دونوں کے پیشاب کی صفت اور خاصیت میں فرق کی وجہ سے حکم میں بھی فرق ہوا، اس کے بعد امام صاحب نے دریافت فرمایا: ''فَهِمْتَ'' شاگرد نے جواب دیا: ''فَهِمْتُ'' امام صاحب نے فرمایا: بات یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق مٹی سے ہوئی ہے اور حضرت حواء علیہا السلام کی تخلیق حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے ہوئی ہے، لہٰذا بول غلام کی تخلیق ماء وطین اور بول جاریہ کی لحم ودم سے ہوئی۔ (الدر المنضود: ۱/۴۶۳)

(۶)...... بعض نے وجہ فرق یہ بیان کیا کہ بچوں کی طرف عام لوگوں کی رغبت زیادہ ہوتی ہے، ان کو زیادہ اٹھاتے ہیں اور کھلاتے ہیں، اس لئے ان میں ابتلاء زیادہ ہوا اور ابتلائے عام موجب تخفیف ہے۔

(۷)...... بچوں کو تمام مجالس میں لایا جاتا ہے، بچیوں کو کم اس لئے ابتلائے عام ہوا اور یہ ابتلائے عام موجب تخفیف ہے۔ (اشرف التوضیح)

دباغت دینے سے چمڑا پاک ہو جاتا ہے

﴿۴۵۸﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِذَا دُبِغَ الْإِهَابُ فَقَدْ طَهُرَ۔ (رواه مسلم)

حواله: مسلم شریف: ۱۵۹/۱، باب طهارة جلود الميتة بالدباغ، کتاب الطهارة، حدیث نمبر:۳٦٦۔

حل لغات: دبغ (ن) دبغاً و دباغاً و دباغةً، چمڑے کو مسالے سے صاف کرنا، دباغت کرنا، الاهاب کھال، چمڑا، ج اُهُب واهبةٌ.

ترجمه: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا چمڑے کو جب دباغت دے دی جاتی ہے تو وہ پاک ہو جاتا ہے۔

تشریح: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مردار کے چمڑے یعنی کھال کو نمک وغیرہ لگا کر رکھ دیا جائے اور اس کی رطوبت زائل ہو جائے، تو وہ کھال پاک ہو جاتی ہے، اسی طرح کھال کو دھوپ میں سکھا کر خشک کر لیا جائے تو بھی رطوبت زائل ہونے کی صورت میں کھال پاک ہو جائے گی۔

اذا دبغ الاهاب: اہاب کچے چمڑے کو کہتے ہیں جس کی دباغت نہ کی گئی ہو، اور دباغت کا مطلب ہے کھال کو نجاست یعنی بدبو اور رطوبت سے مسالہ وغیرہ کے ذریعہ صاف اور پاک کرنا۔

دباغت کے سلسلے میں اختلاف ائمہ

دباغت کے ذریعہ چمڑا پاک ہوتا ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، پھر جو لوگ دباغت کے ذریعہ چمڑے کے پاک ہونے کے قائل ہیں ان کے درمیان بھی اختلاف ہے۔

امام مالکؒ واحمدؒ کا مذہب: ان حضرات کے نزدیک مردار کا چمڑا دباغت دینے کے بعد پاک نہیں ہوتا۔

دلیل: ان حضرات کی دلیل حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے: "**عن عبد اللہ بن حکیم قال اتانا کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل موتہ ان لا تنتفعوا من المیتۃ باھاب و لا عصب**" [ہمارے پاس حضرت رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا گرامی نامہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات سے قبل پہونچا کہ مردار کے چمڑے اور پٹھے سے فائدہ نہ اٹھاؤ۔] اس حدیث میں جب انتفاع سے منع کیا ہے تو معلوم ہوا کہ میتہ کا چمڑا دباغت سے پاک بھی نہ ہوگا۔

امام ابو حنیفہؒ وامام شافعیؒ کا مسلک: ان حضرات کے نزدیک دباغت کے بعد چمڑا پاک ہوجاتا ہے۔ البتہ امام شافعیؒ اس حکم سے کتے اور خنزیر کے چمڑے کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں، وہ دباغت سے پاک نہیں ہونگے اور امام اعظمؒ صرف خنزیر کی کھال کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں۔

دلیل: (١)...... ان حضرات کی پہلی دلیل تو حدیث باب ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "**اذا دبغ الاھاب فقط طھر**" [جب چمڑے کو دباغت دے دی گئی تو وہ پاک ہوگیا۔]

(٢)......دوسری دلیل حدیث ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہے: "انہ

علیہ السلام امر ان یستمتع بجلود المیتة اذا دبغت" [آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مردار کے چمڑے سے دباغت کے بعد نفع اٹھانے کا حکم فرمایا۔
ان کے علاوہ بہت سی احادیث ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ میتہ کا چمڑا دباغت کے بعد پاک ہوجاتا ہے۔

امام مالکؒ واحمدؒ کی دلیل کا جواب: انہوں نے جو حدیث پیش کی ہے اس میں مردار کے چمڑے سے نفع اٹھانے کی جو ممانعت وارد ہوئی ہے وہ دباغت سے پہلے نفع اٹھانے کی ممانعت ہے، اور یہاں گفتگو اس چمڑے کے بارے میں ہے جس کو دباغت دے دی گئی ہو، لہذا ان کی پیش کردہ حدیث ہمارے خلاف نہیں ہے۔

ایضاً

﴿۴۵۹﴾ وَعَنْهُ قَالَ تُصُدِّقَ عَلٰى مَوْلَاةٍ لِمَيْمُوْنَةَ بِشَاةٍ فَمَاتَتْ فَمَرَّ بِهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ هَلَّا اَخَذْتُمْ اِهَابَهَا فَدَبَغْتُمُوْهُ فَانْتَفَعْتُمْ بِهٖ فَقَالُوْا اِنَّهَا مَيْتَةٌ فَقَالَ اِنَّمَا حَرُمَ اَكْلُهَا۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۲۰۲/۱، باب الصدقة علی موالی ازواج النبی صلی الله علیه وسلم، کتاب الزکوة، حدیث نمبر:۱۴۹۲۔ مسلم شریف: ۱۵۸/۱، باب طهارة جلود المیتة بالدباغ، کتاب الحیض، حدیث نمبر:۳۶۳۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی آزاد کی ہوئی، ایک باندی کو کسی نے ایک بکری

صدقہ میں دے دی تھی، اور وہ مرگئی، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پر گذر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ تم نے اس کی کھال کو کیوں نہ لے لیا؟ تم اس کو دباغت دے کر اس سے فائدہ اٹھاتے، صحابہ بولے وہ تو مردار ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مردار کا صرف کھانا حرام قرار دیا گیا ہے۔

تشــــریح: اس حدیث کا بھی حاصل یہی ہے کہ ذبح کرنے کے بعد جانور کی جو چیزیں کھائی جاتی ہیں اور جن کا کھانا حلال ہے جانور کے مرجانے کی صورت میں ان چیزوں کا کھانا حرام ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کا چمڑا سووہ دباغت دینے کے بعد اس کا استعمال جائز رہے گا، اور اس سے فائدہ اٹھانا حلال رہے گا، نیز اس کی خرید وفروخت بھی کی جا سکتی ہے، اور دوسرے کاموں میں بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔

ہدیہ اور صدقہ میں فرق

والفرق بين الصدقة والهبة ان الصدقة هبة لثواب الآخرة والهدية هبة تنقل الى المتهب اكراما له. (عینی:۹۰/۹)

حاصل یہ ہے کہ صدقہ میں شروع میں ہی ثواب آخرت کی نیت ہوتی ہے اور ہدیہ میں دوسرے کی تطییب قلب مثلاً کسی استاذ اور شیخ وغیرہ کی خوشنودی مقصود ہوتی ہے، ہدیہ صدقہ سے افضل ہے، ہدیہ سے ہدایت ملتی ہے اور صدقہ سے ثواب ملتا ہے، اور ہدایت ثواب سے بہت افضل ہے۔

ارشاد حضرت مولانا الیاسؒ

حضرت مولانا الیاسؒ صاحب کے ملفوظات میں لکھا ہے کہ

''زکوۃ کا درجہ ہدیہ سے کمتر ہے، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صدقہ حرام تھا، ہدیہ حرام نہ تھا، زکوۃ اگرچہ فرض ہے اور ہدیہ مستحب ہے؛ مگر بعض دفعہ مستحب کا اجر فرض سے بڑھ جاتا ہے، جیسے ابتداءً سلام کرنا سنت ہے اور جواب دینا فرض ہے، مگر سلام میں پہل کرنا جواب دینے سے بہتر ہے، اسی طرح زکوۃ گوفرض ہے مگر اس کا ثمرہ تطہیر مال ہے اور ہدیہ گو مستحب ہے مگر اس کا ثمرہ تطییب قلب مسلم ہے، تو ثمرہ کے لحاظ سے یہ افضل ہے؛ کیونکہ تطہیر مال سے تطییب قلب ہو جاتی ہے، مگر مقصود نہیں بلکہ تبعاً حاصل ہوتی ہے، اور ہدیہ سے اصل مقصود ہی تطییب قلب مسلم ہے۔'' (ملفوظات حضرت مولانا الیاس صاحب)

دانت سینگ وغیرہ کا حکم

ھلا اخذتم: اس جملہ سے معلوم ہوا کہ چمڑہ دباغت دینے کے بعد پاک ہو جاتا ہے، "انما حرم اکلھا" جو چیزیں ذبح کرنے کے بعد تناول کرنے کے اعتبار سے حلال ہوتی ہیں، جانور کے مر جانے کی صورت میں وہ حرام ہو جاتی ہیں، اور باقی چیزیں مثلاً دانت سینگ وغیرہ کا استعمال جانور کے مر جانے کے بعد بھی مباح رہے گا۔

مردہ بکری کی کھال کی دباغت

﴿۴۶۰﴾ وَعَنْ سَوْدَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ مَاتَتْ لَنَا شَاةٌ فَدَبَغْنَا مَسْكَهَا ثُمَّ مَازِلْنَا نَنْبِذُ فِيهِ حَتّٰى

صَارَ شَنًّا۔ (رواہ البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۹۸۹، باب اذا خلف ان لایشرب نبیذاً، فشرب طلاء الخ، کتاب الایمان والنذر، حدیث نمبر: ۶۶۶۔

ترجمہ: حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ہیں، بیان فرماتی ہیں کہ ہماری ایک بکری جب مرگئی تو ہم نے اس کی کھال نکال کر دباغت کرلی، اور پھر ہم برابر اس میں نبیذ بناتے رہے، یہاں تک کہ وہ ایک پرانی مشک کی صورت اختیار کرگئی۔

تشریح: اس حدیث میں بھی واضح طور پر یہ بات بیان کی گئی ہے کہ مردار کی کھال دباغت دینے کے بعد پاک ہوجاتی ہے اور اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے۔

مسک: اس سے مراد کھال ہے، کھال کو مشک کہنے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اس میں پانی رکھتی تھیں، اور جس چمڑے میں پانی رکھا جاتا ہے اس کو مشک کہا جاتا ہے۔

حتی صار شنا: یعنی کثرت استعمال کی وجہ سے اتنا پرانا ہوگیا کہ استعمال کے لائق نہیں رہا۔

﴿الفصل الثانی﴾

بچوں کے پیشاب کا حکم

﴿۴۶۱﴾ وَعَنْ لُبَابَةَ بِنْتِ الْحَارِثِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ

كَانَ الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ فِيْ حِجْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَالَ عَلٰى ثَوْبِهٖ فَقُلْتُ اِلْبِسْ ثَوْبًا وَاَعْطِنِيْ اِزَارَكَ حَتّٰى اَغْسِلَهٗ فَقَالَ اِنَّمَا يُغْسَلُ مِنْ بَوْلِ الْاُنْثٰى وَيُنْضَحُ مِنْ بَوْلِ الذَّكَرِ (رواه احمد وابوداؤد وابن ماجة) وَفِيْ رِوَايَةٍ لِاَبِيْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيِّ عَنْ اَبِي السَّمْحِ قَالَ يُغْسَلُ مِنْ بَوْلِ الْجَارِيَةِ وَيُرَشُّ مِنْ بَوْلِ الْغُلَامِ۔

حواله: مسند احمد: ۲/۳۲۹، ابوداؤد شریف: ۱/۵۴. باب بول الصبی یصیب الثوب، کتاب الطهارة، حدیث نمبر:۳۷۵۔ابن ماجه: ۴۰، باب ماجاء فی بول الصبی الذی لم یطعم، حدیث نمبر:۵۲۲۔

ترجمه: حضرت لبابہ بنت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ''حسین بن علی رضی اللہ عنہ'' حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں تھے، اتنے میں انہوں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کپڑے پر پیشاب کردیا، میں نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوئی دوسرا کپڑا پہن لیجئے، اور اپنا یہ تہبند مجھے دیدیجئے تا کہ میں اس کو دھودوں، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: بچی کے پیشاب سے تو دھویا جاتا ہے اور بچے کے پیشاب سے چھینٹا دیا جاتا ہے۔

تشریح: بچہ اور بچی دونوں کا پیشاب نجس ہے، اور دونوں کے پیشاب کو دھونے کا حکم ہے، مگر بچہ کے پیشاب میں غسل خفیف کافی ہے، یعنی اس میں رگڑنا اور نچوڑنا ضروری نہیں ہے، اس کے برخلاف بچی کے پیشاب میں مل کر دھونا اور نچوڑنا ضروری ہے، دونوں کے پیشاب میں فرق کی وجوہات پہلے گذر چکی ہیں۔

نجس جوتے کو پاک کرنے کا طریقہ

﴿۴۶۲﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا وَطِیَٔ اَحَدُکُمْ بِنَعْلِهِ الْاَذٰی فَاِنَّ التُّرَابَ لَهٗ طُهُوْرٌ۔ (رواه ابوداؤد) وَلِابْنِ مَاجَةَ مَعْنَاهُ۔

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۵۵/۱، باب فی الاذی یصیب النعل، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۳۸۵۔ ابن ماجہ: ۴۰، باب الارض یطهر بعضها بعضا، کتاب الطهارة وسننها، حدیث نمبر: ۵۳۲۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی شخص جوتے پہن کر نجاست اور گندی چیزوں پر چلتا ہے تو مٹی ان جوتوں کو پاک کر دیتی ہے۔ (ابو داؤد) ابن ماجہ نے بھی اسی قسم کی روایت نقل کی ہے۔

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر چمڑے کے موزے پر چلتے وقت راستہ کی نجاست لگ جائے اور آدمی روندتا ہوا آگے بڑھ جائے تو آگے والی زمین جو پاک ہے اس سے رگڑ جانے کی وجہ سے خف اور نعل پاک ہو جائے گا، حدیث میں نعل ہی کا ذکر ہے، لیکن فقہاء کرام نے اس کے حکم میں خف آئینہ اور تلوار اور ہر وہ چیز جو صیقل اور صاف شدہ ہو اس میں مسامات نہ ہو ان کو ذکر کیا ہے۔

اس میں سب کا اتفاق ہے کہ کپڑے میں تر نجاست لگ جائے تو بغیر غسل کے پاک نہیں ہوتا، لیکن حدیث ہذا میں معلوم ہوتا ہے کہ مٹی میں رگڑنے سے بھی پاک ہو جاتا ہے، اس لئے اس حدیث کی مختلف توجیہات کی گئی ہیں، بعض نے کہا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور

بعض نے کہا ہے کہ یہ نجاست یابسہ پر محمول ہے، اور بعض کی رائے یہ ہے کہ یہاں قذر سے نجاست مراد نہیں بلکہ طین شارع مراد ہے، جو طبعاً گندہ ہے، اور "یطهر" سے زائل کرنا مراد ہے، حضرت شاہ صاحبؒ نے سب سے عمدہ توجیہ کی ہے، وہ یہ ہے کہ اصل میں اس عورت کے کپڑے میں کوئی نجاست نہیں لگتی تھی صرف اس کو وسوسہ تھا تو اس وسوسہ کو دور کرنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یطهر مابعده"

الاذی: اذی سے کیا مراد ہے، اس میں تین اقوال مشہور ہیں۔

(۱)...... مطلق نجاست: یعنی خشک وتر دونوں طرح کی نجاستیں مراد ہیں، اور یہ دونوں طرح کی نجاستیں یا ان میں سے ایک خف یا نعل پر لگ جائے تو محض دلک (رگڑنے) سے پاک ہوگا، دھونے کی ضرورت نہیں ہوگی، یہ امام شافعی کا قول قدیم ہے۔

(۲)...... اذی سے نجاست یابسہ مراد ہے، تر نجاست مراد نہیں ہے، یعنی اگر نعل وغیرہ پر خشک نجاست لگ جائے تو دلک سے پاکی حاصل ہو جائے گی، اور اگر تر نجاست ہے مثلاً پیشاب وغیرہ تو دھونا ضروری ہے، یہ امام مالکؒ کا مذہب اور امام شافعیؒ کا قول جدید ہے۔

(۳)...... اذی سے نجاست یابسہ اور اسی طرح نجاست رطبہ ذی جرم مراد ہے، رطبہ غیر ذی جرم اس میں داخل نہیں، حاصل یہ ہے کہ ذی جرم نجاست رگڑنے سے پاک ہو جائے گی، اور غیر ذی جرم کو دھونا ضروری ہے، ذی جرم نجاست کو نجاست مرئیہ بھی کہتے ہیں جیسے براز (پاخانہ) وغیرہ اور غیر مرئیہ جیسے کہ پیشاب کہ وہ خشک ہونے کے بعد نظر نہیں آتا، اس کو غیر ذی جرم کہتے ہیں، اس تیسرے قول کے قائل امام ابو حنیفہؒ ہیں۔

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ شوافع کے قول قدیم میں سب سے زیادہ وسعت ہے، اور امام مالکؒ کے اول اور شوافع کے قول جدید میں تنگی ہے، اور امام صاحبؒ کا

قول مبنی بر اعتدال ہے۔

نجاست پر کپڑا لگنے کا حکم

﴿۴۶۳﴾ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا قَالَتْ لَھَا اِمْرَاَۃٌ اِنِّی اُطِیْلُ ذَیْلِیْ وَاَمْشِیْ فِی الْمَکَانِ الْقَذِرِ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُطَھِّرُہٗ مَا بَعْدَہٗ۔ (رواہ مالك واحمد والترمذی وابوداؤد والدارمی) وَقَالَا الْمَرْاَۃُ اُمُّ وَلَدٍ لِاِبْرَاھِیْمَ ابْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ۔

حوالہ: مؤطا امام مالک:۸، باب مالا یجب فیه الوضوء، کتاب الطهارة، حدیث نمبر:۱۶۔مسند احمد: ۲۹۰/۵، ابو داؤد شریف: ۵۵/۱، باب فی الاذی یصیب الذیل، کتاب الطهارة، حدیث نمبر:۳۸۳۔ترمذی شریف:۳۶/۱، باب الوضوء من المؤطاء، کتاب الطهارة، حدیث نمبر:۱۴۳۔ دارمی: ۲۰۶/۱، باب الارض یطهر بعضها بعضا، کتاب الطهارة، حدیث نمبر:۷۴۲۔

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ان سے ایک عورت نے پوچھا میں اپنا دامن لمبا رکھتی ہوں، اور مجھ کو ایسی جگہ سے بھی گذرنا پڑتا ہے جہاں نجاست اور گندگی ہوتی ہے؟ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تھا اس کے بعد جو جگہ آتی ہے وہ اس کو پاک کردیتی ہے۔ (احمد، مالک، ترمذی، ابوداؤد، دارمی) ابوداؤد اور دارمی نے کہا کہ وہ پوچھنے والی عورت حضرت ابراہیم ابن عبدالرحمٰن ابن عوف کی ام ولد تھیں۔

تشریح: شارحین نے اس عورت کا نام حمیدہ لکھا ہے۔حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اس مسئلہ کا پہلے سے جواب معلوم تھا، اس لئے کہ ان کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کا علم تھا، چنانچہ انہوں نے سائلہ کے سوال پر فوراً حکم لگایا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث بیان کردی جو ان کے علم میں تھی تاکہ مسئلہ ودلیل دونوں ساتھ معلوم ہو جائیں۔

اس میں سب کا اتفاق ہے کہ کپڑے میں تر نجاست لگ جائے تو بغیر غسل کے پاک نہیں ہوتا، اس حدیث کی مختلف توجیہات کی گئی ہیں۔ جو اس سے قبل والی حدیث کے ذیل میں گذر چکی ہیں۔

درندوں کی کھال کا حکم

﴿۴۶۴﴾ وَعَنْ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيْكَرِبَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ لُبْسِ جُلُوْدِ السِّبَاعِ وَالرُّكُوْبِ عَلَيْهَا۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۲/۲۱۴، باب فی جلود النمور والسباع، کتاب اللباس، حدیث نمبر:۴۱۳۱۔نسائی شریف: ۲/۱۷۰، باب النهی عن الانتفاع بجلود السباع، کتاب الفرع والعتیرة، حدیث نمبر:۴۲۶۶۔

ترجمہ: حضرت مقدام ابن معدیکرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے درندوں کی کھالیں پہننے اور ان پر سوار ہونے سے منع فرمایا۔

تشـــریح: حدیث کا حاصل یہ ہے کہ درندوں کی کھالوں کا استعمال درست نہیں ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا، کچھ حضرات اس نہی کو تنزیہی قرار دیتے ہیں اور کچھ حضرات اس کو نہی تحریمی کہتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے درندوں کی کھالیں پہننے اور اس کو بچھانے سے اس لئے منع فرمایا ہے کہ یہ متکبرین کا طریقہ تھا، لیکن فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر یہ کھالیں دباغت کے ذریعہ پاک کرلی جائیں، اور پھر کسی ضرورت کی بناء پر استعمال کی جائیں، تو اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں، اور یہ حضرات نہی کو تنزیہی فرماتے ہیں، اس صورت میں ان کا استعمال خلاف اولیٰ ہوگا، لیکن جن فقہاء کے نزدیک دباغت کے بعد بھی کھال پاک نہیں ہوتی تو وہ اس نہی کو تحریمی کہتے ہیں، اور درندوں کی کھالوں کا پہننا حرام قرار دیتے ہیں۔

ایضاً

﴿۴٦٥﴾ وَعَنْ اَبِیْ الْمَلِیْحِ ابْنِ اُسَامَةَ عَنْ اَبِیْهِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَهٰی عَنْ جُلُوْدِ السِّبَاعِ۔ (رواه احمد وابوداؤد والنسائی) وَزَادَ التِّرْمِذِیُّ وَالدَّارِمِیُّ اَنْ تُفْتَرَشَ۔

حواله: مسند احمد: ٥/٧٥،٧٤، ابوداؤد شریف: ٢/٢١۴، باب فی جلود النمور والسباع، کتاب اللباس، حدیث نمبر: ۴١٣٢۔ ترمذی شریف: ٢/٣٠٧، باب ماجاء فی النهی عن جلود السباع، کتاب اللباس، حدیث نمبر: ١٧٧٠۔ نسائی شریف: ١/١٧٠، باب النهی عن الانتفاع بجلود السباع، کتاب الفرع والعتیرة، حدیث نمبر: ۴٢٦۴۔ دارمی: ٢/١١٧، باب

النھی عن لبس جلود السباع، کتاب الاضاحی، حدیث نمبر:۱۹۸۳۔

ترجمہ: حضرت ابوملیح ابن اسامہ اپنے والد سے اور وہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے درندوں کی کھال پہننے سے منع فرمایا۔ (احمد، ابوداؤد، ونسائی) اور ترمذی ودارمی نے یہ الفاظ مزید نقل کئے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے بھی منع فرمایا: کہ اس کو بستر کے طور پر استعمال کیا جائے۔

تشریح: اس حدیث کا بھی حاصل یہ ہے کہ درندوں کی کھال بچھانا ممنوع ہے۔

درندوں کی کھال پہننا منع ہے، ہمارے نزدیک یہ ممانعت نہی تنزیہی پر محمول ہے، یعنی خلاف اولیٰ ہے، دباغت کے بعد کھال کو استعمال کرنا جائز ہے۔

ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ پہلے مالدار لوگ درندوں کی کھالوں کی زین بنوا کر گھوڑے پر بچھاتے اور خود اس پر بیٹھ کر تکبر کرتے تھے، تو کھال پر بیٹھنا بر بناء تکبر منع ہے، ضرورت کی بناء پر بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

درندوں کی کھال کی خرید وفروخت

﴿۴۶۶﴾ وَعَنْ اَبِی الْمَلِیْحِ اَنَّہٗ کَرِہَ ثَمَنَ جُلُوْدِ السِّبَاعِ۔ (رواہ الترمذی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۲۲۳، باب ماجاء فی النھی عن جلود السباع، کتاب اللباس، حدیث نمبر:۱۷۷۰۔

ترجمہ: حضرت ابوملیح سے روایت ہے کہ وہ درندوں کی کھال کی قیمت کو مکروہ

قرار دیتے تھے۔

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ درندوں کی کھال کو خریدنا اور اس کو فروخت کرنا سب مکروہ ہے۔

لیکن یہ ان کھالوں کا حکم ہے جن کی دباغت نہ کی گئی ہو، دباغت کے بعد کھال کا استعمال کرنا اس کو خریدنا بیچنا سب جائز ہے۔

دباغت سے پہلے مردار کی کھال اور پٹھے کا استعمال

﴿۴۶۷﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عُکَیْمٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ اَتَانَا کِتَابُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ لَا تَنْتَفِعُوْا مِنَ الْمَیْتَۃِ بِاِھَابٍ وَلَا عَصَبٍ۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی وابن ماجۃ)

حوالہ: ترمذی شریف: ۲/۳۰۳، باب ماجاء فی جلود المیتة اذا دبغت، کتاب اللباس، حدیث نمبر: ۱۷۲۹۔ ابوداؤد شریف: ۲/۲۱۳، باب من روی ان لا ینتفع باھاب المیتة، کتاب اللباس، حدیث نمبر: ۴۱۲۷۔ نسائی شریف: ۲/۱۷۰، باب مایدبغ بہ جلود المیتة، کتاب الفرع والعتیرة، حدیث نمبر: ۴۲۶۰۔ ابن ماجہ: ۲۶۲، باب من قال لاتنتفع من المیتة باھاب ولا عصب، کتاب اللباس، حدیث نمبر: ۳۶۱۳۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عکیم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمارے پاس حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ہدایت نامہ آیا تھا، کہ تم لوگ مرداروں کی کھالوں اور ان کے پٹھوں سے نفع حاصل نہ کیا کرو۔

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مردار کی کھال اور پٹھے دباغت سے پہلے استعمال میں نہ لانا چاہئے، لیکن دباغت کے بعد اس کا استعمال کرنا اور اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔

اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے امام اسحاق وغیرہ یہ حکم لگاتے ہیں کہ میتہ کی کھال اور ہڈی سے انتفاع جائز نہیں، جمہور اس حدیث کا جواب دیتے ہیں کہ یہاں اھاب سے منع کیا گیا ہے اور اھاب جانور کی اس کھال کو کہا جاتا ہے جس کی ابھی تک دباغت نہ ہوئی ہو دباغت دینے کے بعد کھال کے لئے جلد کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے، لہٰذا امام اسحاق کا اس حدیث سے اس بات پر استدلال کرنا کہ مردار کی کھال دباغت کے بعد بھی پاک نہیں ہوتی قطعاً درست نہیں۔

مردار کی کھال دباغت کے بعد

﴿۴۶۸﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ اَنْ يُسْتَمْتَعَ بِجُلُوْدِ الْمَيْتَةِ اِذَا دُبِغَتْ۔ (رواه مالك وابو داؤد)

حواله: مؤطا امام مالک: ۱۸۴، باب ماجاء في جلود الميتة، كتاب الصيد، حدیث نمبر: ۱۸۔ ابو داؤد شريف: ۲/۲۱۳، باب في اهبة الميتة، كتاب اللباس، حدیث نمبر: ۴۱۲۴۔

ترجمه: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مردار کی کھال سے اسی وقت فائدہ اٹھانا جائز ہے، جب اس کی دباغت کی گئی ہو۔

تشــریــح: اس حدیث سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ مردار کی کھال دباغت دینے کے بعد پاک ہو جاتی ہے۔

کھال کو نمک کے ذریعہ یا دھوپ میں خشک کرنے کے ذریعہ یا اس کے علاوہ کسی اور ذریعہ سے دباغت دیدی گئی اور اس کی رطوبت زائل ہوگئی، تو کھال پاک ہوگئی، یہی احناف کا مذہب ہے، یہ حدیث احناف کے مذہب کی واضح دلیل ہے۔

دباغت کا طریقہ

﴿۴۶۹﴾ وَعَنْ مَيْمُوْنَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهَا قَالَتْ مَرَّ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رِجَالٌ مِنْ قُرَيْشٍ يَجُرُّوْنَ شَاةً لَهُمْ مِثْلَ الْحِمَارِ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ اَخَذْتُمْ اِهَابَهَا قَالُوْا اِنَّهَا مَيْتَةٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُطَهِّرُهَا الْمَاءُ وَالْقَرَظُ۔ (رواه احمد وابوداؤد)

حوالہ: مسند احمد: ۶/۳۳۴، ابوداؤد شریف: ۲/۲۱۳، باب فی اهبة الميتة، کتاب اللباس، حدیث نمبر: ۴۱۲۶۔

حــل لغات: يَجُرُّوْنَ فعل مضارع جمع مذکر غائب، جَرَّ (ن) جَرًّا، الشیء کھینچنا، الکلمة، لفظ کو کسرہ دینا یعنی زیر لگانا۔

تــرجــمــہ: ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ قریش میں کے چند صحابہ رضی اللہ عنہم اپنی مری ہوئی بکری کو گدھے کی طرح کھینچتے ہوئے، حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے سے گذرے، تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا: اگر تم اس کی کھال لے لیتے تو کیا ہی اچھا ہوتا، انہوں نے عرض کیا یہ تو مردار ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو پانی اور کیکر کے پتے سے پاک کرلیا جاتا ہے۔

تشریح: اس حدیث کا حاصل بھی یہی ہے کہ مردار جانور کی کھال دباغت دینے سے پاک ہوجاتی ہے، اور دباغت دے کر کھال کا استعمال کرنا کھال کو ضائع کرنے سے بہتر ہے۔

مثل الحمار : یہ تشبیہ اس بات میں ہے کہ بکری مرنے کے بعد پھول کر جسامت میں گدھے کی طرح ہوگئی تھی، یا پھر اس بات میں تشبیہ ہے کہ لوگ گدھے کے کھینچنے کی طرح بکری کو کھینچ رہے تھے۔

لو اخذتم: یہاں اس جملہ سے مطلب یہ ہے کہ اگر تم چمڑے کو دباغت دیتے تو وہ دباغت شدہ ہوکر پاک ہوجاتا، یہ ایسے ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **"یلیتنی کنت معهم فافوز فوزا عظیما"** یا پھر یہ مطلب ہے کہ اگر تم اس کھال کو لے کر دباغت دیتے تو بہتر ہوتا۔

فائدہ: (۱)......حدیث پاک سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مومن کا مال جہاں تک ممکن ہو ضائع نہیں کرنا چاہئے، بلکہ ضائع ہونے سے بچانا چاہئے، اور اس کی تدبیر کرنی چاہئے۔

(۲)......آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کمال شفقت کا بھی علم ہوا۔

(۳)......کسی مومن کا نقصان ہوتے ہوئے دیکھیں اور نقصان سے حفاظت کی کوئی شکل ممکن ہو تو اس کو بتانا اور اس کا مشورہ دینا چاہئے۔ فقط

انها میتة: یعنی یہ مردار بکری ہے، مذبوح نہیں ہے۔

یطهرها الماء: جو دباغت پانی اور کیکر کے پتوں کے ذریعہ دی جاتی ہے وہ

چمڑے کو بہت عمدہ پاک کر دیتی ہے، نہی سے معلوم ہوا کہ دباغت پانی اور کیکر کے پتوں میں منحصر نہیں ہے، بلکہ مسالہ لگانے دھوپ میں خشک کرنے اور اس کے علاوہ دوسرے ذریعوں سے بھی دباغت ہو جاتی ہے، البتہ جو دباغت حدیث میں مذکور ہے وہ مستحب ہے۔

دباغت دی ہوئی کھال کی مشک بنانا

﴿٤٧٠﴾ وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْمُحَبِّقِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَ فِيْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ عَلٰى أَهْلِ بَيْتٍ فَإِذَا قِرْبَةٌ مُعَلَّقَةٌ فَسَأَلَ الْمَاءَ فَقَالُوْا لَهُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّهَا مَيْتَةٌ فَقَالَ دِبَاغُهَا طَهُوْرُهَا۔

(رواه احمد وابوداؤد)

حواله: مسند احمد: ٣/٣٧٦، ابو داؤد شريف: ٢/٢١٣، باب فی اهبة الميتة، كتاب اللباس، حديث نمبر: ٤١٢٥۔

ترجمه: حضرت سلمٰی بن محبق رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک کے دوران ایک شخص کے گھر تشریف لائے، تو وہاں ایک مشک لٹکی ہوئی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی مانگا تو لوگوں نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ تو مردار ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کی دباغت اس کو پاک کرنے والی ہے۔

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مردار کی کھال کو دباغت دینے کے بعد اگر مشک بنا کر اس میں پانی رکھا جا رہا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، پانی کی طہوریت میں کسی

قسم کی کمی نہ آئے گی، اس وجہ سے کہ جب کھال کو دباغت دے دی گئی، تو وہ پاک ہوگئی لہٰذا اس کا استعمال مباح ہے۔

فاذا قربة معلقة: یہ مشک جو گھر میں لٹکی ہوئی تھی وہ دباغت شدہ چمڑہ کی تھی اور اس میں پانی رکھا ہوا تھا۔

فسأل: یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مشک سے پانی طلب کیا۔

ميتة: صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یہ مشک مردار کی کھال کی ہے۔

دباغها: دباغت پاک کرنے والی ہے، معلوم ہوا کھال کو دباغت سے پہلے استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

﴿الفصل الثالث﴾

پیروں پر لگ جانے والی نجاست کا بیان

﴿۴۷۱﴾ **وَعَنْ** اِمْرَأَةٍ مِنْ بَنِيْ عَبْدِ الْاَشْهَلِ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ لَنَا طَرِيْقًا اِلَى الْمَسْجِدِ مُنْتِنَةً فَكَيْفَ نَفْعَلُ اِذَا مُطِرْنَا قَالَتْ فَقَالَ اَلَيْسَ بَعْدَهَا طَرِيْقٌ هِيَ اَطْيَبُ مِنْهَا قُلْتُ بَلٰى قَالَ فَهٰذِهٖ بِهٰذِهٖ۔ (رواه ابوداؤد)

حواله: ابوداؤد شریف: ۱/۵۵، باب فی الاذی یصیب الذیل، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۳۸۴۔

ترجمه: حضرت قبیلۂ بنو عبد الاشہل کی ایک خاتون سے روایت ہے کہ انہوں

نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم جس راستے سے گذر کر مسجد کو آتے جاتے ہیں، وہ تو بہت گندہ ہے، پانی برسنے کی صورت میں ہم کیا کریں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس کے بعد پاک وصاف راستہ نہیں پڑتا؟ میں نے کہا ہاں پڑتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہی اس کا بدل ہے۔

تشریح: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ گندے راستے پر چلنے کی وجہ سے جو نجاست اور گندگی لگ جاتی ہے وہ اس وقت زائل ہو جاتی ہے جب اس گندے راستے کے بعد پاک وصاف راستہ آ جاتا ہے، اور اس پاک وصاف راستے پر چلنے سے وہ چیز جس پر نجاست لگی ہے زمین سے رگڑتی ہے تو پاک ہو جاتی ہے، لیکن یہ بات ذہن میں رہے کہ اگر نجاست ذی جرم مثلاً پاخانہ وغیرہ ہو تو رگڑنے سے پاک ہوگی ورنہ نہ ہوگی، اسی طرح یہ نجاست بدن یا جوتے وغیرہ پر لگی ہو تو پاک ہوگی اگر کپڑے پر لگی ہو تو کپڑا جب ہی پاک ہوگا جب اس کو قاعدہ شرعیہ کے مطابق دھویا جائے محض رگڑنے سے کپڑا پاک نہ ہوگا۔

امرأة من بني عبد الاشهل: یہ امرأۃ مجہولہ ہیں؛ لیکن چونکہ صحابیہ ہیں لہٰذا کوئی حرج نہیں۔

ان لنا طريقا: اس عورت نے عرض کیا کہ گھر سے مسجد تک ہمارا راستہ بہت گندہ ہے، خصوصاً بارش ہوتی ہے تو اور تکلیف ہوتی ہے، راستے کی گندگی دامن وغیرہ پر لگ جاتی ہے۔

فقال: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ پیروں پر یا جوتوں پر جو گندگی لگی ہے یعنی وہ پاک زمین پر رگڑنے کی وجہ سے زائل ہو جائیں گی۔

فائدہ: پیروں پر یا جوتوں پر حقیقۃً نجاست نہیں ہوتی تھی محض وسوسہ اور خیال ہوتا تھا، اس وسوسہ کو دفع کرنے کے لئے یہ ارشاد فرمایا ہے۔

پیروں پرنجاست لگنے سے وضوءواجب نہیں ہوتا

﴿۴۷۲﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ کُنَّا نُصَلِّی مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَلَا نَتَوَضَّأُ مِنَ الْمَوْطِیءِ۔

(رواہ الترمذی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۳۶، باب ماجاء فی الوضوء من الموطاء، کتاب الطهارة، حدیث نمبر:۱۴۲۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے اور زمین پر چلنے کی وجہ سے وضونہیں کرتے تھے۔

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ راستہ گذرتے وقت اگر پیر کونجاست لگ جائے تو اس سے وضوواجب نہیں ہوگا۔ اور نہ اس کی وجہ سے وضوٹوٹتا ہے۔

الموطی: "موطی" مصدر میمی ہے، جس کے معنی روندنے کے ہیں، مراد وہ نجاست ہے جو پاؤں سے روندی گئی ہو، اور مطلب یہ ہے کہ اگر چلتے ہوئے پیروں کوکوئی نجاست لگ جاتی تھی تو اس کی وجہ سے ہم لوگ وضونہیں کرتے تھے؛ چنانچہ تمام فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ پیروں پر نجاست لگنے کی وجہ سے وضوواجب نہیں ہوگا؛ البتہ اگر نجاست رطب ہوتو پاؤں کا دھونا ضروری ہے، اس جملہ کا یا پھر یہ مطلب ہے کہ راستہ چلنے میں پیروں پر جوگردوغبار لگ جاتا تھا اس کونہیں دھوتے تھے۔

مسجد میں کتے کا داخل ہونا

﴿۴۷۳﴾ وَعَنْ اِبْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ کَانَتِ الْکِلَابُ تُقْبِلُ وَتُدْبِرُ فِی الْمَسْجِدِ فِیْ زَمَانِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَلَمْ یَکُوْنُوْا یَرُشُّوْنَ شَیْئًا مِنْ ذٰلِکَ۔ (رواہ البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۲۹/ ۱، باب اذا شرب الکلب فی الاناء، کتاب الوضوء، حدیث نمبر: ۱۷۴۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کتے مسجد میں آتے جاتے تھے، تو اس کی وجہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم کسی چیز کو دھوتے نہیں تھے۔

تشریح: عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں کتے مسجد میں بے تکلف چلے آتے تھے، روک تھام کا کوئی معقول انتظام نہ تھا، نہ کوئی پہرے دار تھا، نہ مسجد کا دروازہ تھا؛ حتی کہ مسجد کی سطح زمین کی سطح سے بلند بھی نہ تھی، اور کتوں کی آمد ورفت کے بعد صحابہ مسجد کو دھوتے نہ تھے؛ کیونکہ کتوں کی آمد سے مسجد کے نجس ہونے کی کوئی دلیل نہ تھی۔

حدیث پاک کی وجہ سے کچھ لوگ کتے کے جھوٹے کو پاک قرار دیتے ہیں، اور وہ کہتے ہیں کہ کتا عام طور پر زبان نکال کر چلتا ہے، اس لئے کتا جہاں سے گذریگا وہاں لعاب دہن گرنے کا قوی امکان ہے، اس کے باوجود صحابہ مسجد کو دھوتے نہیں تھے، معلوم ہوا کہ کتے کا لعاب پاک ہے، ان حضرات کا یہ قول ودلیل دونوں نہایت کمزور ہیں، کیوں کہ دلیل کی بنیاد محض خیال ہے نہ کہ مشاہدہ، احکام شرعیہ میں اس قسم کے توہمات کا اعتبار نہیں، پھر لعاب زمین

پر گرنے کے بعد سوکھ جاتا ہے، اور زمین خشک ہونے سے پاک ہو جاتی ہے، حدیث ہے: "طھارۃ الارض یبسھا" پس اس حدیث پاک سے کتے کے لعاب کے پاک ہونے پر استدلال کرنا کسی طرح درست نہیں۔

ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب

﴿۴۷۴﴾ وَعَنِ الْبَرَاءِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَابَأْسَ بِبَوْلِ مَايُؤْكَلُ لَحْمُهُ وَفِي رِوَايَةِ جَابِرٍ قَالَ مَا أُكِلَ لَحْمُهُ فَلَا بَأْسَ بِبَوْلِهِ۔ (رواہ احمد والدارقطنی)

حوالہ: دارقطنی:۱۲۸/۱، باب نجاسة البول والامر بالتنزہ منہ، کتاب الطھارة، حدیث نمبر:۴۔

ترجمہ: حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس جانور کا گوشت کھایا جاتا ہے، اس کے پیشاب میں کوئی حرج نہیں، اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے جس میں انہوں نے یوں کہا کہ جس کا گوشت کھایا جاتا ہے اس کے پیشاب میں کوئی مضائقہ نہیں۔

تشریح: اس حدیث سے بظاہر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کا پیشاب پاک ہے، اگر کپڑے وغیرہ پر لگ جائے تو کپڑا نجس نہیں ہوتا ہے۔

ماکول اللحم جانوروں کے پیشاب میں اختلاف ائمہ

"بول مایو کل لحمه" کے حکم میں اختلاف ہے، کچھ لوگ پاک کہتے ہیں اور کچھ لوگ نجس کہتے ہیں۔

امام مالکؒ کا مذہب: امام مالکؒ امام احمدؒ امام محمدؒ کے نزدیک پاک ہے۔

دلیل: ان حضرات کی دلیل حدیث باب ہے، جس سے صاف طور سے معلوم ہوتا ہے کہ "بول مایو کل لحمه" پاک ہے، اس کے علاوہ یہ حضرات واقعہ عرنیین سے بھی استدلال کرتے ہیں، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں فرمایا تھا: "اشربوا من البانها و ابوالها" یعنی اونٹوں کا دودھ اور ان کا پیشاب پیو۔

امام ابو حنیفہؒ وغیرہ کا مذہب: امام صاحبؒ، امام شافعیؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب ناپاک ہے۔ پھر امام ابو حنیفہؒ امام ابو یوسفؒ دونوں میں یہ فرق ہے کہ بول ماکول اللحم دونوں کے نزدیک نجس ہے، لیکن امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تداوی کے طور پر پینا مطلقاً حلال ہے، خواہ حالت اضطرار ہو یا نہ ہو، امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تداوی کے لئے صرف حالت اضطرار میں جائز ہے، اضطرار کی تفسیر یہ ہے کہ کوئی ایسا مرض ہو جس کے باوجود دیندار حاذق طبیب کی رائے یہ ہو کہ اس مرض کا علاج اس جانور کے پیشاب پینے میں منحصر ہے، اس کے علاوہ اس کی اور کوئی دوا نہیں، یہ بھی واضح رہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب نجاست غلیظہ نہیں بلکہ نجاست خفیفہ ہے۔ (اشرف التوضیح)

دلیل: ان حضرات کی دلیل مشہور حدیث ہے: "استنزهوا من البول فان عامة

عذاب القبر منه" اس حدیث میں ہر قسم کے پیشابوں سے بچنے کا حکم ہے، دوسری دلیل ترمذی شریف میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے: "**نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن اکل الجلالة والبانها**" اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب ناپاک ہے۔ (جلالۃ اس جانور کو کہا جاتا ہے جو غلاظت مثلاً مینگنی وغیرہ کھاتا ہے) ایسے ہی طبرانی کی حدیث میں یہ الفاظ ہیں: "**اتقوا البول فانه اول ما یحاسب به العبد فی القبر**" یہاں بھی بول مطلق ہے۔

امام مالک وغیرہ کی دلیل کا جواب: ان حضرات کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ باب میں موجود حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وحضرت براء رضی اللہ تعالیٰ کی احادیث باطل ہیں، کیونکہ اس میں ایک راوی ہے جو موضوع روایتیں بیان کرتا ہے، اس کا نام سوار بن مصعب ہے، اس کی روایت باالاتفاق متروک ہے، اورانہوں نے جو عرینہ کی حدیث بیان کی ہے، اس کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں۔

(۱)...... یہ حدیث منسوخ ہے اور دلیل نسخ یہ ہے کہ اس میں بہت سے احکام ہیں جو خود مالکیہ وحنابلہ کے نزدیک بھی منسوخ ہیں، جیسے کہ اس میں مثلہ کا ذکر ہے، جو سب کے نزدیک منسوخ ہے، لہٰذا پیشاب پینے کے حکم کو بھی ہم منسوخ کہیں گے۔

(۲)...... آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی معلوم ہوگیا تھا کہ ان بیماروں کی شفاء اونٹوں کے پیشاب میں ہے، اس وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقعہ پر اونٹوں کے پیشاب کو استعمال کرنے کا حکم دیا تھا، گویا کہ تداوی بالمحرم کے قبیل سے تھا، یہ ایک خصوصی حکم تھا، اس سے حکم کلی کا استنباط کرنا درست نہیں۔

(۳)...... اباحت اورتحریم کے درمیان اگر تعارض ہوتو تحریم والی احادیث کوترجیح دی جاتی ہے،لہذا"استنزهوا من البول" والی حدیث راجح ہوگی اورواقعۂ عرنیین والی حدیث مرجوح ہوگی۔

(۴)...... آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی معلوم ہوگیا تھا کہ یہ لوگ حقیقۃً مسلمان نہیں ہیں جیسا کہ بعد میں اسکا مشاہدہ ہوگیااور یہ احکام حلال وحرام مسلمانوں کے لئے ہیں۔فقط

باب المسح على الخفين

رقم الحدیث:...... ۴۷۵/ تا ۴۸۳/

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب المسح علی الخفین

(موزوں پر مسح کا بیان)

اس باب میں نو احادیث ہیں، ان احادیث سے موزوں پر مسح کا جواز نیز مسح کرنے کے مقام و مدت وغیرہ کا علم ہوتا ہے۔

''مسح'' کے معنی ہیں بھیگا ہوا ہاتھ سر یا پیر کے موزوں پر پھیرنا، خفین خف کا تثنیہ ہے، جمع خفاف و اخفاف آتی ہے، معنی چمڑی موزہ۔

مسح علی الخفین! اس امت کے خصائص میں سے ہے، جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے: ''**صلوا فی خفاکم فان الیھود لایصلون فی خفافھم**'' اپنے موزوں میں نماز پڑھو اس لئے کہ یہود اپنے موزوں میں نماز نہیں پڑھتے۔]

روضۃ المحتاجین میں لکھا ہے کہ مسح علی الخفین کی مشروعیت ۹ ھ غزوۂ تبوک میں ہوئی، امام نوویؒ فرماتے ہیں اجماع میں جن لوگوں کا قول معتبر ہو سکتا ہے ان سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مسح علی الخفین مطلقاً جائز ہے، خواہ سفر ہو یا حضر، کسی ضرورت کی وجہ سے ہو یا

بلاضرورت اس میں مرد وعورت سب برابر ہیں، البتہ شیعہ اور خوارج نے اس کا انکار کیا ہے، لیکن ان کا اختلاف قابل شمار نہیں اور امام مالک کا بھی مشہور مذہب وہی ہے جو جمہور کا ہے، نیز وہ فرماتے ہیں کہ مسح علی الخفین بے شمار صحابہ سے منقول ہے، حسن بصریؒ فرماتے ہیں: ”حدثنی سبعون من اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان یمسح علی الخفین الخ“ [مجھ سے ستر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے بیان کیا کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم موزوں پر مسح فرمایا کرتے تھے۔] (الدر المنضود: ۱/۲۸۹)

امام اعظم ابوحنیفہ اور امام مالکؒ سے اہل سنت والجماعت کی علامات کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا ”ان تفضل الشیخین وتحب الختنین وتمسح علی الخفین“ [شیخین صدیق اکبر اور عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر فضیلت دینا، ختنین حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دونوں داماد حضرت عثمان غنی، حضرت علی رضی اللہ عنہما سے محبت کرنا، اور خفین پر مسح کو جائز سمجھنا]

اسی طرح امام اعظم ابوحنیفہؒ سے منقول ہے: ”ماقلت بالمسح حتی جاء نی فیه مثل ضوء النهار فی نصف النهار“ [میں اس وقت تک مسح علی الخفین کے جواز کا قائل نہیں ہوا جب تک کہ اس سلسلہ میں دلائل مجھ پر روز روشن کی طرح واضح نہ ہو گئے۔]

مشروعیت مسح کی وجہ

حضرت شاہ صاحبؒ نے مشروعیت مسح کی وجہ یہ لکھی ہے کہ وضو کا دارومدار ان اعضاء کے دھونے پر ہے، جو عام طور پر کھلے رہتے ہیں، اور جن کی طرف میل کچیل سبقت کرتا ہے اور جب موزے پہن لئے جاتے ہیں تو پھر پیر ان میں چھپ جاتے ہیں اور وہ اعضائے باطنہ میں

داخل ہو جاتے ہیں، اور عربوں میں خفین پہننا ایک عام عادت تھی، ہر نماز کے وقت وضو کرنے کے لئے ان کو نکالنے میں پریشانی تھی، لہٰذا خفین پہننے کی صورت میں نکالنا ساقط ہو گیا۔

خفین پر مسح کرنا کب جائز ہے؟

جب موزوں کو طہارت پر پہنا گیا ہو اس کے بعد حدث لاحق ہونے کی صورت میں موزوں پر مسح کیا جائے گا، اور اسی وقت سے مسح کی مدت شمار ہو گی۔

مسح صحیح ہونے کی شرطیں

موزوں پر مسح صحیح ہونے کی دس شرطیں ہیں۔

(۱)...... ٹخنے سمیت وہ پورے قدم کو چھپالیں۔

(۲)...... وہ قدم کی ہیئت سے بنے ہوئے اور پیر سے ملے ہوئے ہوں۔

(۳)...... وہ اتنے مضبوط ہوں جنہیں پہن کر جوتے کے بغیر تین میل پیدل چلا جا سکتا ہو۔

(۴)...... وہ پیروں پر بغیر باندھے رک سکیں۔

(۵)...... اتنے دبیز ہوں کہ پانی کو پیروں تک نہ پہنچنے دیں۔

(۶)...... ان میں سے کسی موزہ میں اتنی پھٹن نہ ہو جو مسح سے مانع ہو۔

(۷)...... انہیں طہارت کاملہ پر پہنا گیا ہو۔

(۸)...... وہ طہارت تیمم سے حاصل نہ کی گئی ہو۔

(۹)...... مسح کرنے والا جنبی نہ ہو۔

(۱۰)...... اگر پیر کٹا ہوا شخص مسح کرنا چاہے تو یہ شرط ہے کہ کم از کم تین چھوٹی انگلیوں کے بقدر اس کے قدم کا اوپری حصہ باقی ہو۔

مسح کرنے کا طریقہ

خفین پر مسح کرنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ دونوں تر ہاتھوں کی انگلیاں کھول کر موزوں کے اگلے حصہ سے اوپر پنڈلیوں کی طرف خط کھینچ دیا جائے اور اگر انگلیوں کے ساتھ ہتھیلی بھی شامل کرے تو بہتر ہے۔ (کتاب المسائل: ۵۷)

مسح کی مدت

مقیم کے لئے ایک دن رات، اور مسافر کے لئے تین دن تین رات خفین پر مسح کی اجازت ہے، اور اس مدت کی ابتداء پہننے کے وقت سے نہ ہوگی بلکہ پہلی مرتبہ حدث لاحق ہونے کے وقت سے ہوگی۔

﴿الفصل الاول﴾

موزوں پر مدت مسح

﴿۴۷۵﴾ وَعَنْ شُرَيْحِ بْنِ هَانِئٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ سَأَلْتُ عَلِيَّ بْنَ اَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنِ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ فَقَالَ جَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ وَلَيَالِيَهُنَّ لِلْمُسَافِرِ وَيَوْمًا وَلَيْلَةً لِلْمُقِيْمِ (رواه مسلم)

حواله: مسلم شريف: ۱۳۵/۱، باب التوقيت في المسح على الخفين، كتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۲۸۶۔

ترجمہ: حضرت شریح بن ہانی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت علی ابن طالب رضی اللہ عنہ سے موزوں پر مسح کرنے کی مدت کے بارے میں دریافت کیا، تو انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسافر کے لئے تین دن اور تین راتوں کی اور مقیم کے لئے ایک دن اور ایک رات کی مدت مقرر فرمائی ہے۔

تشریح: اس حدیث میں مقیم و مسافر کے لئے موزوں پر مسح کے جواز کی مدت بیان کی گئی ہے، جو شخص سفر میں ہو وہ تین دن اور تین رات تک اور جو شخص سفر میں نہ ہو وہ ایک دن اور ایک رات تک وضو میں اپنے موزوں پر مسح کر سکتا ہے، جمہور علماء کے نزدیک اس مدت کی ابتدا اس وقت سے شمار ہوگی جب کہ وضو ٹوٹ جائے، مثال کے طور پر کسی شخص نے فجر کی نماز سے پہلے وضو کر کے موزہ پہنا اور پھر شام کے وقت وضو ٹوٹ گیا، تو اب اسی شام کے وقت سے مقیم ایک دن تک اور مسافر تین دن تین رات تک موزوں پر مسح کر سکتا ہے۔

مدت مسح میں اختلاف

مسح علی الخفین کے جواز پر اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے؛ لیکن موزہ پر مسح کی مدت مقرر ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔

امام مالکؒ کا مذہب: امام مالکؒ سے مسح علی الخفین کے بارے میں مختلف اقوال ہیں، امام مالکؒ کا سب سے مشہور قول یہ ہے کہ "مسح ہمیشہ جائز ہے، اس کی کوئی مدت مقرر نہیں ہے، نیز اس میں مسافر یا مقیم کی کوئی قید نہیں ہے" یہی حضرت لیث بن سعدؒ کا بھی قول ہے۔ (التعلیق الصبیح: ۲۴۴/۱)

دلائل: (۱)......ابوداؤد شریف میں خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، جس میں یہ الفاظ ہیں: "لو استزدناہ لزادنا" [اگر ہم اور زیادتی طلب کرتے تو آنحضرت

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اورزیادہ فرمادیتے۔]

(۲)......ابن عمارۃ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے:"قال یارسول الله! امسح علی الخفین قال نعم قلت یوما قال نعم قلت ویومین قال یومین حتی بلغ سبعاً" وفی روایة ماشئت" (رواہ ابوداؤد)[عرض کیایارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں موزوں پر مسح کروں؟ ارشادفرمایا:ہاں، میں نے کہا: ایک دن؟ ارشاد فرمایا:ہاں، میں نے کہا: اوردودن؟ ارشادفرمایا: دودن، یہاں تک کہ سات دن تک پہونچ گئے، اورایک روایت میں ہے کہ ارشادفرمایا: جتنا چاہو۔]

یہاں مسح علی الخفین کی کوئی حد مقرر نہیں ہے، للہٰذا معلوم ہوا کہ مسح علی الخفین جب تک چاہے کیا جائے کوئی حرج نہیں ہے۔

(۳)......عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس موزہ پہن کرآیاتو مجھ سے کہا کہ کب موزہ پہنا؟ میں نے کہا گذشتہ جمعہ کو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"اصبت السنة" [تم نے سنت کی موافقت کی۔]

جمہور کا مذہب: امام مالکؒ کے علاوہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مسح علی الخفین کی مدت مقیم کے لئے ایک دن اورایک رات اورمسافرکے لئے تین دن وتین راتیں ہیں۔

دلائل: (۱)......ائمہ ثلاثہ کی ایک دلیل تو حدیث باب ہے، جوکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جس میں صاف طورسے مدت مقرر ہے، اورمسافرومقیم کے حق میں واضح فرق موجود ہے۔

(۲)......حضرت صفوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے:"کان النبی صلی الله علیه وسلم یأمرنا اذا کنا سفرا ان لاننزع خفافنا ثلاثة ایام ولیالهن" [حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیں حکم فرمایا کرتے تھے، جب ہم مسافر

ہوتے تھے کہ ہم تین دن تین رات موزے نہ اتاریں۔]

(۳)......ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے: "رخص للمسافر ثلاثة ايام وليالهن وللمقيم يوما وليلة" [مسافر کے لئے تین دن تین رات اور مقیم کے لئے ایک دن اور ایک رات رخصت مرحمت فرمائی۔]

اسی طرح توقیت کی بے شمار احادیث منقول ہیں، توقیت مسح کا مفہوم حد شہرت تک پہنچا ہوا ہے؛ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت بریرہ رضی اللہ عنہ، ابن عمر رضی اللہ عنہما، عوف بن مالک رضی اللہ عنہ وغیرہم سے بھی اس مضمون کی روایات مروی ہیں۔ اس کے علاوہ شیخ ابو بکر رازیؒ کہتے ہیں کہ "مسح علی الخفین توقیت کے ساتھ ہی مشروع ہے، اگر توقیت مسح باقی نہ رہے گی تو مسح کی مشروعیت بھی باطل ہوجائے گی، لہٰذا عدم توقیت مشروعیت مسح کے خلاف ہے۔ (فتح الملہم: ۱/۴۳۸)

امام مالکؒ کے دلائل کا جواب: امام مالکؒ کی جانب سے عدم توقیت پر ہم نے تین دلیل ذکر کی ہیں، اب ترتیب وار ان تینوں دلیلوں کا جواب نقل کرتے ہیں۔

پہلی دلیل کا جواب: (۱)......"لو استزدناه لزادنا" کی زیادتی کے ثبوت میں تردد ہے۔

(۲)...... یہ ابتداء کا واقعہ ہے، جب مدت مسح متعین نہیں تھی، بعد میں مدت مسح مقرر ہوگئی۔

(۳)...... یہ صرف ابن خزیمہ رضی اللہ عنہ کا گمان ہے، جو شرعاً حجت نہیں۔

(۴)......"لو" کلام عرب میں انتفاء ثانی بسبب انتفاء اول کے لئے آتا ہے، لہٰذا اس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ اگر ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مدت مسح میں اضافہ کو طلب کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اضافہ فرماتے۔

دوسری دلیل کا جواب: اس حدیث کو اکثر محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے،

چنانچہ ابوداؤد نے خود فرمایا: ''لیس بالقوی'' اور اگر صحیح بھی مان لیں تو اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جتنے چاہو مسح کرو، مسح کسی زمانے کے ساتھ خاص نہیں ہے؛ لیکن مسح ضابطۂ شرعی کے مطابق ہوگا، وہ یہ ہے کہ سفر میں ہر تین دن تین رات گذرنے کے بعد موزہ اتار کر پیر دھونا ہوگا، اور اقامت کی حالت میں ایک دن کے بعد ایسا کرنا ہوگا۔

تیسری دلیل کا جواب: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے قول ''اصبت السنة'' سے عدم توقیت کی تصویب نہیں کی ہے؛ بلکہ انہوں نے نفس مسح علی الخفین کی تصویب کی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو خود توقیت کے قائل تھے۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا موزوں پر مسح فرمانا

﴿۴۷۶﴾ وَعَنْ الْمُغِيْرَةَ بْنِ شُعْبَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّهُ غَزَامَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَزْوَةَ تَبُوْكٍ قَالَ الْمُغِيْرَةُ فَتَبَرَّزَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِبَلَ الْغَائِطِ فَحَمَلْتُ مَعَهُ اِدَاوَةً قَبْلَ الْفَجْرِ فَلَمَّا رَجَعَ اَخَذْتُ اُهَرِيْقُ عَلٰى يَدَيْهِ مِنَ الْاِدَاوَةِ فَغَسَلَ يَدَيْهِ وَوَجْهَهُ وَعَلَيْهِ جُبَّةٌ مِنْ صُوْفٍ ذَهَبَ يَحْسِرُ عَنْ ذِرَاعَيْهِ فَضَاقَ كُمُّ الْجُبَّةِ فَاَخْرَجَ يَدَيْهِ مِنْ تَحْتِ الْجُبَّةِ وَاَلْقَى الْجُبَّةَ عَلٰى مَنْكِبَيْهِ فَغَسَلَ ذِرَاعَيْهِ ثُمَّ مَسَحَ بِنَاصِيَتِهِ وَعَلَى الْعِمَامَةِ ثُمَّ اَهْوَيْتُ لِاَنْزِعَ خُفَّيْهِ فَقَالَ دَعْهُمَا فَاِنِّيْ اَدْخَلْتُهُمَا طَاهِرَتَيْنِ فَمَسَحَ عَلَيْهِمَا ثُمَّ رَكِبَ وَرَكِبْتُ فَانْتَهَيْنَا اِلَى الْقَوْمِ وَقَدْ قَامُوْا اِلَى الصَّلٰوةِ وَيُصَلِّيْ بِهِمْ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ وَقَدْ رَكَعَ بِهِمْ رَكْعَةً فَلَمَّا اَحَسَّ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَهَبَ

يَتَأَخَّرُ فَأَوْمَأَ إِلَيْهِ فَأَدْرَكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِحْدَ الرَّكْعَتَيْنِ مَعَهُ فَلَمَّا سَلَّمَ قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقُمْتُ مَعَهُ فَرَكَعْنَا الرَّكْعَةَ الَّتِيْ سَبَقَتْنَا۔ (رواه مسلم)

حواله: مسلم شريف: ١٨٠/١، باب تقديم الجماعة من يصلى بهم اذا تأخر الامام، كتاب الطهارة، حدیث نمبر:٢٧٤۔

حل لغات: اهـريق، هَرَاق، الماء (ف) يُهْرِيْقُهُ، هَرَاقَةً، پانی بہانا،ڈالنا، يُـحْسِـرُ، حَسَرَ (ض،ن) حَسُوْرًا الشيء عن الشيء الگ کرنا،حَسَـرَ كُمَّهُ عن ذِرَاعَيْهِ، اس نے آستین کوکہنی سے ہٹایا،اَهْـوَيْتُ (باب افعال سے)يَـدَهُ للشيء کسی چیز کے لئے ہاتھ بڑھانا،فَاَوْما، باب افعال سے،مصدر اِيْماءً، اشارہ کرنا۔

ترجمه: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ جو کہ غزوہ تبوک کے سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے،روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لئے نکلے، میں نے چھاگل اٹھائی ، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واپس آئےتو میں چھاگل سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاتھوں پر پانی ڈالنے لگا،آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ اور منہ کودھویا،آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اونی جبہ تھا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ کھولنا چاہےتو اس جبہ کی آستینیں تنگ پڑ گئیں۔تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جبہ کے نیچے سے ہاتھ نکال لئے اور جبہ کو اپنے کاندھوں پر ڈال لیا،اور دونوں بازو دھوئے ، پھر پیشانی پر مسح کیا،اور پگڑی پر بھی مسح کیا، پھر میں آنحضرت صلی للہ تعالیٰ علیہ وسلم کے موزے اتارنے کے لئے جھکا،تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ان کو چھوڑ دو، میں نے ان کو پاکی کی حالت میں پہنا تھا،آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان دونوں پر مسح فرمایا،پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سوار ہوئے،

میں بھی سوار ہوا، یہاں تک کہ ہم دونوں لوگوں میں پہنچے، تو وہ لوگ نماز کے لئے کھڑے ہو چکے تھے، اور ان کی امامت حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کر رہے تھے، اور ایک رکعت ان کو پڑھا چکے تھے، جب ان کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آمد کا احساس ہوا، تو پیچھے ہٹنے کا ارادہ کیا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو اشارہ فرمایا کہ اپنی جگہ ٹھہرے رہو، چنانچہ وہ ٹھہرے رہے اور نماز پوری فرمائی، حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ ایک رکعت پائی، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے جب سلام پھیرا، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کھڑے ہوئے، اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ میں بھی کھڑا ہو گیا، پھر ہم دونوں نے وہ رکعت پڑھ لی، جو ہم سے رہ گئی تھی۔

تشریح: فتبرّز بر از: بالفتح کے معنی کشادہ جگہ کے ہیں؛ لیکن کنایۃً اس سے قضائے حاجت کی جگہ مراد لی جاتی ہے۔

قبل الفجر: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فجر سے پہلے قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ وقت سے پہلے عبادت کے لوازم مہیا کر لینا اور قضائے حاجت وغیرہ سے فارغ ہو لینا مستحب ہے۔

فحملت: حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پانی کا چھاگل لیکر اس وجہ سے گئے تھے تا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیت الخلاء سے فارغ ہو کر واپس آئیں تو ان کو وضو کرائیں۔

اهريق: حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں پر پانی بہایا،

فائدہ: (۱)...... معلوم ہوا کہ طہارت کے حصول میں دوسرے سے مدد لینا جائز ہے، خاص

طور سے جب مدد سے افادہ واستفادہ مقصود ہو۔

(۲)...... اس سے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے کمال جذبۂ خدمت کا اندازہ ہوا۔

(۳)...... اس سے معلوم ہوا کہ چھوٹوں میں اپنے بڑوں کی طلباء میں اپنے اساتذہ کی مریدین وطالبین میں اپنے مشائخ کی خدمت کا جذبہ ہونا چاہئے۔

(۴)...... یہ بھی معلوم ہوا کہ جب چھوٹے ذوق وشوق سے خدمت کرنا چاہیں تو بڑوں کو ان سے خدمت لینے میں مضائقہ نہیں۔

یدیہ: مراد ''کفیہ'' ہے، یعنی پہلے ہاتھ گٹوں تک دھوئے، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چہرۂ مبارک دھویا، راوی نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وضو کا ذکر کرتے ہوئے ہاتھوں کے دھونے کے بعد چہرۂ مبارک کا دھونا بیان کیا ہے، درمیان میں کلی اور ناک میں پانی ڈالنے کا ذکر نہیں کیا، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اختصار کے پیش نظر ان دونوں چیزوں کے ذکر کو حذف کردیا، یا وہ ان دونوں کا ذکر کرنا بھول گئے، یا پھر کلی اور ناک میں پانی دینے کا تعلق جن چیزوں سے ہے وہ چہرے کے دائرے میں آتی ہیں، لہٰذا جب چہرے کا ذکر ہوا تو ضمناً ان چیزوں کا بھی ذکر ہوگیا۔

فضاق: جبہ اتنا تنگ تھا کہ کہنیوں تک ہاتھ دھونا دشوار تھا اس لئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نیچے سے ہاتھ نکال کر دھوئے۔

فائدہ: اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ تنگ آستین کا جبہ پہننا بھی درست ہے، بالخصوص سفر میں۔

ثم مسح بناصیتہ: ناصیہ یعنی اپنے چوتھائی سر کا مسح کیا، دوسری جگہ اسی کو کہا ہے کہ اپنے سر کے اگلے حصہ کا مسح کیا، اسی بنا پر ہم اس بات کے قائل ہیں کہ چوتھائی سر کا مسح

فرض ہے، پورے سر کا مسح فرض نہیں ہے؛ البتہ مکمل سر کا مسح مستحب ہے۔

وعلی العمامة: یعنی پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سر کے اگلے حصہ پر مسح کیا اور پھر سنت کو ادا کرنے کے لئے پورے سر پر مسح کرنے کے بجائے عمامہ پر مسح کرلیا، حنفیہ کے نزدیک بغیر سر پر مسح کئے خالی عمامہ پر مسح کرنا جائز نہیں ہے۔

ثم اهويت: حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے موزے اتارنے کا ارادہ کیا، حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سمجھ رہے تھے کہ ہر حال میں پیروں کا دھونا ضروری ہے۔

دعهما: یعنی اس کو چھوڑ دو پیروں سے مت اتارو۔

فانی ادخلتهما: موزوں کو میں نے طہارت کے بعد پہنا ہے۔

موزہ پہنتے وقت طہارت کاملہ شرط ہے

موزہ پہنتے وقت طہارت کاملہ شرط ہے، یا حدث کے وقت طہارت کاملہ شرط ہے؟ اس سلسلے میں اختلاف ہے۔

امام شافعیؒ ومالکؒ کا مذہب: ان حضرات کے نزدیک مسح علی الخفین کے جواز کے لئے طہارت کاملہ موزہ پہنتے وقت شرط ہے، یعنی طہارت کاملہ کے بعد اگر موزہ پہنا تو مسح جائز ہے، ورنہ مسح جائز نہیں ہے۔

دلیـــل: ان حضرات کی دلیل حدیث باب ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''**دعهما فانی ادخلتهما طاهرتین**''

احناف کا مذهب: احناف کے نزدیک طہارت کاملہ بوقت لبس شرط نہیں ہے، بلکہ بوقت حدث طہارت کاملہ شرط ہے، یعنی موزہ خواہ صرف پیر دھوکر پہن لیا ہو لیکن جس وقت حدث لاحق ہوا اس سے پہلے طہارت کاملہ حاصل ہوگئی ہو تو مسح جائز ہے۔

دلیل: موزہ حلول حدث سے حکماً مانع ہے، لہٰذا کمال طہارت کی شرط بوقت حدث ہوگی نہ کہ بوقت لبس ہوگی۔

شوافع کی دلیل کا جواب: ان حضرات نے جو دلیل دی ہے اس میں بوقت لبس طہارت کاملہ کی صراحت نہیں ہے، صرف طہارت کی وضاحت ہے، اور صرف پیر دھونے سے بھی طہارت حاصل ہوگی۔ جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان: "**من ادرک رکعة فقد ادرک الصلوة**" میں ایک رکعت پانے والے کو نماز پانے والا فرمایا گیا ہے؛ لہٰذا ان کی دلیل سے وقت لبس صرف طہارت قدمین ثابت ہوگی، نہ کہ طہارت کاملہ اور وقت لبس طہارت قدمین کے ضروری ہونے کے ہم بھی قائل ہیں۔

علامہ عثمانی نے فتح الملہم میں ذکر کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مذکورہ ارشاد: "**فانی ادخلتهما طاهرتين**" سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ مناط جواز مسح علی الخفین کا طہارت قدمین ہے، ورنہ بیان علت کے مقام پر قدمین کا خاص طور پر ذکر کرنا بے فائدہ ہوگا۔ (فتح الملہم: ۱/۴۳۴)

فمسح عليهما: پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے موزوں پر مسح فرمایا۔

مقدار مسح

موزوں پر کتنی مقدار میں مسح کیا جائے، اس میں اختلاف ہے، امام ابوحنیفہ کہتے ہیں تین انگلیوں کے بقدر مسح کر لینا کافی ہے، امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ جس پر مسح کا اطلاق ہو سکے اتنی مقدار میں مسح کر لینا کافی ہے، امام احمد سے منقول ہے کہ اکثر موزہ کا مسح کیا جائے گا، امام مالکؒ سے منقول ہے کہ مکمل موزہ کا مسح ضروری ہے۔

فلما احس: حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی عدم موجودگی میں صحابہ کرام

رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی امامت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کررہے تھے، لیکن جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، تو لوگوں کے اشارہ وغیرہ کرنے کے ذریعہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کو محسوس کرلیا؛ چنانچہ وہ پیچھے ہٹنے لگے، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اشارہ سے ان کو پیچھے ہٹنے سے منع فرمایا، لہٰذا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق نماز مکمل فرمائی۔

فادرک النبی: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک رکعت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں پڑھی۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ افضل مفضول کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے، نیز نبی کی امامت غیر نبی کرسکتا ہے۔

فلما سلم قام: اس جزء سے معلوم ہوا کہ اگر کسی کی رکعت چھوٹ گئی ہے تو وہ اس رکعت کی ادائیگی کے لئے اس وقت کھڑا ہو جب امام سلام پھیر دے، ہاں اگر امام کے سلام پھیرنے تک انتظار کرنے کی صورت میں فساد نماز کا اندیشہ ہو، مثلاً سورج نکلنے کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں امام کے سلام پھیرنے سے پہلے کھڑا ہو جانا چاہئے۔

﴿الفصل الثانی﴾

مسافر و مقیم کے حق میں مدت مسح کی تعیین

﴿۴۷۷﴾ وَعَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ

تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّہٗ رَخَّصَ لِلْمُسَافِرِ ثَلَاثَۃَ اَیَّامٍ وَلَیَالِیْھِنَّ وَلِلْمُقِیْمِ یَوْمًا وَلَیْلَۃً اِذَا تَطَھَّرَ فَلَبِسَ خُفَّیْہِ اَنْ یَّمْسَحَ عَلَیْھِمَا۔ (رواہ الاثرم فی سننہ وابن خزیمۃ والدارقطنی) وَقَالَ الْخَطَّابِیُّ ھُوَ صَحِیْحُ الْاِسْنَادِ ھٰکَذَا فِی الْمُنْتَقٰی۔

حوالہ: صحیح ابن خزیمۃ: ۱/۹۶، جامع ابواب المسح علی الخفین، باب الرخصۃ فی المسح علی الخفین، کتاب الوضوء، حدیث نمبر: ۱۹۲۔ دارقطنی: ۱۹۴، باب الرخصۃ فی المسح علی الخفین، کتاب الطہارۃ.

ترجمہ: حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے موزوں پر مسح کرنے کی اجازت مسافر کے لئے تین دن اور تین رات تک اور مقیم کے لئے ایک دن اور ایک رات تک دی ہے؛ جب کہ اس نے وضو کیا ہو، اس کے بعد موزے پہنے ہوں۔ اس روایت کو اثرم نے اپنی سنن میں نقل کیا ہے اور ابن خزیمہ نیز دار قطنی نے بھی اس کو نقل کیا ہے اور خطابی نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ منتقی میں اسی طرح مذکور ہے۔

تشریح: اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

(۱)...... مسافر و مقیم دونوں کے لئے مدت مسح متعین ہے؛ لہٰذا یہ کہنا کہ ”مدت مسح کی کوئی حد مقرر نہیں“ درست نہیں۔

(۲)...... موزہ پر مسح کرنا اسی وقت جائز ہوگا جب اس کو طہارت پر پہنا ہو، اگر بغیر طہارت کے پہنا تو مسح کرنا صحیح نہ ہوگا۔

رخص: یعنی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسح علی الخفین کو جائز قرار دیا ہے۔

مسح افضل ہے یا غسل؟

مسح افضل ہے یا غسل رجلین؟ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ ”صحیح یہ

ہے کہ اگر آدمی موزہ پہنے ہوئے ہو تو افضل مسح کرنا ہے، جیسا کہ گذشتہ حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فعل گذرا ہے۔" (مرقاۃ: ۲/۸۲)

لیکن مراقی الفلاح میں حنفیہ کا مذہب لکھا ہے کہ "اگر کوئی شخص باوجود جواز مسح کے اعتقاد کی مشقت برداشت کرتا ہے اور موزوں کو اتار کر پیروں کو دھوتا ہے تو اس کو عزیمت کا ثواب ملے گا، کیونکہ غسل مسح کے بنسبت زیادہ دشوار ہے۔"

الدر المنضود میں "ابن المنذر" کا قول لکھا ہے کہ "یہ مسئلہ علماء کے درمیان اگرچہ اختلافی ہے؛ لیکن میرے نزدیک مسح کرنا افضل ہے، اسی لئے کہ اہل بدع یعنی خوارج وروافض سنیت مسح کا انکار کرتے ہیں، لہٰذا ان کی مخالفت میں مسح کو اختیار کرنا اولیٰ ہوگا۔

لبس خفیہ: یعنی موزوں کو پیروں کی طہارت کے بعد پہنا ہو۔

ابن ملکؒ کہتے ہیں کہ یہاں مطلب یہ ہے کہ طہارت کاملہ کے بعد پہنا ہو، ہمارے یہاں خفین پہنتے وقت طہارت شرط ہے، طہارت کاملہ شرط نہیں ہے۔

حالت جنابت میں مسح علی الخفین کا حکم

﴿۴۷۸﴾ وَعَنْ صَفْوَانَ بْنِ عَسَّالٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُنَا إِذَا كُنَّا سَفَرًا اَنْ لَا نَنْزِعَ خِفَافَنَا ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ وَلَيَالِيْهِنَّ اِلَّا مِنْ جَنَابَةٍ وَلٰكِنْ مِنْ غَائِطٍ وَبَوْلٍ وَنَوْمٍ۔ (رواه الترمذی والنسائی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۲۷، باب المسح علی الخفین للمسافر والمقیم، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۹۶۔ نسائی شریف: ۱/۱۷، باب

التوقیت فی المسح علی الخفین للمسافر، کتاب الطهارة، حدیث نمبر:۱۲۷۔

ترجمہ: حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کو اس وقت جب کہ ہم سفر میں ہوتے تھے، یہ حکم دیتے تھے کہ ہم تین دن اور تین رات تک اپنے موزے نہ اتاریں، نہ تو پیشاب کی وجہ سے نہ پاخانہ کی وجہ سے اور نہ سونے کی وجہ سے؛ البتہ جنابت کی صورت میں اتاریں۔

تشریح: مسح علی الخفین پیر دھونے کا خلیفہ ہے، لیکن حدث اصغر میں ہے، اگر حدث اکبر پیش آ گیا تو موزوں کو اتار کر پیروں کو دھویا جائے گا، خواہ مدت مسح پوری ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔

اذا کنا سفرا: یعنی جب ہم مسافر ہوتے تھے۔

الا من جنابۃ: یعنی جنابت میں پیر دھونے کا حکم فرماتے تھے تو ہم پیروں کو دھوتے اور مسح نہیں کرتے تھے، البتہ پیشاب پاخانے سے فارغ ہوتے یا نیند سے بیدار ہوتے تھے تو مسح کیا کرتے تھے،

فائدہ: معلوم ہوا کہ غسل کرنے والے کے لئے موزوں پر مسح جائز نہیں ہے، بلکہ موزوں کو اتار کر دیگر اعضاء کی طرح پیروں کو دھونا بھی ضروری ہے۔

موزے کے کس حصہ پر مسح کیا جائے

﴿۴۷۹﴾ وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ وَضَّأْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ فَمَسَحَ اَعْلَى الْخُفِّ وَاَسْفَلَهُ۔

(رواہ ابوداؤد والترمذی وابن ماجہ) وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ مَعْلُوْلٌ

وَسَأَلْتُ اَبَازُرْعَةَ وَمُحَمَّدًا يَعْنِيْ الْبُخَارِيَّ عَنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ فَقَالَا لَيْسَ بِصَحِيْحٍ وَكَذَا ضَعَّفَهُ اَبُوْدَاؤُدَ۔

حوالہ: سنن ابی داؤد شریف: ۲۲/ ۱، باب کیف المسح، کتاب الطھارة، حدیث نمبر: ۱۶۵۔ ترمذی شریف: ۲۷/ ۱، باب فی المسح علی الخفین اعلاہ و اسفلہ، کتاب الطھارة، حدیث نمبر: ۵۵۰۔

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے غزوہ تبوک میں حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وضو کرایا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے موزے کے اوپر کے حصہ پر مسح فرمایا (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ) امام ترمذیؒ نے کہا کہ یہ حدیث معلول ہے۔ اور میں نے اس حدیث کے بارے میں جب ابوزرعہ اور امام محمد یعنی امام بخاریؒ سے دریافت کیا، تو ان دونوں حضرات نے کہا کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح ابوداؤد نے بھی اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔

تشریح: اس حدیث سے بظاہر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ موزے پر اگلی یعنی اوپر کی جانب اور پچھلی یعنی نیچے کی جانب دونوں طرف مسح کیا جائے گا، حالانکہ مسنون صرف اوپر کی جانب مسح ہے؛ لہٰذا اس حدیث کو محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے، چنانچہ اس حدیث کا اعتبار نہ ہوگا۔

موزے کے نچلے حصہ پر مسح کے بارے میں اختلاف ائمہ

موزے کے اگلے حصہ پر جو پیر کے پشت پر رہتا ہے اس پر مسح کرنا سب کے نزدیک واجب ہے، لیکن نچلے حصہ کے بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

امام مالک وشافعی کا مذہب: خفین کے ظاہر وباطن دونوں حصوں پر مسح کیا جائے گا، امام مالکؒ تو دونوں پر مسح کو واجب قرار دیتے ہیں، لیکن امام شافعیؒ اوپر کے حصہ پر واجب اور نیچے کے حصہ پر مسنون قرار دیتے ہیں۔

دلیل: ان حضرات کی دلیل حدیث باب ہے، جس میں صراحت ہے: "**فمسح اعلیٰ الخف و اسفله**"

امام ابو حنیفہؒ وامام احمدؒ کا مذہب: ان حضرات کے نزدیک ظاہر خف کا مسح مشروع ہے، باطن خف کا مسح مشروع نہیں ہے۔

دلیل: ان حضرات کی دلیل اگلی حدیث ہے جس میں صراحت ہے "**یمسح علی الخفین علی ظاهرهما**" [آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صرف ظاہر خف پر مسح فرمایا]

شوافع ومالکیہ کی دلیل کا جواب: ان حضرات نے جو دلیل دی ہے، وہ معلول ہے، یعنی اس میں کوئی ایسا سبب ہے جو تقاضہ کرتا ہے کہ اس حدیث پر عمل نہ کیا جائے، یہ حدیث معلول ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

ضعیف کیوں ہے؟

اس کی دو وجہیں ہیں۔ (۱)......اس حدیث کی سند حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ تک نہیں پہنچتی ہے؛ بلکہ ان کے آزاد کردہ کاتب "ورّاد" تک پہنچتی ہے۔

(۲)......اس حدیث کو "ثور بن یزید" نے رجاء بن حیوہ سے نقل کیا ہے؛ حالانکہ ثور کا رجاء بن حیوہ سے حدیث سننا ثابت نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ امام بخاریؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے۔

اشکال مع جواب

اشـکـال: حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں یہ حدیث ضعیف ہے؛ لیکن فضائل اعمال میں تو ضعیف حدیث پر عمل کیا جا سکتا ہے تو پھر آپ کیوں نہیں کرتے ہیں؟

جـواب: حدیث ضعیف پر فضائل اعمال میں عمل کیا جاتا ہے؛ لیکن حدیث ضعیف پر عمل کی تین شرطیں ہیں، دو شرطوں کا ذکر حضرت سہارنپوریؒ نے ''بذل المجہود: ۱۰۰'' پر ملا علی قاریؒ کے حوالے سے کیا ہے، اور تیسری شرط کی بعض دوسرے علماء نے صراحت کی ہے، وہ تین شرطیں یہ ہیں۔

(۱)......حدیث ضعیف کسی حدیث صحیح یا حسن کے خلاف نہ ہو۔

(۲)...... حدیث ضعیف پر عمل ان فضائل اعمال میں ہو سکتا ہے؛ جو دوسرے دلائل سے ثابت ہوں اور جو حکم ابتدائی ہوگا وہ ضعیف حدیث سے ثابت نہ ہوگا۔ اگر ہم اسفل خف پر مسح کو اس حدیث سے مانتے ہیں، تو ایسی ضعیف حدیث جو کہ صحیح احادیث کے خلاف ہے، اس پر حکم شرعی کی بناء لازم آئے گی، بلفظ دیگر حکم ابتدائی کا ثبوت حدیث ضعیف سے لازم آئے گا۔

(۳)......حدیث ضعیف شدید الضعیف یا موضوع نہ ہو، یہ حدیث شدید الضعیف بھی ہے، کیونکہ یہ منقطع ہے، بیچ سے ایک راوی حذف ہے۔

ظاہر خف پر مسح کرنا چاہئے

﴿۴۸۰﴾ وَعَنْهُ اَنَّهُ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ عَلَى ظَاهِرِهِمَا۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۲۲/۱، باب کیف المسح، کتاب الطھارۃ، حدیث نمبر: ۱۶۵۔ ترمذی شریف: ۲۸/۱، باب فی المسح علی الخفین ظاھرھما، کتاب الطھارۃ، حدیث نمبر: ۹۸۔

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ موزوں پر ان کے اوپر کے حصے پر مسح فرماتے تھے۔

تشریح: اس حدیث سے واضح طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ خفین پر مسح صرف اوپر کی جانب ہوگا، نیچے کی جانب سے مسح مشروع نہیں ہے۔

علی ظاهرهما: یہ حدیث حنفیہ کی دلیل ہے، حنفیہ کے نزدیک صرف اوپر کی جانب مسح ہوگا۔ مزید تحقیق گذشتہ حدیث کے تحت میں گذر چکی۔

جوربین پر مسح کا حکم

﴿۲۸۱﴾ وَعَنْهُ قَالَ تَوَضَّأَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَسَحَ عَلَى الْجَوْرَبَيْنِ وَالنَّعْلَيْنِ۔ (رواہ احمد والترمذی وابوداؤد وابن ماجۃ)

حوالہ: مسند احمد: ۲۵۲/۴، ابوداؤد شریف: ۲۱/۱، باب المسح علی الجوربین، کتاب الطھارۃ، حدیث نمبر: ۱۵۹۔ ترمذی شریف: ۲۹/۱، باب فی المسح علی الجوربین الخ، کتاب الطھارۃ، حدیث نمبر: ۹۹۔ ابن ماجہ: ۴۲، باب ماجاء فی المسح علی الجوربین، کتاب الطھارۃ، حدیث نمبر: ۵۵۹۔

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا اور جوربین پر نعلین کے ساتھ مسح فرمایا۔

تشریح: جوربین یعنی سوت یا اون کے موزوں پر مسح کرنا جائز ہے، بظاہر اس حدیث سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ نعلین پر بھی مسح جائز ہے، حالانکہ یہ بات صحیح نہیں ہے، آگے اس کی وضاحت آئے گی۔

جوربین: اون یا سوت کے موزے مراد ہیں۔

موزے کے اقسام

موزے کی چار قسمیں ہیں۔

(١)...... **جورب:** سوت یا اون کے موزے۔

(٢)...... **مجلد:** اگر جورب کے دونوں طرف چمڑا ہے تو وہ مجلد ہے۔

(٣)...... **منعل:** اگر جورب کے صرف ایک طرف چمڑا ہے تو وہ منعل ہے۔

(٤)...... **خف:** اگر موزہ پورا چمڑے کا ہے اسمیں اون یا سوت کا دخل نہیں ہے تو وہ خف ہے۔

موزے کے احکام

خفین، جوربین مجلدین، جوربین منعلین ان تینوں پر بالاتفاق مسح جائز ہے۔

اگر جوربین منعلین اور مجلدین نہ ہوں، تو وہ دو حال سے خالی نہیں، یا تو وہ پتلے ہوں گے، جس کو رقیقین کہتے ہیں، یا وہ موٹے ہوں گے جس کو ثخینین کہتے ہیں، جوربین رقیقین پر بالاتفاق مسح ناجائز ہے، جوربین ثخینین میں اگر تین شرطیں ہیں تو جمہور کے نزدیک مسح جائز ہے، کچھ لوگوں نے امام مالک کی جانب جوربین ثخینین پر مسح کے سلسلے میں عدم جواز کی نسبت

کی ہے، پہلے امام ابوحنیفہؒ بھی عدم جواز کے قائل تھے؛ لیکن پھر جمہور کے قول کی طرف رجوع کر کے انہوں نے بھی جواز کا فتویٰ دیا ہے۔

جوربین ثخینین پر مسح کے جواز کے لئے جو تین شرطیں ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱)......اگر ان پر پانی ڈالا جائے تو پانی پاؤں تک نہ پہنچے۔

(۲)......متمسک بغیر امساک ہو، یعنی بغیر باندھے اور پکڑے موزہ پیر پر رکا رہے۔

(۳)......ان میں تتابع مشی ممکن ہو، اگر جوربین ثخینین میں یہ تین شرطیں پائی جارہی ہیں تو اس پر مسح جائز ہے۔

و النعلین الخ: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نعلین پہنے پہنے جوربین پر مسح فرمایا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نعلین پر مسح نہیں کیا تھا، بلکہ جوربین پر مسح کرتے ہوئے نعلین پر ہاتھ لگ گیا تھا، مسح نعلین مقصود نہیں تھا، اسے راوی نے مسح علی النعلین سے تعبیر کر دیا ہے، چنانچہ نعلین پر بالاتفاق مسح جائز نہیں ہے۔

﴿الفصل الثالث﴾

موزوں پر مسح کا جواز کتاب اللہ سے

﴿۴۸۲﴾ وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ مَسَحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْخُفَّيْنِ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! نَسِيْتَ قَالَ بَلْ أَنْتَ نَسِيْتَ بِهٰذَا أَمَرَنِيْ رَبِّيْ عَزَّ وَجَلَّ۔ (رواہ احمد وابوداؤد)

حوالہ: مسند احمد: ۲۵۳/۱، ابوداؤد شریف: ۲۱/۱، باب المسح علی الخفین، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۱۵۶۔

ترجمہ: حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں پر مسح کیا، تو میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیا آپ بھول گئے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلکہ تم بھول گئے ہو، مجھ کو میرے رب عزوجل نے اسی طرح حکم دیا ہے۔

تشریح: بل انت نسیت: اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں:

(۱)...... جب حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مسح کرتے دیکھا تو اس پر اشکال کیا اور بھولنے کی نسبت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف کی، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے بھول نہیں بلکہ تم کو بھول واقع ہو رہی ہے، اس لئے کہ مسح علی الخفین کے جواز کو تم نے فراموش کر دیا ہے۔

(۲)...... دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کو تنبیہ فرما رہے ہیں کہ سوال کا یہ طریقہ نہیں ہے، بڑوں کو اس طرح خطاب نہیں کرنا چاہئے، کہ ان کی طرف نسیان کی نسبت کی جائے، یعنی میں غسل رجلین نہیں بھولا؛ لیکن تم نے طریقہ سوال فراموش کر دیا۔ (الدر المنضود: ۲۹۵،۲۹۶)

امرنی ربی: مجھ کو میرے رب نے حکم دیا، یعنی مسح کتاب اللہ سے ثابت ہے، کتاب اللہ سے مسح کے ثبوت کی صورت یہ ہے کہ "وامسحوا برؤسکم وارجلکم" میں "ارجلکم" کو لام کے کسرہ کے ساتھ پڑھیں اور اس کا "رؤس" پر عطف کریں، اور پیروں پر خفین پہننے کی صورت میں مسح کو اسی آیت سے ثابت مانیں۔

مسح ظاہر خف پر

﴿۴۸۳﴾ وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ لَوْ كَانَ الدِّيْنُ بِالرَّأْيِ لَكَانَ أَسْفَلُ الْخُفِّ أَوْلٰى بِالْمَسْحِ مِنْ أَعْلَاهُ وَقَدْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ عَلٰى ظَاهِرِ خُفَّيْهِ۔ (رواه ابوداؤد) وَالدَّارِمِيُّ مَعْنَاهُ۔

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۲۲/ ۱، باب کیف المسح، کتاب الطهارة، حدیث نمبر:۱۶۲۔دارمی: ۱۹۵/ ۱۹۶/ ۱، باب المسح علی النعلین، کتاب الطهارة، حدیث نمبر:۷۱۵۔

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ اگر دین میں عقل کو دخل ہوتا تو موزے کے نچلے حصے کو اوپر کے حصہ پر مسح میں ترجیح دی جاتی، مگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے موزے کے اوپر کے حصہ پر مسح فرماتے تھے۔ (ابوداؤد) دارمی نے بھی اسی مضمون کی روایت نقل کی ہے۔

تشریح: خفین کے اوپر کے حصہ پر مسح کرنا سنت ہے؛ لیکن عقل کا تقاضہ یہ تھا کہ نچلے حصہ پر مسح کیا جائے، کیونکہ گردوغبار نچلے حصہ پر لگتا ہے؛ لیکن شریعت کا دارومدار عقل پر نہیں ہے؛ لہٰذا اوپر کے حصہ پر ہی مسح کیا جائے گا۔ شریعت نے اوپر کے حصہ پر مسح کا حکم اس وجہ سے دیا ہے کہ وضو اور مسح میں مقصود ازالہ حدث ہوتا ہے، نہ کہ گردوغبار کا ازالہ۔

لو کان الدین بالرأی: حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ میں نچلے حصہ پر مسح کو قرین قیاس سمجھتا تھا، لیکن جب میں نے حضور اقدس صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اوپر کے حصہ پر مسح کرتے دیکھا تو میری رائے بدل گئی، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد مبارک سے یہ بات معلوم ہوئی کہ شریعت کا دارومدار عقل پر نہیں ہے؛ لیکن ہماری شریعت خلاف عقل نہیں ہے، بہت سی باتیں جو ہماری سمجھ میں نہیں آتی ہیں وہ خلاف عقل نہیں ہیں، بلکہ ہماری عقلوں سے اوپر کی باتیں ہیں۔

کفار وملحدین اور اہل ہوا جو گمراہ ہیں اسی سبب سے گمراہ ہیں کہ انہوں نے عقل کا اتباع کیا اور نام نہاد عقلیت پسندی کا شکار ہو گئے۔ (مرقاۃ: باب المسح علی الخفین)

x-xx-xxx-xx-x

باب التیمم

رقم الحدیث:...... ۴۸۴؍ تا ۴۹۲؍

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب التیمم

(تیمم کا بیان)

"التیمم" مصدر ہے باب تفعل کا،تیمم للصلوۃ نماز کے لئے تیمم کرنا،مٹی سے منہ اور ہاتھوں پر مسح کرنا،الشیء کسی چیز کا قصد کرنا۔

اصطلاح شرع میں تیمم کے معنی ہیں"**قصد الصعید الطاهر بصفة مخصوصة (وهو مسح اليدين والوجه) عند عدم الماء حقيقة او حكما لاستباحة الصلوة وامتثال الامر**"

مطلب یہ ہے کہ پاکی حاصل کرنے کی نیت سے پاک مٹی یا اس کے قائم مقام کسی چیز مثلاً پتھر چونا وغیرہ کا قصد کرنا،اور اس پاک مٹی وغیرہ کو منہ اور ہاتھ پر لگانا اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ دونوں ہاتھوں کو مٹی وغیرہ پر لگا کر پورے چہرے پر اور کہنیوں تک دونوں ہاتھ پر ملتے ہیں۔

تیمم کی شرطیں

تیمم کے صحیح ہونے کے لئے نو شرطیں ہیں۔

(۱)......مسلمان ہونا۔ (۲)......نیت کرنا۔

(۳)......مسح کرنا۔ (۴)......تین یا اس سے زائد انگلیوں سے مسح کرنا۔

(۵)......مٹی یا اس کی جنس کی چیز موجود ہونا۔ (۶)......مٹی کا پاک ہونا۔

(۷)......پانی کے استعمال پر قادر نہ ہونا۔ (۸)......حیض اور نفاس سے پاک ہونا۔

(۹)......اعضائے تیمم (چہرہ اور ہاتھ مع کہنیوں) کا استیعاب کرنا۔

تیمم کرنا کب جائز ہے؟

چھ صورتوں میں تیمم کرنا جائز ہے۔

(۱)...... پانی کے استعمال پر قادر نہ ہونا، یعنی مبتلی بہ سے پانی ایک میل یا اس سے زائد مسافت پر ہو، اور وہاں تک پہونچنے میں نماز کا وقت فوت ہونے کا اندیشہ ہو۔

(۲)......پانی کے استعمال کی وجہ سے مرض بڑھ جانے یا دیر سے شفایاب ہونے کا خطرہ ہو۔

(۳)......سخت سردی میں جب کہ جنبی کے لئے گرم پانی سے غسل کا انتظام نہ ہو اور ٹھنڈے پانی سے جان کی ہلاکت یا اعضاء کے شل ہونے کا خطرہ ہو۔

(۴)...... پانی کا ایسی خطرناک جگہ ہونا۔ (مثلاً وہاں سانپ ہو یا کوئی دشمن بیٹھا ہو یا بھیانک آگ جل رہی ہو) کہ وہاں جاکر پانی لانے میں سخت نقصان کا خطرہ ہو۔ یا مثلاً آدمی ایسی جگہ ہو کہ اگر وہاں سے ہٹ کر دوسری جگہ جائے تو اپنے مال کے ضائع ہونے کا خدشہ ہو۔

(۵)...... پانی محض پینے کی ضرورت کے لئے کافی ہو، اور اس سے وضو یا غسل کرنے سے قافلہ والوں یا ان کے جانوروں کے پیاسے مرجانے کا خوف ہو۔

(٦)...... پانی کو کنویں وغیرہ سے حاصل کرنے کے لئے کوئی چیز موجود نہ ہو، اور نہ کنویں میں اترنے کی ہمت ہو، تو ان سب صورتوں میں تیمم کرکے نماز پڑھنا جائز ہے۔ (کتاب المسائل)

تیمم میں نیت کا مسئلہ

حضرات حنفیہ کے نزدیک تیمم کے لئے نیت ضروری ہے۔ اور وضو کے لئے نیت ضروری نہیں ہے۔

وضو اور تیمم میں فرق کی وجہ

وضو اور تیمم میں کئی اعتبار سے فرق ہے۔

(۱)...... تیمم کے لغوی معنی اور شرعی معنی اس بات کے متقاضی ہیں کہ تیمم میں نیت کو شرط قرار دیا جائے؛ کیوں کہ تیمم کے معنی ہی ''قصد و ارادہ'' کے ہیں، برخلاف وضو کے کہ اس میں نہ معنی لغوی قصد کرنے کے ہیں اور نہ معنی شرعی۔

(۲)...... تیمم میں مٹی کا استعمال ہوتا ہے اور مٹی فی نفسہ مطہر نہیں ہے بلکہ مٹی تلویث کا باعث ہے؛ اس وجہ سے بھی تیمم میں نیت کو شرط قرار دیا ہے؛ اس کے برخلاف وضو میں پانی کا استعمال ہوتا ہے، پانی کا موضوع لہ ہی تطہیر ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وانزلنا من السماء ماء طهورا'' اس میں پانی کو مطہر بالطبع قرار دیا گیا ہے۔

تیمم کی ابتداء

تیمم کی مشروعیت کا سبب یہ ہوا کہ ’’غزوہ بنی المصطلق‘‘ کے موقعہ پر ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ہار گم ہوگیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاش کرنے کا حکم دیا، تلاش کرتے کرتے نماز کا وقت آ گیا، اور قریب میں پانی کا نظم نہیں تھا، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بہت پریشان ہوئے، بعض حضرات نے اس پریشانی کا تذکرہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کیا، حضرت ابوبکر صدیق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور ان کو ملامت کرنے لگے، اسی وقت آیت تیمم نازل ہوئی، اس رخصت کو سن کر حضرت اسید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”ما اکثر برکتکم یا آل ابی بکر“ تیمم کی مشروعیت جس طرح وضو کے لئے ہے ایسے ہی غسل کے لئے بھی ہے، کیوں کہ پانی دستیاب نہ ہونے یا پانی کے استعمال پر قادر نہ ہونے کی صورت میں وضو اور غسل دونوں کا قائم مقام ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں میں سے ایک ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے صرف اس امت محمدیہ کو عطا کی ہے، گذشتہ امتوں پر تیمم مشروع نہیں تھا۔

تیمم کو وضو اور غسل کا بدل کیوں قرار دیا

دین میں آسانی کرنے کی مختلف صورتیں ہیں، ان میں سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ عبادت کا بدل تجویز کیا جائے، تاکہ لوگوں کے دل مطمئن رہیں اور ان کے دل کسی ایسی چیز کو یکدم ترک کردینے سے جس کا انہوں نے غایت درجہ التزام کر رکھا ہے، پراگندہ نہ ہو جائیں، علاوہ ازیں اگر عذر کی صورت میں بلا غسل و وضو نماز پڑھنے کی اجازت دیدی جائے تو ان اتفاقات کی وجہ سے طبیعتیں ترک طہارت کی عادی بن جائیں گی؛ اسی لئے بدل تجویز کیا

گیا تا کہ ذہن اور عادت پر کوئی اثر نہ پڑے۔ (رحمۃ اللہ الواسعہ)

مٹی سے تیمم کیوں تجویز کیا گیا

مٹی سے تیمم تین وجہوں سے جائز قرار دیا گیا ہے۔

(۱)...... مٹی آسانی سے دستیاب ہو جاتی ہے، اس لئے اس سے تیمم کو جائز قرار دیا۔

(۲)...... مٹی بعض اور مواقع میں پاکی کا ذریعہ ہے، جیسے چمڑے کے موزے یا جوتے پر یا دھات وغیرہ کے برتن پر کوئی جسم دار ناپاکی لگ جائے تو پانی سے دھونے کے بجائے مٹی سے رگڑ کر صاف کرنے سے بھی پاکی حاصل ہو جاتی ہے۔

(۳)...... مٹی کو ہاتھ پر لگا کر پھیرنے میں تذلل و خاکساری ہے، یہ بھی چہرہ کو خاک آلود کرنے کی طرح ہے، چنانچہ یہ معافی کی درخواست کے مانند ہے، یعنی عذر کی وجہ سے پانی سے طہارت حاصل نہ کرنا بھی ہماری ایک طرح کی کوتاہی ہے، جس کی معافی کی ہم تیمم کے ذریعہ درخواست کرتے ہیں۔ (رحمۃ اللہ الواسعہ)

غسل اور وضو کے تیمم میں فرق کیوں نہیں

شریعت نے غسل اور وضو کے تیمم کے درمیان فرق نہیں بیان کیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ غسل کا تیمم کرنے کے لئے مٹی میں لوٹ لگانے میں ایک طرح کی پریشانی ہے، چنانچہ تیمم کی جو رخصت ہے وہ مکمل طور سے حاصل نہ ہوگی، لوٹ لگانے کی صورت میں ایک تنگی کا علاج ہوگا، تو دوسری تنگی میں آدمی پڑ جائے گا، اسی لئے غسل کا تیمم بھی وضو کے تیمم کی طرح تجویز کیا گیا۔ (رحمۃ اللہ الواسعہ)

﴿الفصل الاول﴾

امت محمدیہ کی خصوصیات

﴿۴۸۴﴾ وَعَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فُضِّلْنَا عَلَى النَّاسِ بِثَلَاثٍ جُعِلَتْ صُفُوْفُنَا كَصُفُوْفِ الْمَلَائِكَةِ وَجُعِلَتْ لَنَا الْاَرْضُ كُلُّهَا مَسْجِدًا وَجُعِلَتْ تُرْبَتُهَا لَنَا طَهُوْرًا اِذَا لَمْ نَجِدِ الْمَاءَ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱۹۹/۱، کتاب المساجد ومواضع الصلوۃ، حدیث نمبر: ۵۲۲.

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہمیں لوگوں پر تین چیزوں کے ذریعہ فضیلت عطا کی گئی ہے۔ (۱) ہماری صفیں فرشتوں کی طرح قرار دی گئی ہیں۔ (۲) ہمارے لئے تمام زمین کو مسجد بنادیا گیا ہے۔ (۳) پانی دستیاب نہ ہونے کی صورت میں زمین کی مٹی کو ہمارے لئے پاک کرنے والی بنایا گیا ہے۔

تشریح: امت محمدیہ بہت افضل امت ہے، اس کو وہ بہت سی خصوصیات عطا ہوئیں جو دوسروں کو عطا نہیں ہوئیں، اس حدیث میں امت محمدیہ کی بے شمار خصوصیات میں سے تین اہم خصوصیات کا ذکر ہے۔

(۱)...... مسلمانوں کو صف بستہ نماز پڑھنے کا حکم ہوا۔

(۲)......مسلمانوں کو ساری زمین میں جہاں چاہیں نماز پڑھنے کی اجازت دی گئی۔

(۳)......مسلمانوں کو اس بات کی بھی اجازت دی گئی کہ پانی نہ میسر ہونے کی صورت میں تیمم کرلیں۔

فضلنا علی الناس: امت محمدیہ کو سابقہ تمام امتوں پر فضیلت بخشی گئی ہے۔

بثلاث: یعنی تین خصلتوں کے ذریعہ اس امت کو امتیاز بخشا گیا ہے۔ دوسری امت کے لوگ جس طرح چاہتے تھے، نماز پڑھتے تھے، ان کے لئے صف بستگی کا حکم نہیں تھا، نیز ان کے لئے گرجا گھروں اور کنیسوں کے علاوہ دوسری جگہ نماز پڑھنے کی اجازت نہ تھی اور نہ ہی ان کو تیمم کرنے کی سہولت حاصل تھی۔

صفوفنا: یہ امت محمدیہ کی پہلی خصوصیت ہے، ہمارے نماز میں کھڑے ہونے کو فرشتوں کے صف بستہ کھڑے ہونے کی طرح بتایا گیا ہے، اور اس پر فرشتوں جیسی فضیلت حاصل ہونے کی امید ہے، صف بستہ ہونے میں تین قول ہیں۔

(۱)......نماز میں صف بستہ ہونا مراد ہے۔

(۲)...... جہاد میں صف بستہ ہونا مراد ہے۔

(۳)......اطاعت میں صف بستہ ہونا مراد ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: "وانا لنحن الصافون، وانا لنحن المسبحون" کی طرف اشارہ ہے۔

جعلت لنا الارض: یہ امت محمدیہ کی دوسری خصوصیت ہے، کہ پوری روئے زمین کو مسجد بنادیا گیا وہ روئے زمین پر جہاں چاہے نماز پڑھے۔

جعلت تربتها: یہ تیسری خصوصیت ہے کہ اس امت کو تیمم کی سہولت حاصل ہے۔ کہ تیمم کے ذریعہ مٹی سے پاکی حاصل کرسکتے ہیں۔

اذا لم نجد الماء: پانی میسر نہ ہو، یا پانی کے استعمال پر قادر نہ ہو تب تیمم

کرنے کی اجازت ہے۔

یہاں امت محمدیہ کی تین خصوصیات مذکور ہیں، ایسا نہیں ہے کہ امت محمدیہ کی صرف یہی تین خصوصیات ہیں اس کے علاوہ کوئی خصوصیت نہیں ہے، حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وقتاً فوقتاً بذریعہ وحی اس امت کی مختلف خصوصیات سے مطلع کیا جاتا رہا، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی اعتبار سے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو مطلع فرماتے رہے، حاصل یہ ہے کہ اس امت کی فضیلت ان تین خصوصیات میں منحصر نہیں ہے؛ بلکہ اس کے علاوہ دوسری متعدد خصوصیات بھی ہیں۔(مرقاۃ:۲/۸۶،۸۵)

تیمم مٹی سے جائز ہے؟ یا جنس مٹی سے جائز ہے؟

اس حدیث کے ذیل میں شراح حدیث ائمہ اربعہ کے مابین ایک اختلاف ذکر کرتے ہیں، وہ یہ کہ تیمم کے لئے مٹی کا استعمال ضروری ہے یا مٹی کے علاوہ دوسری چیزوں سے بھی تیمم کرنا جائز ہے؟ اور یہ اختلاف حدیث کے جز ''و جلعت تربتھا'' سے ہوتا ہے۔

امام ابو حنیفہؒ و مالکؒ: ان حضرات کے نزدیک جنس ارض سے تیمم کرنا جائز ہے۔ اور جنس ارض وہ چیز ہے، جو پگھلانے سے نہ پگھلے اور نہ جلانے سے راکھ ہو، مثلاً چونا، پتھر، راکھ وغیرہ۔

دلیل احناف: (۱)......حضرت جابر رضی اللہ کی حدیث ہے ''**جعلت لی الارض کلھا مسجد او طھورا**'' جس طرح جنس ارض پر نماز پڑھنا درست ہے اسی طرح جنس ارض سے تیمم کرنا بھی درست ہے؛ کیوں کہ حدیث میں زمین کو نماز پڑھنے کی جگہ اور تیمم کرنے کی جگہ قرار دیا گیا ہے، لہٰذا جس طرح ریت وغیرہ پر نماز پڑھنا درست ہے، اسی طرح تیمم کرنا بھی درست ہوگا۔

(۲)...... قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "فتیمموا صعیدا طیبا" صعید پاک سے تیمم کرو، صعید کا مطلب اہل لغت نے وجہ الارض بتایا ہے، خواہ وہ مٹی ہو یا مٹی کی جنس ہو، قاموس میں صعید کے معنی مٹی اور زمین دونوں لکھے ہیں اور زمین میں ریت چونا وغیرہ سب داخل ہیں۔

امام شافعیؒ و احمدؒ: ان حضرات کے نزدیک صرف مٹی سے تیمم کرنا جائز ہے، اور باقی جنس ارض کی چیزوں سے تیمم کرنا درست نہیں۔

دلیل: ان حضرات کی دلیل حدیث باب ہے، جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جعلت تربتها لنا طهورا" یعنی زمین کی مٹی ہمارے لئے پاک قرار دی گئی ہے، معلوم ہوا مٹی کے علاوہ کسی چیز سے تیمم کرنا درست نہیں۔

جواب: یہ حدیث احناف کے خلاف نہیں ہے، کیونکہ احناف بھی مٹی سے تیمم کو جائز کہتے ہیں، نیز دوسرے دلائل کی بناء پر کہتے ہیں تیمم مٹی میں منحصر نہیں ہے؛ بلکہ جنس تراب سے بھی جائز ہے، خلاصہ یہ ہے کہ یہاں خاص طور سے مٹی کا ذکر کثرت وجود کے اعتبار سے ہے۔ نہ کہ حصر کی وجہ سے۔

تیمم غسل کا بھی قائم مقام ہے

﴿۴۸۵﴾ وَعَنْ عِمْرَانَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ كُنَّا فِیْ سَفَرٍ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰی بِالنَّاسِ فَلَمَّا انْفَتَلَ مِنْ صَلَاتِهٖ إِذَا هُوَ بِرَجُلٍ مُعْتَزِلٍ لَمْ یُصَلِّ مَعَ الْقَوْمِ فَقَالَ مَا مَنَعَكَ یَا فُلَانُ اَنْ تُصَلِّیَ مَعَ الْقَوْمِ قَالَ اَصَابَتْنِیْ جَنَابَةٌ وَلَا مَاءَ قَالَ عَلَیْكَ بِالصَّعِیْدِ فَإِنَّهٗ یَكْفِیْكَ۔ (متفق علیه)

حوالہ: بخاری شریف: ۴۹/ ۱، باب الصعید الطیب وضوء المسلم یکفیہ من الماء، کتاب التیمم، حدیث نمبر:۳۴۴۔مسلم شریف: ۲۴۰/ ۱، باب قضاء الصلوۃ الفائتۃ، کتاب المساجد، حدیث نمبر:۶۸۲۔

ترجمہ: حضرت عمران رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک سفر میں ہم لوگ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نماز پڑھائی، پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوکر لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے، تو دیکھتے ہیں کہ ایک شخص لوگوں سے دور بیٹھا ہوا ہے، اوراس نے جماعت کے ساتھ نماز نہیں پڑھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا اے فلاں! لوگوں کے ساتھ نماز پڑھنے سے تمہیں کس چیز نے روک دیا؟ اس نے جواب دیا مجھے جنابت لاحق ہوگئی ہے، اور پانی نہیں مل پارہا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں پاک مٹی لے لینا چاہئے۔ وہ تمہارے لئے کافی ہوجاتی۔

تشریح: اس حدیث میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سفر میں پیش آنے والے واقعہ کا تذکرہ کررہے ہیں، بخاری شریف میں یہ حدیث بہت طویل ہے، یہاں مختصراً ذکر کی گئی ہے، حدیث کا حاصل یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سفر میں رات بھر چلتے رہے، جب چلتے چلتے تھک گئے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کچھ دیر آرام کرنے کی درخواست کی، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے درخواست قبول فرمائی، جماعت میں سے ایک صاحب کو لوگوں کے بیدار کرنے پر مامور کیا، اتفاقاً تمام لوگ سوتے رہ گئے اور نماز فجر کا وقت نکل گیا، پھر اس جگہ سے کچھ دور جاکر فوت شدہ نماز ادا کی گئی، نماز سے فارغ ہونے کے بعد ایک شخص کو الگ بیٹھے ہوئے دیکھا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا تم جماعت میں شریک کیوں نہیں ہوئے؟ انہوں نے جنابت لاحق ہونے اور پانی نہ ملنے کا عذر

پیش کیا، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تم تیمم کر لیتے، تو یہ غسل کے قائم مقام ہوتا، معلوم ہوا کہ جس طرح تیمم وضو کا خلیفہ ہے، اسی طرح غسل کا بھی خلیفہ ہے۔

یہی مذہب جمہور علماء سلفاً وخلفاً اور ائمہ اربعہ کا ہے کہ تیمم حدث اصغر اور حدث اکبر دونوں میں مشروع ہے؛ بلکہ حنفیہ کے نزدیک تو تیمم جنابت کتاب اللہ سے ثابت ہے، اس لئے کہ آیت تیمم میں جو "اولمستم النساء" ہے اس کو حنفیہ جماع پر محمول کرتے ہیں۔ (الدر المنضود: ۱/۴۲۵)

کنا فی سفر: یہ سفر کون سا ہے؟ اس کی تعیین میں اختلاف ہے، کچھ لوگ غزوہ تبوک کا سفر مراد لیتے ہیں، کچھ خیبر سے واپسی کا واقعہ بتاتے ہیں، اس کے علاوہ بھی متعدد اقوال ہیں۔ تحقیق کے لئے دیکھئے۔ (فتح الباری: ۱۴۷، ۲/۱۴۸)

یہ واقعہ جس شب میں پیش آیا اس شب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سو جانے کی وجہ سے نماز فجر قضاء ہوئی، اس کو لیلۃ التعریس کہتے ہیں۔ اس کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ سو جانے کا واقعہ ایک دفعہ ہوا، یا متعدد مرتبہ؟

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ احادیث کا ظاہر بتاتا ہے کہ یہ واقعہ دو بار پیش آیا ہے۔

فصلی بالناس: اسی سے معلوم ہوا کہ فوت شدہ نماز جماعت سے ادا کی جا سکتی ہے؛ کیوں کہ یہاں فوت شدہ فجر کی نماز پڑھانا مراد ہے۔

فلما انفتل: یعنی جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو کر لوگوں کی جانب متوجہ ہوئے۔

اذا ھو برجل: ایک صاحب کو گوشہ میں بیٹھے ہوئے دیکھا یہ صاحب کون تھے؟ حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں مجھے ان کے نام کا علم نہیں، البتہ شیخ سراج ابن الملقن کی شرح عمدہ میں اس بات کی صراحت ہے کہ یہ خلاد ابن رافع ابن مالک انصاری ہیں، جو کہ حضرت رفاعہ کے

بھائی ہیں اور شرکاءِ بدر میں سے ہیں۔(فتح الباری: ۲/۱۵۱)

علیک بالصعید: یعنی جنابت کی صورت میں اگر تم کو پانی نہیں مل رہا ہے تو تمہارے لئے مٹی سے تیمم کرنا ضروری ہے، اس بات سے اندازہ ہوتا ہے کہ آیت تیمم نازل ہو چکی تھی، ان صحابی رضی اللہ عنہ کو تیمم کا طریقہ بھی معلوم تھا، لیکن ان کو یہ نہیں معلوم تھا کہ تیمم جنابت کے لئے بھی کافی ہو سکتا ہے۔صعید سے مراد شوافع کے نزدیک مٹی ہے، حنفیہ کے نزدیک ہر وہ چیز ہے جو زمین کی جنس سے ہو خواہ مٹی ہو یا مٹی کے علاوہ کوئی دوسری شیء ہو۔

فانہ یکفیک: یعنی مٹی کا استعمال پانی کی جگہ کافی ہے، اور جو کام پانی کی طہارت سے لیا جاتا ہے، وہی کام مٹی کی طہارت سے لیا جا سکتا ہے، اور جس طرح غسل کے بعد ہر طرح کے فرائض ونوافل پڑھنا درست ہے، اسی طرح تیمم کرنے کے بعد ہر طرح کی عبادت کرنا درست ہے۔

تیمم طہارت کاملہ ہے یا ضروریہ؟

تیمم طہارت کاملہ ہے یا ضروریہ؟ ہمارے نزدیک تیمم طہارت کاملہ ہے، اور حدیث کے الفاظ "فانہ یکفیک" اس دعویٰ کی واضح دلیل ہے۔

شوافع کے نزدیک تیمم طہارت ضروریہ ہے، ثمرۂ اختلاف یوں ظاہر ہوگا کہ ہمارے یہاں نماز کا وقت آنے سے پہلے بھی تیمم کرنا جائز ہوگا، اور ائمہ ثلاثہ کے یہاں نماز کا وقت آنے سے پہلے تیمم درست نہ ہوگا؛ کیوں کہ ضرورت کا تحقق وقت کے بعد ہی ہوتا ہے، نیز ان کے یہاں خروجِ وقت سے تیمم ٹوٹ جائے گا۔ ہر فرض نماز کے لئے علیحدہ تیمم ضروری ہوگا۔

جنابت کے لئے تیمم

﴿۴۸۶﴾ وَعَنْ عَمَّارٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلٰی عُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فَقَالَ اِنِّی اَجْنَبْتُ فَلَمْ اُصِبِ الْمَاءَ فَقَالَ عَمَّارٌ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ لِعُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَمَا تَذْکُرُ اِنَّا کُنَّا فِیْ سَفَرٍ اَنَا وَاَنْتَ فَاَمَّا اَنْتَ فَلَمْ تُصَلِّ وَاَمَّا اَنَا فَتَمَعَّکْتُ فَصَلَّیْتُ فَذَکَرْتُ ذٰلِکَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّمَا کَانَ یَکْفِیْکَ ھٰکَذَا فَضَرَبَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِکَفَّیْہِ الْاَرْضَ وَنَفَخَ فِیْہِمَا ثُمَّ مَسَحَ بِہِمَا وَجْھَہٗ وَکَفَّیْہِ۔ (رواہ البخاری) وَلِمُسْلِمٍ نَحْوَہٗ وَفِیْہِ قَالَ اِنَّمَا یَکْفِیْکَ اَنْ تَضْرِبَ بِیَدَیْکَ الْاَرْضَ ثُمَّ تَنْفُخَ ثُمَّ تَمْسَحَ بِہِمَا وَجْھَکَ وَکَفَّیْکَ۔

حوالہ: بخاری شریف: ۴۸/ ۱، باب التیمم ھل ینفخ فیھما، کتاب التیمم، حدیث نمبر: ۳۳۸۔ مسلم شریف: ۱۶۱/ ۱، باب التیمم، کتاب الحیض، حدیث نمبر: ۳۶۸۔

حل لغات: تمعک، باب تفعل سے، مصدر تمعُّکًا، مٹی میں لوٹ پوٹ ہونا، مَعَّکَ الدابۃ، چوپائے کو مٹی میں لوٹ پوٹ لگوانا۔

ترجمہ: حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا، اور اس نے کہا میں جنبی ہو گیا ہوں اور مجھ کو پانی نہیں مل رہا ہے، حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ کیا آپ کو یاد نہیں ہے کہ ایک سفر میں میں اور آپ دونوں ساتھ تھے، تو آپ نے تو نماز نہیں پڑھی تھی اور میں نے مٹی میں لوٹ پوٹ ہو کر نماز ادا کر لی تھی، پھر میں نے اس واقعہ کا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ

وسلم سے ذکر کیا، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمہارے لئے بس اس طرح کر لینا کافی ہے، پھر حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھوں کو زمین پر مارا، پھر ان پر پھونک ماری، اس کے بعد دونوں ہاتھوں کو اپنے چہرے پر اور اپنے ہاتھوں پر پھیرا۔ (بخاری) مسلم نے بھی اس طرح کی ایک روایت نقل کی ہے اور اس میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمہارے لئے بس اتنا کافی ہے کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو زمین پر مارو، پھر ان پر پھونکو، اس کے بعد ان دونوں ہاتھوں کو اپنے چہرے اور اپنے دونوں ہاتھوں پر پھیرلو۔

تشریح: انی اجنبت: سوال کرنے والے نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا کہ میں جنبی ہوگیا ہوں غسل کے لئے پانی نہیں مل رہا ہے، اب میں نماز کس طرح ادا کروں؟ یہاں پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کوئی جواب منقول نہیں ہے، لیکن نسائی کی روایت میں ''لاتصل'' یعنی تم نماز نہ پڑھو کے الفاظ ہیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ جواب اسی لئے دیا کہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ جنبی کے حق میں تیمم مشروع نہیں ہے۔

انت فلم تصل: آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو نماز نہیں پڑھی تھی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو اس وقت نماز اسی لئے نہیں پڑھی تھی، کہ ان کو پانی مل جانے کی توقع تھی، ان کا خیال تھا کہ وقت سے پہلے پہلے پانی مل جائے گا؛ لہٰذا غسل کر کے نماز پڑھ لوں گا، یا اس لئے انہوں نے نماز نہیں پڑھی کہ وہ اس کے قائل تھے کہ تیمم کو وضو کا قائم مقام بنایا گیا ہے، غسل کا قائم مقام نہیں ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۸۶)

و اما انا فتمعکت: اور میں مٹی میں لوٹ پوٹ ہوا، اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذہن میں تھا، کہ جس طرح غسل جنابت میں سارے بدن پر پانی بہانا ضروری ہے، اسی طرح تیمم میں مٹی کو سارے بدن پر پہنچانا چاہئے۔

فنفخ فیھما: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھوں پر پھونک مار کر مٹی جھاڑ دی، تا کہ وہ مٹی چہرہ پر لگ کر چہرہ کو خراب نہ کرے۔

قسطلانی کی روایت میں ''ادناھما'' کے الفاظ بھی ہیں، مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے دونوں ہاتھ منہ سے قریب کئے، پھر پھونک ماری اس کا ظاہر یہ ہے کہ اگر دور سے پھونک مارتے تو کچھ غبار باقی رہ جاتی، قریب سے پھونک مارنے کا مقصد یہ تھا کہ غبار اڑ جائے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں کہ پھونک مارنا لازم نہیں ہے؛ البتہ اگر ہاتھوں پر مٹی زیادہ لگ گئی ہے تو ہاتھوں پر پھونک مار لینا بہتر ہے، تا کہ چہرہ بھوت کی طرح نہ ہو جائے۔

ثم مسح بھما وجھه وکفیه: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تیمم صرف ایک ضرب سے کیا، نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف گٹوں تک تیمم کیا۔

تیمم میں ایک ضرب ہے یا دو؟

یہاں پر دو مسائل اختلافی ہیں۔

(۱)......تیمم میں کتنی ضربات ہیں؟

(۲)......مقدار مسح یدین کیا ہے؟

جمہور علماء: جمہور کے نزدیک تیمم میں دو ضربیں ضروری ہیں۔(۱) چہرہ کے لئے۔ (۲) ہاتھوں کے لئے۔ یہ مذہب امام ابو حنیفہؒ و مالکؒ و شافعیؒ کا ہے، نیز ان حضرات کے نزدیک تیمم کہنیوں تک کرنا ضروری ہے۔ اس دوسرے مسئلہ میں امام مالک کا

جمہور سے اختلاف ہے۔

امام احمد: امام احمدؒ کے نزدیک تیمم میں صرف ایک ضرب کافی ہے، نیز صرف کفین تک تیمم کرنا ضروری ہے، دوسرے مسئلہ میں امام مالکؒ بھی امام احمدؒ کے ساتھ ہیں۔

دلائل احناف: (١) حدیث عمار رضی اللہ عنہ **"قلت کنت فی القوم حین نزلت الرخصة فامرنا فضربنا واحدة للوجه ثم ضربة اخریٰ للیدین والمرفقین"**
(٢) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرفوعا روایت ہے: **"التیمم ضربة للوجه، وضربة للذراعین الی المرفقین"** ان دونوں دلیلوں سے یہ بات واضح ہوگئی کہ تیمم کے لئے دو ضربیں ہیں، نیز ہاتھوں پر کہنیوں تک تیمم کیا جائے گا۔

فریق مخالف کی دلیل: ان حضرات کی دلیل حدیث باب ہے، جس میں صرف ایک ضرب کا ذکر ہے، نیز کفین کا ذکر ہے، جس سے معلوم ہو رہا ہے کہ تیمم میں ایک ضرب کافی ہے، نیز صرف گٹوں تک تیمم کرنا فرض ہے۔

جواب: اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ تھا کہ حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تیمم کا طریقہ دکھادیں اور یہ بتادیں کہ جنابت میں تیمم کے لئے مٹی میں لوٹنا ضروری نہیں ہے، مکمل تیمم کی کیفیت بیان کرنا نہ تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیش نظر تھا اور نہ ہی حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے اس اعتبار سے نقل کیا، بلکہ جس طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجمل طور پر اشارہ فرمادیا تھا، اسی طرح حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نقل فرمایا، مقصد یہ تھا کہ جنابت کے لئے تیمم کافی ہے اور وضو والا تیمم کافی ہے، سارے بدن کو ملوث کرنے کی ضرورت نہیں۔

غبار سے تیمم کرنا افضل ہے

﴿۴۸۷﴾ وَعَنْ اَبِیْ الْجُهَیْمِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ الصِّمَّةِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ مَرَرْتُ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ یَبُوْلُ فَسَلَّمْتُ عَلَیْهِ فَلَمْ یَرُدَّ عَلَیَّ حَتّٰی قَامَ اِلٰی جِدَارٍ فَحَتَّهٗ بِعَصًا كَانَتْ مَعَهٗ ثُمَّ وَضَعَ یَدَیْهِ عَلَی الْجِدَارِ فَمَسَحَ وَجْهَهٗ وَذِرَاعَیْهِ ثُمَّ رَدَّ عَلَیَّ۔ وَلَمْ اَجِدْ هٰذِهِ الرِّوَایَةَ فِی الصَّحِیْحَیْنِ وَلَا فِیْ كِتَابِ الْحُمَیْدِیِّ وَلٰكِنْ ذَكَرَهٗ فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ۔

حواله: بغوی فی شرح السنة: ۲/۱۱۴، باب کیفیة التیمم، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۳۱۰۔

حل لغات: حَتَّ (ن) حَتًّا، الشیء، گرانا، یہاں دیوار کا کھرچنا مراد ہے۔

ترجمه: حضرت ابوجہیم ابن حارث ابن صمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس اس وقت گذرا؛ جب کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پیشاب فرمارہے تھے، میں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سلام کیا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا، یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دیوار کے پاس کھڑے ہوئے، اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاتھ میں جو عصا تھا اس سے دیوار کو کھرچا پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھوں کو دیوار پر رکھا، پھر اپنے چہرہ پر اور اپنے دونوں ہاتھوں پر پھیرا، اس کے بعد میرے سلام کا جواب دیا۔ مجھ کو یہ روایت نہ تو صحیحین میں ملی، اور نہ حمیدی کی کتاب میں، البتہ محی السنہ نے

اس روایت کو شرح السنہ میں نقل کیا ہے، اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔

تشــریح: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعض اوقات بغیر طہارت اللہ تعالیٰ کا نام لینا پسند نہیں فرماتے تھے، اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حالت حدث میں جواب نہیں دیا؛ بلکہ تیمم کرنے کے بعد جواب دیا۔

الـی جدار: وہ دیوار یا تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی، یا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی رضی اللہ عنہ کی تھی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان صحابی رضی اللہ عنہ کی رضامندی معلوم تھی کہ دیوار کی مٹی کھرچنے سے ان کو تکلیف نہ ہوگی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لاٹھی سے دیوار کو کھرچا، مقصد یہ تھا کہ دیوار سے غبار اٹھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی سے تیمم کریں، غبار سے تیمم کرنا افضل اور زیادہ ثواب کا باعث ہے۔ یا پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلئے کھرچا تاکہ دیوار پر جو گندگی ہے وہ زائل ہو جائے۔ علامہ طیبیؒ کہتے ہیں اس حدیث سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ تیمم کیلئے ایک ضرب کافی ہے۔

ثـــم رد: یہیں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ذکر الٰہی کے لئے طہارت اختیار کرنا مستحب ہے، نیز یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ سلام کا جواب دینا واجب ہے؛ لیکن فوری طور پر جواب دینا لازم نہیں ہے۔

صاحب مرقات فرماتے ہیں کہ یہ ان جگہوں میں سے ہے جہاں مسلمان سلام کے جواب کا مستحق نہیں ہوتا۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جواب دیا یہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان کریمی میں سے ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۸۷)

لـم اجـد: صاحب مشکوۃ کہتے ہیں کہ حدیث مجھ کو بخاری و مسلم میں نہیں ملی، لہٰذا فصل اول میں اس کا ذکر کرنا مناسب نہیں تھا، لیکن میں نے مصنف (یعنی صاحب مصابیح محی السنہ علامہ بغویؒ) کی اتباع میں اس کو فصل اول میں ذکر کر دیا ہے۔

حدیث باب کا جواب: یہ حدیث بظاہر احناف کے مذہب کے خلاف ہے؛ کیوں کہ اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہو رہا ہے کہ تیمم کے لئے ایک ضرب ہے، حالانکہ روایات کثیرہ سے تیمم کے لئے دو ضربوں کا ہونا ثابت ہے، لہٰذا دو ضربوں والی روایات کو ترجیح دی جائے گی، اور یہ روایت مرجوح ہوگی، نیز یہاں ایک کا عدد دو کے منافی نہیں ہے؛ کیوں کہ قاعدہ ہے: "**عدد القلیل لاینفی مافوقه**" (اور یہ قاعدہ اس وجہ سے) ہے کہ عدد کا مفہوم معتبر نہیں ہوتا ہے۔

نیز یہاں تیمم کی تعلیم مقصود نہیں تھی بلکہ تیمم کا طریقہ جو پہلے سے معلوم تھا اسی کی طرف اشارہ کرنا مقصود تھا، اصل مقصود صحابیؓ کو جو شبہ ہو رہا تھا کہ حدث اصغر اور حدث اکبر کے تیمم میں فرق ہوگا، اس شبہ کو دور کرنا مقصود تھا، کہ جو تیمم حدث اصغر کے لئے ہے وہی حدث اکبر کے لئے بھی کافی ہے، یہاں تیمم کی تعلیم مقصود نہیں، لہٰذا اس سے استدلال کرنا صحیح نہیں۔ فقط

﴿الفصل الثانی﴾

تیمم وضو کے مانند ہے

﴿۴۸۸﴾ **وَعَنْ** اَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الصَّعِیْدَ الطَّیِّبَ وَضُوْءُ الْمُسْلِمِ وَاِنْ لَمْ یَجِدِ الْمَاءَ عَشَرَ سِنِیْنَ فَاِذَا وَجَدَ الْمَاءَ فَلْیَمَسَّہُ بَشَرَہٗ فَاِنَّ ذٰلِکَ خَیْرٌ۔ (رواہ احمد والترمذی وابوداؤد) وَرَوَی النَّسَائِیُّ نَحْوَہٗ اِلٰی قَوْلِہٖ عَشَرَ سِنِیْنَ۔

حوالہ: مسند احمد: ۵/۱۵۵، ترمذی شریف: ۳۲/۱، باب التیمم للجنب، اذا لم یجد الماء، حدیث نمبر: ۱۲۴۔ ابوداؤد شریف: ۴۸/۱، باب الجنب تیمم، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۳۳۲۔ نسائی شریف: ۴۹/۱، باب

الصلوۃ بتیمم واحد، کتاب الطھارۃ، حدیث نمبر:۳۲۱۔

ترجمہ: حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلاشبہ پاک مٹی مسلمان کے لئے وضو کے مانند ہے، اگر چہ وہ دس سال تک پانی نہ پائے، پھر وہ جب پانی پائے تو اسی کو اپنے بدن پر لگائے، یعنی وضو یا غسل کرے، یہی اس کے لئے بہتر ہے۔ (احمد، ترمذی، ابو داؤد) اور نسائی نے بھی اسی طرح "عشر سنین" تک روایت نقل کی ہے۔

تشریح: تیمم وضو کا قائم مقام ہے، جس طرح ایک وضو سے متعدد نمازیں پڑھنا جائز ہے، نیز کسی نماز کا وقت نکلنے سے وضو ٹوٹتا نہیں ہے، اسی طرح تیمم کا بھی حکم ہے، البتہ پانی کے حاصل ہونے کے بعد تیمم کرنا درست نہیں ہے۔

ان الصعید: مٹی ہو یا زمین کی جنس کی دوسری چیز ہو، اس سے تیمم کرنا جائز ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ وہ پاک ہو، پاک کرنے والی ہو، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہاں یہ بات بتادی کہ پانی نہ ہونے کے وقت پاک مٹی وہی کام کرتی ہے؛ جو وضو اور غسل کا ہے، تیمم پانی کی طرح حدث کو ختم کرنے والا ہے، ایسا نہیں ہے کہ تیمم سے حدث باقی رہتے ہوئے نماز وغیرہ کی ادائیگی کی صرف اجازت مل جاتی ہے۔

عشر سنین: یہاں کثرت مراد ہے، مدت کو مقرر کرنا مقصد نہیں ہے، مطلب یہ ہے کہ وقت نکلنے سے تیمم ختم نہیں ہوتا؛ بلکہ تیمم جب تک حدث پیش نہیں آتا، باقی رہتا ہے، مثال کے طور پر اگر کسی نے ظہر کی نماز کے لئے تیمم کیا، تو ظہر کا وقت ختم ہونے سے تیمم ختم نہیں ہوگا، اسی بات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "عشر سنین" سے بیان فرمایا ہے، یعنی اگر بالفرض کسی کو دس سال تک حدث پیش نہ آئے تو اس کا تیمم دس سال تک باقی رہیگا۔

اشکال مع جواب

اشکال: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہ وہ ہر نماز کے لئے تیمم کرتے تھے۔

جواب: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا عمل استحباب پر محمول ہے، یعنی ہر نماز کے لئے تیمم کرنا مستحب ہے، فرض نہیں ہے۔

فاذا وجد الماء: یعنی اگر کسی کو حدث اکبر لاحق ہے، پھر غسل کے بقدر اور اگر حدث اصغر لاحق ہے، تو وضو کے بقدر پانی حاصل ہو گیا اور پانی اس کے پینے کی ضرورت سے زائد بھی ہے، نیز وہ پانی کے استعمال پر قادر بھی ہے، تو اس کو اپنی کھال تک پانی پہنچانا لازم ہے، یعنی اگر حدث اکبر لاحق ہے تو غسل کرنا اور اگر حدث اصغر لاحق ہے تو وضو کرنا ضروری ہے۔

فان ذلک خیر: پانی ملنے کے بعد تیمم باطل ہو جاتا ہے۔ یہاں یہ مطلب نہیں ہے کہ وضو اور تیمم دونوں کرنا جائز ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ وضو کرنا فرض ہے تیمم درست نہیں۔

تنبیہ: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تیمم چونکہ طہارت ضروریہ ہے، اس لئے ہر فرض نماز کے لئے علیحدہ تیمم ضروری ہوگا، یہ حدیث ان کے خلاف صریح حجت ہے۔

زخم پر مسح کرنا چاہئے

﴿۴۸۹﴾ وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ خَرَجْنَا فِيْ سَفَرٍ

فَاَصَابَ رَجُلًا مِنَّا حَجَرٌ فَشَجَّهُ فِيْ رَأْسِهٖ فَاحْتَلَمَ فَسَأَلَ اَصْحَابَهٗ هَلْ تَجِدُوْنَ لِيْ رُخْصَةً فِي التَّيَمُّمِ قَالُوْا مَانَجِدُ لَكَ رُخْصَةً وَاَنْتَ تَقْدِرُ عَلَى الْمَاءِ فَاغْتَسَلَ فَمَاتَ فَلَمَّا قَدِمْنَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُخْبِرَ بِذٰلِكَ قَالَ قَتَلُوْهُ قَتَلَهُمُ اللّٰهُ اَلَا سَأَلُوْا اِذْ لَمْ يَعْلَمُوْا فَاِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّؤَالُ اِنَّمَا كَانَ يَكْفِيْهِ اَنْ يَتَيَمَّمَ وَيَعْصِبَ عَلٰى جُرْحِهٖ خِرْقَةً ثُمَّ يَمْسَحَ عَلَيْهَا وَيَغْسِلَ سَائِرَ جَسَدِهٖ۔ (رواہ ابوداؤد) وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ اَبِيْ رَبَاحٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ۔

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۴۹/ ۱، باب في المجروح يتيمم، كتاب الطهارة، حدیث نمبر:۳۳۶۔ابن ماجه:۴۳، باب في المجروح تصيبه الجنابة، كتاب الطهارة، حدیث نمبر:۵۷۲۔

حل لغات: شَجَّهُ (ن) شَجًّا، راسه وفي رأسه، سرکوزخمی کرنا،سرکی کھال پھاڑنا،العِیُّ، ج الاَعْيَاءُ، ناواقف،عَيَّ (س)عِيًّا، وَعَيَاءً، الامْرُ وبالامر، ناواقف ہونا،يُعَصِّبُ عَصَّبَ، تَعْصِيب (تفعیل سے) پٹی باندھنا،خَرقه، چیتھڑے، پھٹے کپڑے کاٹکڑا،ج خرق.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک سفر میں نکلے تو ہم میں سے ایک شخص کو پتھر لگا جس کی وجہ سے ان کے سر میں زخم ہوگیا، اور پھر ان کو غسل کی حاجت ہوگئی، انہوں نے اپنے کچھ ساتھیوں سے پوچھا کیا تم لوگ میرے لئے تیمم کی رخصت پاتے ہو؟ لوگوں نے جواب دیا: ہم لوگ سمجھتے ہیں کہ تمہارے لئے تیمم کی رخصت نہیں ہے، تم کو تو پانی دستیاب ہے، چنانچہ ان صاحب نے غسل کرلیا، جس کی وجہ سے ان کا انتقال ہوگیا، پھر جب ہم لوگ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے، اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم میں یہ بات آئی، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان لوگوں نے اس کو قتل کر دیا، اللہ تعالیٰ ان کو قتل کرے۔ جب ان لوگوں کو مسئلہ معلوم نہیں تھا تو انہوں نے دریافت کیوں نہیں کیا؟ لاعلمی کی بیماری کا علاج پوچھ لینا ہے، اس شخص کے لئے یہ بات کافی تھی کہ وہ تیمم کرتا، اور زخم پر پٹی باندھ کر اس پر مسح کرتا اور بقیہ تمام بدن دھولیتا، (ابو داؤد) ابن ماجہ نے اس روایت کو عطاء ابن ابو رباح سے اور انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث سے تین باتیں سمجھ میں آتی ہیں۔

(۱)...... پانی موجود ہونے کے باوجود اگر اس کے استعمال سے ہلاکت کا اندیشہ یا مرض بڑھ جانے کا خوف ہو، تو پانی کے استعمال کے بجائے تیمم کرنا چاہئے۔

(۲)...... اگر آدمی کو کسی چیز کا علم نہیں ہے تو اس کے بارے میں منھ شگافی نہ کرنا چاہئے۔ اہل علم حضرات سے اس کو دریافت کرلینا چاہئے۔

(۳)...... زخم پر اگر پٹی بندھی ہے تو اس پٹی پر مسح کرنا چاہئے۔

ما نجد لک رخصۃ: جن لوگوں سے مسئلہ پوچھا گیا تھا وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ تیمم کی سہولت اسی وقت ہے جب پانی موجود نہ ہو اور یہ بات انہوں نے قرآن مجید کے ظاہری الفاظ "فلم تجدوا ماء" سے سمجھی تھی؛ لہٰذا انہوں نے مسئلہ بتایا کہ تمہارے لئے تیمم کرنا جائز نہیں ہے۔

قتلوہ: اس میں ہلاکت کی نسبت لوگوں کی طرف کی گئی ہے، اس لئے کہ بظاہر یہی لوگ ان صحابی کی موت کا سبب بنے تھے۔

فانما شفاء العی السوال: ناواقف کی شفا اہل علم سے معلوم کرنے میں ہے، عیّ کے معنی کلام پر قدرت کا نہ ہونا، یہاں مراد علم کا نہ ہونا ہے۔ اس وجہ سے کہ بولنا اسی کو زیب دیتا ہے جس کو علم ہوتا ہے۔

زخمی غسل اور تیمم جمع کرے گا یا نہیں؟

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر زخمی کو غسل جنابت کی حاجت ہوگئی، تو وہ زخمی حصہ کو نہ دھوئے بلکہ اس پر مسح کرے، نیز تیمم کرے اور بقیہ اعضاء کو دھوئے؛ لیکن یہ بات متفق علیہ نہیں ہے۔

امام صاحب کا مذہب: حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک زخمی کے جسم کے اکثر حصہ کا اعتبار ہوگا، اگر وہ مجروح ہے تو صرف تیمم کرے اور اگر بدن کا اکثر حصہ صحیح ہے تو اس حصہ کا غسل کرے اور باقی کا مسح۔ غسل اور تیمم کو جمع نہیں کیا جائے گا۔

دلیل: (١) ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یمسح علی الجبائر.

(٢) انہ علیہ السلام "اذا توضأ عن عصابتہ ومسح علیھا بالوضوء" معلوم ہوا کہ زخم ہونے کی صورت میں جمع بین الغسل و التیمم نہیں ہے۔

امام شافعیؒ کا مذہب: امام شافعیؒ و احمدؒ کے نزدیک زخمی تیمم کرے گا اور بدن کے صحیح حصہ کو پانی سے دھوئے گا، یعنی یہ حضرات جمع بین الغسل و التیمم کے قائل ہیں ان حضرات کی دلیل حدیث باب ہے۔

جواب: یہ حدیث ضعیف ہے۔ چنانچہ امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ: "اتفقوا علی ضعفہ" اس حدیث کے متن و رواۃ میں بہت اختلاف و اضطراب ہے، نیز یہ حدیث قیاس کے بھی مخالف ہے، کیونکہ اس حدیث پر عمل کرنے کی صورت میں بدل و مبدل منہ کا جمع کرنا لازم آتا ہے، حضرت سہارنپوریؒ نے بذل میں ذکر فرمایا ہے کہ: اس حدیث میں تاویل کی جائیگی۔ یہاں پر "ان یتیمم ویعصب" میں جو 'واؤ' ہے اس "واو" کو "اَو" کے معنی میں لیا جائیگا۔ اب مطلب یہ ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے طہارت کے دو

طریقے ذکر فرمائے۔(۱) تیمم کرے۔(۲) پٹی باندھنے کے بعد اس پر مسح کرے اور باقی بدن کو دھوئے، خلاصہ یہ ہے کہ ان دوطریقوں میں سے کسی ایک طریقہ پر عمل کیا جائے نہ کہ دونوں کو جمع کیا جائے۔

تیمم سے پڑھی ہوئی نماز کا اعادہ لازم نہیں

﴿۴۹۰﴾ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ خَرَجَ رَجُلَانِ فِیْ سَفَرٍ فَحَضَرَتِ الصَّلٰوۃُ وَلَیْسَ مَعَھُمَا مَاءٌ فَتَیَمَّمَا صَعِیْدًا طَیِّبًا فَصَلَّیَا ثُمَّ وَجَدَا الْمَاءَ فِی الْوَقْتِ فَاَعَادَ اَحَدُھُمَا الصَّلٰوۃَ بِوُضُوْءٍ وَلَمْ یُعِدِ الْاٰخَرُ ثُمَّ اَتَیَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَذَکَرَا ذٰلِکَ فَقَالَ لِلَّذِیْ لَمْ یُعِدْ اَصَبْتَ السُّنَّۃَ وَاَجْزَاَتْکَ صَلَاتُکَ وَقَالَ لِلَّذِیْ تَوَضَّاَ وَاَعَادَ لَکَ الْاَجْرُ مَرَّتَیْنِ۔ (رواہ ابوداؤد والدارمی) وَرَوَی النَّسَائِیُّ نَحْوَہٗ وَقَدْ رَوٰی ھُوَ وَاَبُوْدَاوٗدَ اَیْضًا عَنْ عَطَاءِ بْنِ یَسَارٍ مُرْسَلًا۔

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۴۹/ ۱، باب فی التیمم یجد الماء بعد ما یصلی فی الوقت، کتاب الطھارۃ، حدیث نمبر:۳۳۸۔ نسائی شریف: ۴۹، باب التیمم لمن یجد الماء بعد الصلوۃ، کتاب الغسل و التیمم، حدیث نمبر:۴۳۳۔ دارمی:۲۰۷/ ۱، باب التیمم، کتاب الطھارۃ.

تنبیہ: نسائی کے الفاظ کچھ بدلے ہوئے ہیں۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دو آدمی ایک سفر میں نکلے۔(راستہ میں) نماز کا وقت آ گیا اور ان دونوں کو پانی میسر نہیں تھا، چنانچہ ان دونوں

نے پاک مٹی سے تیمم کیا اور نماز پڑھ لی، پھر وقت کے اندر ہی ان کو پانی مل گیا، اب ان میں سے ایک نے تو یہ کیا کہ وضو کر کے نماز لوٹائی، لیکن دوسرے نے نماز نہیں لوٹائی، پھر وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس واقعہ کا ذکر کیا، تو جس نے نماز نہیں لوٹائی تھی اس سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ تم نے سنت پالی اور تمہاری وہ نماز تمہارے لئے کافی ہوئی اور جس نے وضو کیا اور نماز لوٹائی اس سے یہ فرمایا: کہ تمہیں دہرا اجر ملا، (ابوداؤد، دارمی) نسائی نے اسی طرح روایت نقل کیا ہے؛ لیکن نسائی اور ابوداؤد نے اس روایت کو عطاء ابن یسار سے مرسلاً نقل کیا ہے۔

تشریح: اگر کسی شخص نے پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم کر کے نماز ادا کر لی، پھر اس نماز کا ابھی وقت باقی تھا کہ پانی دستیاب ہو گیا، تو پانی کے دستیاب ہونے کی وجہ سے اس پر اعادہ لازم نہیں ہے؛ لیکن اگر کسی نے نماز لوٹائی تو دوسری نماز نفل شمار ہوگی۔

خرج رجلان: دو آدمی کون ہیں؟ اس کی صراحت نہیں ہے۔

فحضرت الصلوة: یعنی نماز کا وقت آ گیا۔

فاعاد احدھما: یا تو اس گمان سے نماز کا اعادہ کیا کہ پہلی نماز باطل ہے۔ یا پھر احتیاطاً اعادہ صلاۃ کیا۔

فقال للذی لم یعد: یعنی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس شخص سے جس نے نماز کا اعادہ نہیں کیا تھا فرمایا: تو نے طریقہ مشروع کے مطابق کیا، کیوں کہ شریعت کا یہی حکم ہے، کہ پانی دستیاب نہ ہونے کی صورت میں تیمم کر کے نماز پڑھ لی جائے اور پانی دستیاب ہونے پر وضو کر کے اس نماز کو لوٹانے کی ضرورت نہیں۔

لک الاجر مرتین: دوسرے شخص سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمہارے لئے دوہرا ثواب ہے، یعنی تیمم کر کے جب نماز ادا کی تو اس سے

فرض ادا ہوئی اس کا ثواب ملا، پھر دوسری نماز وضو کر کے پڑھی وہ نفل ہوگئی، اس کا بھی ثواب ملا، معلوم ہوا کہ احتیاط پر عمل کرنا افضل ہے؛ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دوسری جگہ فرمان بھی ہے: "دع مایریبک الی ما لایریبک"

وقت کے اندر پانی مل جائے تو کیا کیا جائے؟

ایک شخص نے پانی نہ ملنے کی وجہ سے تیمم کر کے نماز ادا کر لی، نماز کی ادائیگی کے بعد ابھی اس نماز کا وقت باقی ہے کہ پانی مل گیا، تو کیا اس صورت میں نماز کا اعادہ ہے یا نہیں؟

ائمۂ اربعہ کا مذہب: ایسی صورت میں ائمہ اربعہ کے یہاں بالاتفاق نماز کا اعادہ نہیں ہے؛ البتہ امام زہریؒ وغیر کے نزدیک اعادہ واجب ہے۔ یہاں دو صورتیں اور ہیں، ان میں ائمہ اربعہ کے مابین بھی کچھ اختلاف ہے؛ لہٰذا پہلے ان دونوں صورتوں کو بھی ذکر کیا جاتا ہے پھر دلائل ذکر کرنا مناسب ہوگا۔

(۱)۔۔۔۔۔پہلی صورت تیمم کے بعد نماز شروع کرنے سے پہلے پانی مل گیا۔

(۲)۔۔۔۔۔دوسری صورت اثناء نماز میں پانی میسر ہوگیا۔

پہلی صورت میں سب کا اتفاق ہے کہ تیمم باطل ہو جائے گا وضو سے نماز پڑھنا ضروری ہے؛ البتہ داؤد ظاہری کہتے ہیں کہ وضو کی حاجت نہیں، اسی تیمم سے نماز پڑھ لی جائے۔ اس لئے کہ تیمم شرائط کے پائے جانے کے بعد کیا گیا تھا جو کہ ایک عمل ہے اور ابطال عمل جائز نہیں، وہ دلیل میں قرآن کریم کی آیت "لاتبطلوا اعمالکم" پیش کرتے ہیں، جمہور کہتے ہیں کہ وضو کر کے نماز ادا کریگا؛ کیونکہ تیمم کی طہوریت صرف عدم وجدان ماء تک ہے، پانی مل جانے کی صورت میں "فاغسلوا وجوھکم" کا حکم ہے، اور انہوں نے جو دلیل "لاتبطلوا اعمالکم" پیش کی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں ابطال عمل نہیں ہے، بلکہ اتمام صلوۃ

ہے؛ کیوں کہ پانی کے ہوتے ہوئے تیمم کر کے نماز پڑھنا عدم اتمام صلوۃ ہے۔ اور پانی کا استعمال اتمام ہے۔ دوسری صورت میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تیمم باطل ہوجائے گا امام شافعیؒ وامام مالکؒ کے نزدیک باطل نہ ہوگا، امام صاحب یہاں بھی فرماتے ہیں کہ "فاغسلوا وجوھکم" کا حکم لوٹ آئے گا، شوافع یہاں آیت "لاتبطلوا اعمالکم" سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نماز کو درمیان سے توڑنا ابطال عمل ہے، ہم یہاں بھی اس آیت کا وہی جواب دیں گے جو گذشتہ سطور میں گذرا۔ واللہ اعلم

﴿الفصل الثالث﴾

حضر میں تیمم کرنے کا بیان

﴿۴۹۱﴾ وَعَنْ اَبِیْ الْجُهَیْمِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ الصِّمَّةِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ اَقْبَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنْ نَحْوِ بِئْرِ جَمَلٍ فَلَقِیَهُ رَجُلٌ فَسَلَّمَ عَلَیْهِ فَلَمْ یَرُدَّ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰی اَقْبَلَ عَلَی الْجِدَارِ فَمَسَحَ بِوَجْهِهٖ وَیَدَیْهِ ثُمَّ رَدَّ عَلَیْهِ السَّلَامَ۔ (متفق علیه)

حوالہ: صحیح بخاری شریف: ۴۸/ ۱، باب التیمم فی الحضر، کتاب التیمم، حدیث نمبر: ۳۳۷۔ مسلم شریف: ۱۶۱/ ۱، باب التیمم، کتاب الحیض، حدیث نمبر: ۳۶۹۔

ترجمہ: حضرت ابوجہیم بن حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم "جمل" نامی کنویں کے پاس تشریف لائے، تو ایک

صاحب نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ملاقات کی پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سلام کیا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو جواب نہیں دیا؛ بلکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک دیوار کے پاس تشریف لائے، پھر اپنے چہرے اور اپنے دونوں ہاتھوں کا مسح کیا، اس کے بعد سلام کا جواب دیا۔

تشریح: یہ حدیث یہاں مختصر ہے، دوسری جگہ اس کی تفصیل موجود ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ ابو جہیم رضی اللہ عنہ نے جس وقت سلام کیا اس وقت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باوضو نہیں تھے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بغیر وضو کے اللہ تعالیٰ کا نام لینا نہیں چاہتے تھے؛ چونکہ سلام کے جواب میں ''السلام'' اللہ تعالیٰ کا نام ہے؛ اس لئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سلام کا جواب فوراً نہیں دیا اس کے بعد ابو جہیم کسی گلی میں مڑنے والے تھے کہ حضرت پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خیال فرمایا کہ اگر یہ چلے گئے تو جواب دینا باقی رہ جائے گا؛ چنانچہ فوراً تیمم کر کے جواب عنایت فرمایا۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے یہ بات ناپسند معلوم ہوئی کہ بغیر طہارت کے خدا کا نام لوں۔

نحو بئر جمل: امام بخاریؒ نے اس حدیث کو ''باب التیمم فی الحضر'' میں ذکر کیا ہے، امام بخاریؒ اس حدیث سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حضر میں بھی تیمم جائز ہے، کیونکہ بئر جمل مدینہ سے قریب ایک جگہ کا نام ہے۔

فلقیہ رجل: ''رجل'' خود راوی حدیث ''عبداللہ بن جہیم'' ہیں۔

حتی اقبل علی الجدار: دارقطنی میں اسحاق کی روایت میں جو الفاظ ہیں وہ یہ ہیں ''حتی وضع یده علی الجدار'' [یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ دیوار پر رکھے] امام شافعیؒ نے اس پر ''فحته بعصا'' کے الفاظ کا اضافہ فرمایا ہے۔ (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیوار کو لاٹھی سے کھرچا) وہ دیوار یا تو کسی کی

ملکیت میں نہیں تھی، یا ایسے شخص کی ملکیت میں تھی جس کی مرضی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاصل تھی۔ (فتح الباری: ۲/۱۳۰)

خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فوری طور پر تیمم کر کے جواب مرحمت فرمایا۔

فائدہ: اس حدیث سے حنفیہ نے ایک مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ ہر وہ عبادت جو فائت لاالی الخلف ہو، یعنی جس کی قضا نہ ہو، مثلاً "صلوٰۃ الجنازۃ، صلوٰۃ العیدین" وغیرہ اگر وضو کرنے کی صورت میں دیر ہو جانے کی وجہ سے اس کے فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو تو تیمم جائز ہے۔

ہاتھ کے کس حصہ تک تیمم کیا جائے۔

﴿۴۹۲﴾ وَعَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ أَنَّهٗ كَانَ يُحَدِّثُ أَنَّهُمْ تَمَسَّحُوْا وَهُمْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالصَّعِيْدِ لِصَلٰوةِ الْفَجْرِ فَضَرَبُوْا بِأَكُفِّهِ الصَّعِيْدَ ثُمَّ مَسَحُوْا بِوُجُوْهِهِمْ مَسْحَةً وَاحِدَةً ثُمَّ عَادُوْا فَضَرَبُوْا بِأَكُفِّهِمُ الصَّعِيْدَ مَرَّةً أُخْرٰى فَمَسَحُوْا بِأَيْدِيْهِمْ كُلِّهَا إِلَى الْمَنَاكِبِ وَالْآبَاطِ مِنْ بُطُوْنِ أَيْدِيْهِمْ۔ (رواه ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/۴۵، باب التیمم، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۳۱۸۔

حل لغات: اَلْمَنَاكِبِ، جمع ہے، واحد اَلْمَنْكِبُ، مونڈھا، کندھے اور شانے کا جوڑ، الْآبَاط، جمع ہے، واحد الابطُ، بغل۔

ترجمہ: حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتے تھے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے فجر کی نماز کے لئے اس وقت تیمم کیا جب کہ وہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے؛ چنانچہ انہوں نے پاک مٹی پر اپنے ہاتھوں کو مارا، پھر ان ہاتھوں کو اپنے چہروں پر ایک بار پھیرا، پھر دوبارہ اسی طرح کیا؛ چنانچہ انہوں نے پاک مٹی پر اپنے ہاتھوں کو مارا اور ان ہاتھوں کو اپنے دونوں ہاتھوں کے سارے حصے پر پھیرا، یہاں تک کہ مونڈھوں اور بغلوں پر بھی اپنے ہاتھوں کی اندر کی جانب پھیرا۔

تشریح: شروع دور میں کچھ صحابہ ہاتھوں کا مسح مونڈھوں تک کرتے تھے، لیکن چوں کہ تیمم وضو کا خلیفہ ہے، لہٰذا اس میں تیمم کہنیوں تک ہی لازم ہے، اور احادیث صحیحہ سے بھی یہی ثابت ہے، چنانچہ بعد میں ان صحابہ نے بھی مونڈھوں تک تیمم کو ترک کر کے کہنیوں تک تیمم شروع کر دیا۔

تمسحوا: مراد تیمم ہے۔

مسحۃ واحدۃ: مکمل چہرے کا تیمم کرتے تھے، اس بات پر اجماع ہے کہ تیمم میں تکرار نہیں ہے، یعنی منہ اور ہاتھ پر صرف ایک ایک بار تیمم کیا جائے گا۔

من بطون ایدیھم: یعنی دونوں ہاتھوں کے سارے حصے پر پھیرا، یعنی انہوں نے انگلیوں کے پوروں سے لیکر بغلوں تک مکمل ہاتھ پر تیمم کیا۔ یہ حدیث بظاہر احناف کے خلاف ہے، اس وجہ سے کہ احناف کے نزدیک تیمم کہنیوں تک کیا جائے گا، اور اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تیمم کندھوں تک کیا جائے گا۔

حدیث باب کا جواب: صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے کندھوں تک تیمم اس لئے کیا کہ ید کا اطلاق لغوی طور پر انگلیوں سے مونڈھوں تک ہوتا ہے، یہ حدیث حجت نہیں ہے، کیوں کہ بہت سی احادیث قولیہ وفعلیہ سے یہ ثابت ہے کہ تیمم کہنیوں

تک کیا جائے گا، نیز امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مسح الی المرفقین کی حدیث سے منسوخ ہے، کیونکہ یہ مسح کی حد معلوم ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے، نیز تیمم وضو کا خلیفہ ہے، اور وضو میں غسل الید الی المرفقین کی صراحت ہے۔لہٰذا تیمم میں "فامسحوا بوجوهكم وايديكم" میں ایدی سے مراد کہنیوں تک ہاتھ کا تیمم ہوگا۔

باب الغسل المسنون

رقم الحدیث:...... ۴۹۳/ تا ۵۰۰/

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب الغسل المسنون

(غسل مسنون کا بیان)

﴿الفصل الاول﴾

جمعہ کے دن غسل

﴿۴۹۳﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جَاءَ أَحَدُکُمُ الْجُمُعَةَ فَلْیَغْتَسِلْ۔ (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱۲۰/ ۱، باب فضل الغسل یوم الجمعة، کتاب الجمعة، حدیث نمبر: ۸۷۷۔ مسلم شریف: ۲۷۹/ ۱، کتاب الجمعة، حدیث نمبر: ۸۴۴۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ تم میں سے جب کوئی جمعہ کی نماز کے لئے آئے تو اس کو غسل

کرلینا چاہئے۔

تشریح: جمعہ کے دن غسل کرکے مسجد میں نماز کی ادائیگی کے لئے جانا چاہئے۔

اذا جاء احدکم: یعنی جب تم میں سے کوئی شخص جمعہ کی نماز کی ادائیگی کے لئے جانے کا ارادہ کرے تو وہ غسل کرے، حضرت نافع رضی اللہ عنہ کی روایت میں ''صلوٰتہا'' کے الفاظ کے ساتھ صراحت ہے،

فائدہ: معلوم ہوا کہ غسل نماز جمعہ کے لئے ہے، نہ کہ یوم جمعہ کے لئے۔(مرقاۃ:۹۱/۲)

غسل جمعہ واجب ہے یا مسنون؟

جمہور کا مذہب: امام ابوحنیفہؒ امام شافعیؒ امام احمدؒ سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ غسل جمعہ سنت ہے، واجب نہیں ہے۔

دلائل: (۱)...... ''قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من توضأ یوم الجمعة فبها ونعمت ومن اغتسل فالغسل افضل'' [حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جس شخص نے جمعہ کے دن وضو کیا، اس نے اچھا کیا، اور عمدہ کیا اور جس شخص نے غسل کیا پس غسل کرنا افضل ہے۔]

(۲)...... ''قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من توضأ فاحسن الوضوء ثم اتی الجمعة فدنا واستمع وانصت غفرله مابینه وبین الجمعة'' [حضرت رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جس شخص نے وضو کیا اور وضو کو عمدہ کیا، پھر جمعہ کے لئے آیا اور امام کے قریب ہوا، اور خاموش ہوکر خطبہ کو سنا تو اس کے دوسرے جمعہ کے درمیان کے گناہوں کی مغفرت کردی جائے گی۔]

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صرف وضو کا ذکر فرمایا ہے، غسل کا

کوئی تذکرہ نہیں کیا، ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ غسل جمعہ فرض یا واجب نہیں ہے۔

ظواہر کا مذہب: ظواہر کے نزدیک غسل جمعہ واجب ہے، امام مالکؒ کی طرف بھی یہ قول منسوب ہے۔

دلیل: ان حضرات کی دلیل حدیث باب ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غسل جمعہ کے بارے میں "**فلیغتسل**" فرمایا: یہ صیغۂ امر ہے، معلوم ہوا غسل جمعہ واجب ہے۔

جواب: یہ امر استحباب کے لئے ہے وجوب کے لئے نہیں ہے۔(۲) غسل جمعہ کو ابتداء میں ایک عارض کی وجہ سے فرض قرار دیا گیا تھا جب وہ عارض ختم ہو گیا تو غسل جمعہ بھی فرض نہیں رہا، ابتداء اسلام میں مسجد نبوی تنگ تھی، لوگ اون کے کپڑے پہنتے تھے، محنت مزدوری کثرت سے کرتے تھے؛ اس لئے جب ان کو پسینہ آتا تو لوگوں کو تکلیف ہوتی تھی، ان وجوہ کی بناء پر غسل جمعہ کو واجب قرار دیا گیا تھا۔

جمعہ کا غسل جمعہ کی نماز کے لئے ہے یا جمعہ کے دن کے لئے؟

ایک اختلافی مسئلہ یہ بھی ہے کہ جمعہ کا غسل جمعہ کی نماز کے لئے ہے یا جمعہ کے دن کے لئے ہے؟

جمہور علماء اور ائمہ اربعہ کے نزدیک جمعہ کا غسل دراصل نماز جمعہ کے لئے ہے، اور اسی غسل اور اس کے وضو سے جمعہ کی نماز پڑھنی چاہئے۔

اور امام محمد اور حسن بن زیاد اور داؤد ظاہری کے نزدیک جمعہ کا غسل جمعہ کے دن کی تعظیم وتکریم کے واسطے ہے۔(الدر المنضود:۱/۴۴۳)

ثمرۂ اختلاف

جو حضرات غسل جمعہ کو صلوۃ جمعہ کی سنت قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک سنت تبھی پوری ہوگی جب کہ اس غسل سے نماز اداء کرے اگر صبح سویرے غسل کرلیا اور اس سے نماز نہ ادا کی گئی تو سنت اداء نہ ہوگی۔ اور جو حضرات اس کو یوم جمعہ کی سنت قرار دیتے ہیں، ان کے نزدیک اگر صبح سویرے غسل کرلیا اس کے ساتھ نماز ادا ہو یا نہ سنت پوری ہو جائے گی، لیکن یہ بات یاد رہے کہ اگر نماز جمعہ کے بعد غسل کیا تو کسی کے نزدیک بھی سنت ادا نہ ہوگی، اس لئے کہ جو حضرات اسے یوم جمعہ کی سنت قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک بھی ادائیگی سنت کے لئے صلوٰۃ جمعہ سے پہلے پہلے غسل ہو جانا ضروری ہے۔

فائدہ

اس مسئلہ میں اختلاف مذکور مشہور ہے، ہر فریق اپنی اپنی تائید میں حدیثیں پیش کرتا ہے، جس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ان حدیثوں میں اختلاف وتعارض ہے اور اس وقت تطبیق یا ترجیح کی ضرورت ہوتی ہے۔ حضرت شیخ الحدیث سہارنپوری قدس سرہ نے اوجز المسالک میں اس مقام پر نہایت لطیف تقریر فرمائی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ احادیث میں کوئی تعارض نہیں، اس لئے کہ تین قسم کے غسل مستقل طور پر شریعت کی نظر میں مستحب ہیں، ایک غسل یوم جمعہ، دوسرے غسل صلوۃ جمعہ، تیسرے غسل اسبوع یعنی ہفتہ میں ایک مرتبہ غسل کرنا۔ تین قسم کی حدیثیں ہیں، وہ ان تینوں قسم کے غسلوں کے استحباب کو ثابت کررہی ہیں ان میں کوئی تعارض نہیں، تعارض تب ہوتا جب کہ شریعت کی نظر میں ان میں سے صرف ایک قسم کا غسل مستحب ہوتا، اور احادیث تینوں قسم کی وارد ہوتیں، جب ہم یہ تسلیم کررہے ہیں کہ تینوں قسم کے

غسل مستحب ہیں، تو ان تینوں قسم کے اثبات کے لئے تینوں قسم کی حدیثیں ہونی چاہئے تھیں، ان تین میں اپنی نیت سے تداخل بھی کیا جا سکتا ہے، مثلاً ایک شخص نماز جمعہ کے قریب غسل کرتا ہے اور نیت یہ کرتا ہے کہ میں وہ غسل بھی ادا کرنے لگا ہوں جس کی ترغیب احادیث میں صلوۃ جمعہ کے لئے دی گئی ہے اور وہ غسل بھی کرتا ہوں جس کی ترغیب یوم جمعہ کیلئے ہے اور سات دن میں ایک مرتبہ غسل کرنے کی، جو ترغیب آرہی ہے، میں وہ بھی ادا کرنے لگا ہوں، ایک غسل سے تینوں کا ثواب مل جائے گا۔ (اشرف التوضیح)

غسل جمعہ بالغ مرد پر ہے

﴿۴۹۴﴾ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ غُسْلُ یَوْمِ الْجُمُعَۃِ وَاجِبٌ عَلٰی کُلِّ مُحْتَلِمٍ۔

(متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۱۲۱/۱، باب فضل غسل یوم الجمعة، کتاب الجمعة، حدیث نمبر:۸۷۹۔ مسلم شریف: ۲۸۰/۱، باب وجوب غسل الجمعة علی کل بالغ من الرجال، کتاب الجمعة، حدیث نمبر:۸۴۶۔

ترجمه: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جمعہ کے دن غسل کرنا ہر بالغ پر واجب ہے۔

تشریح: اس حدیث پاک سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ غسل ہر عاقل بالغ پر واجب ہے۔

غسل یوم الجمعۃ: جمعہ کے دن فجر کے بعد سے لے کر نماز جمعہ سے پہلے

تک ہے، فجر سے پہلے کیا ہوا غسل جمعہ کا غسل نہیں قرار پائے گا، یہ حدیث بظاہر اہل ظواہر ومالکیہ کے موافق ہے، کیونکہ ان حضرات کے نزدیک غسل جمعہ واجب ہے، امام مالکؒ غسل جمعہ کے ترک کرنے والے کو گنہگار کہتے ہیں۔

حدیث باب کا جواب: وجوب غسل کا حکم ابتدائے اسلام میں ایک عارض کی وجہ سے تھا، جب وہ عارض ختم ہوگیا تو وجوب کا حکم بھی ختم ہوگیا۔ (۲) وجوب بمعنی تاکید ہے، جیسے کہتے ہیں فلاں کی رعایت ہمارے اوپر واجب ہے، اصلاً غسل جمعہ مسنون ہے۔ واجب نہیں ہے۔

ہفتہ میں ایک بار غسل

﴿۴۹۵﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حَقٌّ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ اَنْ یَغْتَسِلَ فِیْ کُلِّ سَبْعَةِ اَیَّامٍ یَوْمًا یَغْسِلُ فِیْهِ رَأْسَهٗ وَجَسَدَهٗ۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۱۲۳/۱، باب هل علی من لم یشهد الجمعة الخ، کتاب الجمعة، حدیث نمبر: ۸۹۷، مسلم شریف: ۲۸۰/۲، باب الطیب والسواک یوم الجمعة، کتاب الجمعة، حدیث نمبر: ۸۴۹۔

ترجمه: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہر مسلمان کیلئے یہ بات مناسب ہے کہ وہ ہر ہفتہ میں ایک دن غسل کرلیا کرے اس دن وہ اپنا سر بھی دھوئے اور اپنا بدن بھی۔

تشریح: ہفتہ میں ایک دن (یعنی جمعہ کے دن) عاقل بالغ مردوں کو غسل کرنا

چاہئے۔

علی کل مسلم: لفظ مسلم مذکر کا صیغہ ہے، معلوم ہوا کہ جمعہ کا غسل صرف مردوں پر ہے، عورتوں پر نہیں ہے، نیز مردوں سے عاقل و بالغ مرد مراد ہے، بچوں پر غسل نہیں ہے، جیسا کہ گذشتہ حدیث میں لفظ "محتلم" سے معلوم ہوتا ہے، حق سے مراد وجوب نہیں ہے، بلکہ استحباب ہی مراد ہے، لہٰذا یہاں ترجمہ "مناسب ہے" کریں گے۔

سبعۃ ایام: مراد جمعہ کا غسل ہے، جیسا کہ دوسری احادیث میں اس کی صراحت گذر چکی ہے۔

راسہ: یعنی غسل میں پہلے سر کو دھویا جائے۔

وجسدہ: سر دھونے کے بعد پورے بدن پر پانی ڈالا جائے، غسل میں تیامن اور وضو کی تقدیم مستحب ہے، کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا ہمارے نزدیک وضو میں مسنون اور غسل میں فرض ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۹۲)

﴿الفصل الثانی﴾

جمعہ کے دن غسل مسنون ہے

﴿۴۹۶﴾ وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَبِهَا وَنِعِمَتْ وَمَنِ اغْتَسَلَ فَالْغُسْلُ أَفْضَلُ۔ (رواہ احمد، وابوداؤد، والترمذی والنسائی، والدارمی)

حواله: ابوداؤد شریف: ۱/۵۱، باب فی الرخصة فی ترک غسل یوم الجمعة، کتاب الطهارة، حدیث نمبر:۳۵۴،ترمذی شریف: باب فی الوضوء یوم الجمعة، کتاب الجمعة، حدیث نمبر:۴۹۷۔نسائی شریف: ۱۱۵، باب الرخصة فی ترک الغسل یوم الجمعة، کتاب الجمعة، حدیث نمبر:۱۳۷۹۔دارمی: ۱/۴۳۴، باب الغسل یوم الجمعة، کتاب الصلوة، حدیث نمبر:۱۵۴۰۔مسند احمد:۵/۷.

ترجمہ: حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے جمعہ کے دن وضو کیا اس نے فرض ادا کیا، اورخوب فرض ادا کیااور جس نے غسل کیاتو غسل بہتر ہے۔

تشریح: جمعہ کے دن وضو کر کے بھی جمعہ کی نماز ادا کی جاسکتی ہے،اور غسل کر کے بھی دونوں میں سے جو بھی کام کرے گا درست ہے، کسی قسم کا گناہ نہ ہوگا؛ لیکن غسل کر کے نماز ادا کرنا اولیٰ وافضل ہے۔

من توضأ: مطلب یہ ہے کہ جس نے فریضہ وضو کوادا کیا اس نے اچھی خصلت کو اختیار کیا۔

فبها و نعمت: کا مطلب یہ ہے:"فبالفرضیة اخذ و نعمت الفریضة" مطلب یہ ہے کہ اس نے فرض ادا کیا اور کیا خوب فرض ادا کیا۔

فالغسل افضل: اگر کسی نے جمعہ کے دن غسل کیاتو زیادہ بہتر ہے،اس وجہ سے کہ اس میں تطہیر زیادہ ہے، یہ حدیث واضح طور پر جمہور کے مسلک کی مؤید ہے؛ کیونکہ اس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ غسل جمعہ سنت ہے، واجب نہیں ہے۔

مردے کو غسل دینے والے پر غسل

﴿۴۹۷﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ غَسَّلَ مَیِّتًا فَلْیَغْتَسِلْ۔ (رواه ابن ماجة) وَزَادَ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَمَنْ حَمَلَهٗ فَلْیَتَوَضَّأْ۔

حواله: ابن ماجه: ۱۰۶، باب ماجاء فی غسل المیت، کتاب الجنائز، حدیث نمبر: ۱۴۶۳۔ مسند احمد: ۲/۲۷۲، ابوداؤد شریف: ۲/۹۴، باب فی الغسل من غسل المیت، کتاب الجنائز، حدیث نمبر: ۳۱۶۱۔ ترمذی شریف: ۱/۱۹۳، باب ماجاء فی الغسل من غسل المیت، کتاب الجنائز، حدیث نمبر: ۹۹۳۔

ترجمه: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص مردے کو غسل دے وہ خود بھی غسل کرے، (ابن ماجہ) اور احمد ترمذی، اور ابوداؤد نے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں۔ اور جو شخص مردے کو اٹھائے وہ بھی وضو کرے۔

تشریح: جو شخص میت کو غسل دے وہ غسل دینے کے بعد خود بھی غسل کرلے؛ تاکہ غسل دینے کے دوران جو چھینٹے وغیرہ پڑی ہیں وہ دور ہوجائیں اور پاکی حاصل ہوجائے، اور میت کو اٹھانے والے کے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ وضو کرے۔

فلیغتسل: یہ امر استحباب کے لئے ہے، اور یہی اکثر حضرات کی رائے ہے، اور بعض حضرات وجوب کے قائل ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ غسل دینے والے کو کچھ نہ کچھ چھینٹے

ضرور پڑی ہوں گی، اور وہ چھینٹیں کہاں پڑی ہیں اس کا علم نہیں، لہٰذا غسل کرنا واجب ہے، لیکن اس بات میں کوئی خفا نہیں ہے کہ یہ رائے معتبر نہیں، اس وجہ سے کہ جس چیز کی بنیاد شک پر ہو اس سے وجوب ثابت نہیں ہوتا، نیز چھینٹیں ماء مستعمل ہی کی پڑی ہونگی، اور ماء مستعمل پاک ہے، لہٰذا چھینٹوں سے غسل واجب نہ ہوگا۔

ومن حمله: یعنی جو شخص میت کو چھوئے، یا میت کو اٹھانے کا ارادہ کرے تو وہ وضو کرے، یہ وضو کرنا بھی مستحب ہے۔

سوال مع جواب

سوال: جنازہ اٹھانے والا وضو کیوں کرے گا؟

جواب: (۱) تاکہ نماز کی تیاری رہے، جنازہ رکھنے کے بعد نماز کے لئے وضو نہ کرنا پڑے۔ (۲) محض جنازہ اٹھانے کے لئے وضو کرنا باعث ثواب ہے، اس وجہ سے وضو کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (۳) جب جنازہ رکھدے تب وضو کرنے کا حکم ہے: بہر حال جو بھی وجہ لیں محض جنازہ اٹھانے کے لئے وضو کرنا مستحب ہے، واجب نہیں۔ (مرقاۃ: ۲/۹۳)

چار چیزوں کی وجہ سے غسل

﴿۴۹۸﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهَا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یَغْتَسِلُ مِنْ اَرْبَعٍ مِنَ الْجَنَابَةِ وَیَوْمَ الْجُمُعَةِ وَمِنَ الْحِجَامَةِ وَمِنْ غَسْلِ الْمَیِّتِ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/۵۱، باب فی الغسل یوم الجمعۃ، کتاب الطھارۃ، حدیث نمبر: ۳۴۸۔

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چار چیزوں کی وجہ سے غسل کرنے کا حکم فرمایا کرتے تھے۔ (۱) جنابت کی وجہ سے۔ (۲) جمعہ کے دن۔ (۳) پچھنے لگوانے کے بعد۔ (۴) مردہ کو غسل دینے کے بعد۔

تشریح: چار چیزوں کے بعد غسل کرنا چاہئے۔ ان چار چیزوں میں جنابت کی وجہ سے غسل کرنا فرض ہے، بقیہ جن تین چیزوں کا حدیث میں تذکرہ ہے ان سے غسل کرنا فرض نہیں بلکہ مستحب ہے۔

کان یغتسل: مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غسل کا حکم فرمایا کرتے تھے، یہ مطلب نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود غسل فرماتے تھے، اس وجہ سے کہ کسی مردہ کو غسل دینا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے۔

ومن الحجامۃ: حجامۃ یعنی پچھنا اس نشتری اوزار کو کہتے ہیں جس سے بدن کے کسی حصہ کو گود کر اوپر سے سنگھی لگاتے ہیں۔ یہ ایک قدیم طریقہ علاج ہے، جس کے ذریعہ جسم کا فاسد خون باہر کیا جاتا ہے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ بدن کو گود کر اس پر سوراخ کیا ہوا سینگھ لگاتے ہیں، اور پھر اس سینگھ کو منہ سے کھینچ کر بدن کا فاسد خون نکالتے ہیں، چوں کہ پچھنے لگوانے کی صورت میں بدن پر خون لگ جاتا ہے، اسی لئے صفائی ستھرائی کے لئے غسل کر لینا بہتر ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ جمہور علماء اس کے استحباب کے بھی قائل نہیں ہیں، اس لئے کہ اس کی حقیقت رعاف (یعنی نکسیر) سے زائد نہیں ہے، جب رعاف سے غسل کا حکم نہیں ہے تو اس سے بطریق اولیٰ نہیں ہوگا، ایک روایت میں ہے: ''**انہ علیہ السلام احتجم ولم**

یزد علی غسل محاجمه" یعنی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صرف پچھنے لگانے کی جگہ کو دھویا غسل نہیں فرمایا، اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ یہ ضعیف ہے، اس میں ایک راوی مصوب ابن شیبہ ان کی تضعیف منقول ہے۔

قبول اسلام کے لئے غسل

﴿۴۹۹﴾ وَعَنْ قَيْسِ بْنِ عَاصِمٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ اَنَّهُ اَسْلَمَ فَاَمَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَغْتَسِلَ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ۔ (رواه الترمذی وابوداؤد والنسائی)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/۵۱، باب فی الرجل یسلم فیومر بالغسل، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۳۵۵۔ ترمذی شریف: ۱/۱۳۲، باب فی الاغتسال عندنا یسلم الرجل، ابواب السفر، حدیث نمبر: ۶۰۵۔ نسائی شریف: ۱/۶۳، باب غسل الکافر انہ اسلم، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۱۸۸۔

ترجمہ: حضرت قیس بن عاصم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے جب اسلام قبول کیا تو حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو حکم فرمایا کہ پانی اور بیری کے پتوں سے غسل کریں۔

تشریح: کہ اگر کوئی شخص اسلام قبول کرے تو اس کے لئے مستحب ہے کہ وہ غسل کرے، تاکہ بدن پر جو میل کچیل اور گندگی ہے وہ زائل ہو جائے۔

اسلم: ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ قیس ابن عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ وفد تمیم کے ساتھ

آئے اوراسلام قبول کیا۔

فائدہ: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو غسل کا حکم فرمایا، اسلام لانے کے بعد غسل کرنا اکثر حضرات کے نزدیک مستحب ہے، لیکن اگر کوئی شخص جنبی ہے، پھر اسلام قبول کرتا ہے، تو اس پر غسل کرنا فرض ہے۔

والسدر: بیری کے پتے کے ساتھ غسل کرنے کا حکم پاکی میں مبالغہ پیدا کرنے کی وجہ سے ہے اس سے بدن کا میل کچیل اچھی طرح صاف ہوجاتا ہے، اور یہ غسل کرنا کلمہ شہادت کی ادائیگی کے بعد ہوگا۔

قبول اسلام سے قبل غسل جنابت

سوال: اگر اسلام لانے سے پہلے جنابت کی حالت تھی، اس نے غسل کرلیا تھا اس کے بعد اسلام لایا تو یہ غسل معتبر ہے یا نہیں؟

جواب: حنفیہ کے یہاں غسل کافر معتبر ہے، جمہور کے نزدیک معتبر نہیں، کیونکہ ان کے یہاں غسل کی صحت کے لئے نیت شرط ہے اور کافر کی نیت معتبر نہیں ہوتی۔

﴿الفصل الثالث﴾

جمعہ کے دن غسل ابتدائے اسلام میں واجب تھا

﴿۵۰۰﴾ وَعَنْ عِكْرِمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ اِنَّ نَاسًا مِنْ اَهْلِ الْعِرَاقِ جَاءُوْا فَقَالُوْا يَا ابْنَ عَبَّاسٍ اَتَرَى الْغُسْلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاجِبًا قَالَ لَا وَلٰكِنَّهُ

اَطْهَرُ وَخَيْرٌ لِمَنِ اغْتَسَلَ وَمَنْ لَمْ يَغْتَسِلْ فَلَيْسَ عَلَيْهِ بِوَاجِبٍ وَسَاُخْبِرُكُمْ كَيْفَ بَدْءُ الْغُسْلِ كَانَ النَّاسُ مَجْهُوْدِيْنَ يَلْبَسُوْنَ الصُّوْفَ وَيَعْمَلُوْنَ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ وَكَانَ مَسْجِدُهُمْ ضَيِّقًا مُقَارِبَ السَّقْفِ اِنَّمَا هُوَ عَرِيْشٌ فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ يَوْمٍ حَارٍّ وَعَرِقَ النَّاسُ فِىْ ذٰلِكَ الصُّوْفِ حَتّٰى ثَارَتْ مِنْهُمْ رِيَاحٌ آذٰى بِذٰلِكَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا فَلَمَّا وَجَدَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِلْكَ الرِّيَاحَ قَالَ: يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِذَا كَانَ هٰذَا الْيَوْمُ فَاغْتَسِلُوْا وَلْيَمَسَّ اَحَدُكُمْ اَفْضَلَ مَا يَجِدُ مِنْ دُهْنِهٖ وَطِيْبِهٖ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ ثُمَّ جَاءَ اللّٰهُ بِالْخَيْرِ وَلَبِسُوْا غَيْرَ الصُّوْفِ وَكُفُوْا الْعَمَلَ وَوُسِّعَ مَسْجِدُهُمْ وَذَهَبَ بَعْضُ الَّذِىْ كَانَ يُؤْذِىْ بَعْضُهُمْ بَعْضاً مِنَ الْعَرَقِ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۱/۵۱، باب فی الرخصة فی ترک الغسل یوم الجمعة، کتاب الطهارة، حدیث نمبر:۳۵۳۔

حل لغات: مجھودین، مَجْهُوْدٌ کی جمع ہے، محنت کش لوگ، اَجْهَدَ باب افعال سے، محنت ومشقت میں پڑنا، ضَيِّقًا تنگ، ضَيِّقَةٌ تنگ کرنا، سمیٹنا، اَلْعَرِيْشُ چھپر ہر سایہ دار چیز، ج عُرُشٌ.

ترجمہ: حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ کچھ عراقی لوگ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے، اور انہوں نے کہا کیا آپ جمعہ کے دن غسل کو واجب سمجھتے ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا نہیں، لیکن وہ خوب پاک کرنے والا ہے، اور جو شخص غسل کرے تو وہ بہتر ہے، اور جو شخص غسل نہ کرے تو اس پر واجب نہیں ہے، اور میں تم لوگوں سے بتاتا ہوں کہ غسل کی ابتداء کیسے ہوئی، لوگ محنت کش تھے، اونی کپڑے پہنتے تھے، اپنے پیٹھوں پر بوجھ لاد کر ڈھوتے تھے، اور ان کی مسجد (نبوی)

تنگ نیچی چھت کی تھی، صرف ایک چھپر تھا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک سخت گرم دن میں مسجد میں تشریف لائے، دراں حالیکہ لوگ اپنے اونی کپڑوں میں پسینے سے شرابور تھے، اور ان کی بو پھیلی ہوئی تھی، جس کی وجہ سے لوگ ایک دوسرے سے تکلیف محسوس کر رہے تھے، جب حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ بو محسوس ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے لوگو! جب یہ دن آئے، تو غسل کرلیا کرو، اور تم میں سے جو بھی شخص تیل یا خوشبو پائے تو اس کے لئے افضل یہ ہے کہ اس کو لگالے، ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی حالت بہتر فرمادی اور وہ اونی کپڑوں کے علاوہ کپڑے پہننے لگے، محنت ومزدوری کے کاموں سے ان کو نجات مل گئی، ان کی مسجد کشادہ ہوگئی اور بعض لوگوں کے پسینہ کی وجہ سے جو دوسروں کو اذیت پہنچتی تھی، اس کا بھی ازالہ ہوگیا۔ (تو غسل واجب نہ رہا)

تشریح: غسل جمعہ سنت ہے، واجب نہیں، ابتدائے اسلام میں ایک علت کی وجہ سے واجب تھا، اب وہ علت نہیں لہٰذا واجب نہیں۔

ان ناسا من اھل العراق: ممکن ہے یہ واقعہ اس وقت کا ہو جب ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بصرہ کے والی تھے، بصرہ عراق کا شہر ہے، ان لوگوں کے سوال کا مقصد یہ تھا کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک غسل واجب ہے یا نہیں؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا: کہ غسل واجب نہیں صرف بہتر ہے، اس کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غسل کی ابتداء کیسے ہوئی اس کو بتایا۔

کان الناس مجھودین: شروع میں لوگ موٹا جوٹھا پہنتے تھے، تنگی اور پریشانی سے گذر اوقات کرتے تھے، محنت مزدوری کے کام کرتے تھے، جس سے کپڑے میلے اور خراب ہوجاتے تھے، اس میں پسینہ کی وجہ سے بو پیدا ہوجاتی تھی، دوسری طرف مسجد نبوی

نہایت تنگ تھی، جس کی وجہ سے یہ بدبو اور بھی پھیلتی اور لوگوں کو ایک دوسرے سے تکلیف ہوتی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی اس کلفت کو محسوس فرما کر غسل کا حکم دیا تھا، پھر کچھ دنوں بعد اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ ساری دشواریاں ختم ہو گئیں، تو غسل واجب نہیں رہا، حاصل یہ ہے کہ غسل کا حکم جس وجہ سے تھا وہ وجہ اب نہیں، لہٰذا غسل واجب نہیں۔

غسل اب واجب نہیں اس کی چند وجہیں ہیں۔

(١)...... غسل کا حکم معلل بالعلۃ تھا، شروع میں علت پائی جاتی تھی، لہٰذا غسل کا حکم تھا اب نہیں پائی جارہی، لہٰذا اب واجب نہیں۔

(٢)...... غسل کا حکم پہلے تھا اب منسوخ ہو چکا ہے۔

(٣)...... غسل کا حکم بطریق ایجاب نہ تھا بلکہ لوگوں کو اذیت سے بچانے کے لئے تھا۔

باب الحیض

رقم الحدیث:...... ٥٠١/ تا ٥١٢/

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب الحیض

(حیض کا بیان)

حیض کی لغوی تعریف: حیض کے لغوی معنی سیلان یعنی بہنے کے آتے ہیں۔

حیض کی اصطلاحی تعریف: اصطلاح شرع میں حیض سے مراد وہ خون ہے جو جوان عورت کے رحم سے معمول کے موافق نکلتا ہے، یہ خون نہ تو کسی مرض کی وجہ سے ہوتا ہے، نہ بچہ کی پیدائش کی وجہ سے۔

استحاضہ: جو خون رحم سے معمول کے خلاف یعنی مرض کی وجہ سے نکلتا ہے وہ استحاضہ ہے۔

نفاس: اور جو خون عورت کے رحم سے بچہ پیدا ہونے کے بعد جاری ہوتا ہے، اس کو نفاس کہتے ہیں۔

حیض کی اقل مدت

امام مالکؒ: امام مالکؒ کے نزدیک حیض کی اقل مدت کی کوئی حد نہیں، اگر ایک ساعت

کے لئے آ جائے تو وہ حیض شمار ہوگا؛ کیونکہ دیگر احداث کی طرح حیض بھی ایک حدث ہے، جس طرح دوسرے احداث میں اقل مدت کے لئے کوئی حد متعین نہیں، اسی طرح اقل حیض کے لئے بھی کوئی حد مقرر نہیں۔

امام شافعی: امام شافعیؒ کے نزدیک اقل مدت حیض ایک دن رات ہے؛ کیونکہ سیلانِ رحم جب تمام ساعات کا استیعاب کریگا، تب معلوم ہوگا کہ رحم سے خارج ہونے والا خون حیض کا خون ہے، یا نہیں؟ ایک دن اور ایک رات سے کم میں اس کا اندازہ نہیں ہوسکتا۔

امام اعظم: امام اعظمؒ کے نزدیک اقل مدت حیض تین دن اور تین راتیں ہیں، اس سے کم مدت میں جو خون آئے گا وہ استحاضہ کہلائے گا، امام صاحب کے مسلک کی تائید عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے بھی ہوتی ہے: ''**انہ قال الحیض ثلاث واربع وخمس وست وسبع وثمان وتسع وعشر فاذا زاد فھی مستحاضۃ**'' [حیض تین دن، چار دن، پانچ دن، چھ دن، سات دن، آٹھ دن، نو دن، دس دن، ہے۔ جب اس پر زیادہ ہو تو وہ استحاضہ ہے۔]

امام شافعیؒ وامام مالکؒ نے جو قیاسات کئے ہیں وہ احادیث صریحہ کے مقابلہ میں ہیں، لہٰذا حجت نہیں۔

حیض کی اکثر مدت

امام شافعی: امام شافعیؒ کے نزدیک حیض کی اکثر مدت پندرہ دن ہے۔

امام اعظم: امام اعظمؒ کے نزدیک حیض کی اکثر مدت دس دن ہے، جیسا کہ ماقبل کی حدیث میں بیان ہوا۔

اقل مدت طہر

طہر کی اکثر مدت کے لئے تو کوئی حد نہیں؛ البتہ اقل مدت طہر کے بارے میں اختلاف ہے۔

امام صاحبؒ کے نزدیک اقل مدت پندرہ دن ہیں، دلیل یہ حدیث ہے:''اقل الحیض ثلاثة واکثره عشرة ایام واقل مابین الحیضتین خمسة عشر یوماً'' [اقل حیض تین دن اور اکثر دس دن اور دو حیضوں کے درمیان اقل مدت پندرہ دن ہیں۔] (خلاصہ التعلیقات علی تنظیم الاشتات:۳۹۶، تا ۳۹۸)

ممنوعات حیض

شریعت میں حیض دس چیزوں سے مانع ہے۔

(۱)......رفع الحدث سے مانع ہے، یعنی جب تک حیض رہے گا اس کا حدث نہیں اٹھے گا۔

(۲)......وجوب الصلوۃ سے مانع ہے۔

(۳)......صحۃ الصلوٰۃ سے مانع ہے، یعنی حالت حیض میں نہ نماز پڑھنی جائز ہے نہ ذمہ میں واجب ہوتی ہے۔

(۴)......صحۃ الصوم سے مانع ہے، یعنی حالت حیض میں روزہ رکھنا صحیح نہیں لیکن حیض وجوب صوم سے مانع نہیں ہے، حالت حیض میں اگر رمضان کے دن آجائیں تو رمضان کے روزے اس پر واجب ہو جائیں گے، لیکن اس وقت ادا کرنا صحیح نہیں ہے، بعد میں قضاء کرنا ضروری ہے، بخلاف نماز کے کہ وہ اس حالت میں نہ واجب ہوتی ہے، اور نہ صحیح، اس لئے اس کی قضاء بھی بعد میں ضروری نہیں، خلاصہ یہ ہے کہ حیض نماز کے

وجوب اور صحت دونوں سے مانع ہیں، اور روزے صرف صحت سے مانع ہے، وجوب سے مانع نہیں۔

(۵)......مس مصحف سے مانع ہے۔

(٦)......قرأت قرآن سے مانع ہے۔

(۷)......کتابت مصحف سے مانع ہے۔

(۸)......اعتکاف سے مانع ہے۔

(۹)......دخول مسجد سے مانع ہے۔

(۱۰)......طواف سے مانع ہے۔

ان ممنوعات میں سے بعض اتفاقی ہیں، بعض اختلافی۔ واضح ہو کہ جو حکم حیض کا ہے وہی نفاس کا بھی ہے، پس جو ممنوعات حیض ہیں، وہی ممنوعات نفاس بھی ہیں۔

﴿الفصل الاول﴾

حالت حیض میں جماع

﴿۵۰۱﴾ وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ اِنَّ الْیَھُوْدَ کَانُوْا اِذَا حَاضَتِ الْمَرْاَۃُ فِیْھِمْ لَمْ یُؤَاکِلُوْھَا وَلَمْ یُجَامِعُوْھُنَّ فِی الْبُیُوْتِ فَسَاَلَ اَصْحَابُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ النَّبِیَّ فَاَنْزَلَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَیَسْاَلُوْنَکَ عَنِ الْمَحِیْضِ اَلْاٰیَۃَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِصْنَعُوْا کُلَّ شَیْءٍ اِلَّا النِّکَاحَ فَبَلَغَ ذٰلِکَ الْیَھُوْدَ فَقَالُوْا مَایُرِیْدُ ھٰذَا الرَّجُلُ اَنْ یَدَعَ مِنْ اَمْرِنَا شَیْئًا اِلَّا

خَالَفَنَا فِيهِ فَجَاءَ اُسَيْدُبْنُ حُضَيْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ وَعَبَّادُ بْنُ بِشْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ فَقَالاَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اِنَّ الْيَهُوْدَ يَقُوْلُ كَذَا وَكَذَا اَفَلاَ نُجَامِعُهُنَّ فَتَغَيَّرَ وَجْهُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى ظَنَنَّا اَنْ قَدْ وَجَدَ عَلَيْهِمَا فَخَرَجَا فَاسْتَقْبَلَتْهُمَا هَدِيَّةٌ مِنْ لَبَنٍ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَرْسَلَ فِيْ آثَارِهِمَا فَسَقَاهُمَا فَعَرَفَا اَنَّهُ لَمْ يَجِدْ عَلَيْهِمَا۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱۴۳/۱، باب جواز غسل الحائض رأس زوجها وترجيله، كتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۳۰۲۔

حل لغات: يُؤَاكِلُوْهَا، اٰكَلَهُ، مُؤَاكِلَةً، وَاِكَالاً، کسی کے ساتھ کھانا، ہم نوالہ وہم پیالہ ہونا، یجامعوهُنَّ، جَامَعَ المرأة، صحبت کرنا، ہم بستری کرنا، المحيض، حيض، حاض، (ض) حَيْضًا، حیض آنا، ماہواری کا خون آنا۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ یہودیوں کا یہ طریقہ تھا کہ جب ان کی عورتیں حائضہ ہوتیں تو نہ ان کے ساتھ کھاتے پیتے تھے، اور نہ ان کے ساتھ گھر میں رہتے تھے، حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس بارے میں سوال کیا، تو اللہ تعالیٰ نے "ویسئلونک عن المحيض" آیت آخر تک نازل فرمائی، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ تم لوگ جماع کرنے کے علاوہ سب کچھ کیا کرو، جب یہودیوں کو اس بات کی اطلاع ملی، تو انہوں نے کہا کہ یہ آدمی کیا چاہتا ہے؟ ہمارے کسی بھی دینی حکم کی مخالفت کئے بغیر نہیں رہتا ہے، اس کے بعد حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اور حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ نے آکر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ یہودی اس طرح کہہ رہے ہیں، تو کیا ہم لوگ اپنی عورتوں سے جماع نہ کرنے لگیں،

اس پر حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک متغیر ہو گیا؛ یہاں تک کہ ہم نے خیال کیا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان پر غصہ ہو گئے؛ چنانچہ وہ دونوں حضرات چل دیے، تو اچانک ان دونوں کے سامنے ہی ایک شخص حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے دودھ کا ہدیہ لے کر آ گیا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو ان دونوں کے پیچھے جلدی سے بھیجا، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان دونوں کو دودھ پلایا تو ان دونوں نے سمجھا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان سے خفا نہیں ہوئے ہیں۔

تشریح: حالت حیض میں عورتوں کے ساتھ جماع کرنا حرام ہے، جماع کے علاوہ دوسرے افعال مثلاً ان کے ساتھ کھانا پینا رہنا سہنا سب جائز ہے، یہود حالت حیض میں بیوی کے ساتھ رہنا گوارہ نہیں کرتے تھے، اور ان کو بالکل الگ تھلگ کر دیا کرتے تھے، اور ان کے برخلاف نصاریٰ حالت حیض میں صحبت کرنے سے بھی باز نہیں آتے تھے، ایک طرف افراط تھی اور ایک طرف تفریط۔ اسلام نے اعتدال کا راستہ دکھایا۔

ان الیھود: یہود حالت حیض میں عورتوں سے بہت دور رہتے تھے، ان کو بالکل الگ تھلگ کر دیتے تھے، دم حیض منقطع ہونے کے بعد بھی سات دن تک ان کے قریب نہیں جاتے تھے، اور یہ سمجھتے تھے کہ یہ سب ان کی کتاب میں ہے۔ (فتح الملہم: ۱/۴۶۰)

المحیض: قرآن مجید کی اس آیت میں دو مرتبہ "محیض" کا لفظ آیا ہے، پہلے محیض سے خون مراد ہے، اور دوسرے محیض میں تین قول ہیں:

(۱)......خون مراد ہے۔

(۲)......حیض کا زمانہ مراد ہے۔

(۳)......مقام حیض یعنی عورت کی شرمگاہ مراد ہے۔

تیسرا قول جمہور کا ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۹۶)

اصنعوا کل شی الا النکاح: نکاح کے دو معنی ہیں۔

(۱)......عقد۔ (۲)......وطی۔

یہاں وطی کے معنی مراد ہیں، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آیت کی تفسیر فرما کر واضح فرمادیا کہ آیت "فاعتزلوا النساء" میں مواکلت ومشاربت وغیرہ کی ممانعت نہیں ہے؛ بلکہ جماع اور مباشرت فاحشہ کی ممانعت ہے۔

ھذا الرجل: مراد حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں، چوں کہ وہ لوگ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت کے منکر تھے؛ اس لئے اس بے احترامی کا مظاہرہ کرتے تھے۔

افلا نجامعھن: اس کا مطلب یہ ہے کہ یہود ہم پر اعتراض کرتے ہیں کہ ہم ان کی مخالفت کرتے ہیں تو کیا ہم ان کی پوری پوری مخالفت نہ کرنے لگیں، اور اس کی شکل یہی ہے کہ ہم حالت حیض میں عورتوں سے جماع کرنا بھی شروع کردیں۔

دوسرا مطلب

اس جملہ کا دوسرا مطلب بھی یہاں بیان کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ یہود ہم پر اعتراض کرتے ہیں کہ حالت حیض میں ہم عورتوں سے مخالطت اور مساکنت رکھتے ہیں، تو کیا ہم ان کے اعتراض سے بچنے کے لئے اس مخالطت اور مجامعت اور مساکنت فی البیوت کو ختم کردیں۔

ناراضگی کی وجہ

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے اس جملہ پر حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم کی ناراضگی اس بات پر تھی کہ یہود کی مخالفت کا تو ہم کو حکم ہے، مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ ان کی مخالفت میں ہم شرعی حدود کی رعایت نہ کریں، اور اس سے تجاوز کر جائیں، ایسے ہی دوسرے معنی مراد لینے کی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ یہود کو خوش کرنے کے لئے ہم شرعی حکم تو نہیں توڑ سکتے، اس کی اجازت کیسی؟ یعنی کسی کی موافقت یا کسی کی مخالفت کی وجہ سے شرعی حکم تو نہیں توڑا جا سکتا ہے، پھر اس کی اجازت کیسے طلب کرتے ہو۔

فائدہ

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ناراضگی کے کام اور ناراضگی کی بات پر ناراض ہونا درست ہے، اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

حائضہ سے مباشرت کے اقسام

حائضہ کے ساتھ مباشرت کی تین قسمیں ہیں۔

(۱)...... پہلی قسم حالت حیض میں جان بوجھ کر قبل یا دبر میں جماع کرنا۔

(۲)...... دوسری قسم ناف سے اوپر یا گھٹنے سے نیچے مباشرت نیز بوس وکنار مس ومعانقہ کرنا۔

(۳)...... تیسری قسم ناف سے نیچے اور گھٹنہ سے اوپر قبل یا دبر کے حصہ کے علاوہ کے ساتھ مباشرت کرنا۔

اقسام مذکورہ کے احکام

پہلی قسم کا حکم: اس طرح کی مباشرت بالاتفاق حرام ہے، اگر کوئی شخص اس کی حلت کا اعتقاد رکھتا ہے، تو بعض حضرات کے نزدیک وہ کافر ہے۔

دوسری قسم کا حکم: یہ قسم بالاتفاق حلال ہے، اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

تیسری قسم کا حکم: اس قسم کی حلت وحرمت میں اختلاف ہے۔ بعض حضرات کے نزدیک اس طرح کی مباشرت جائز ہے، اور بعض حضرات کے نزدیک جائز نہیں۔

استمتاع بین السرۃ والرکبۃ میں اختلاف ائمہ

جمہور کا مذہب: امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ کے نزدیک قسم ثالث یعنی ناف کے نیچے سے لیکر گھٹنہ تک استمتاع حرام ہے۔

دلائل: (۱)"وعن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها قالت كانت احدنا اذا كانت حائضاً امرها النبی صلی اللہ علیه وسلم فتأتزر ثم يباشرها" (۲)"عن ضرام بن حكيم عن امه انه سأل رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم مايحل لی من امرأتی وهی حائض قال لک مافوق الازار" ان دونوں حدیثوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مباشرت بین السرة و الركبة تحت الازار جائز نہیں ہے۔

امام احمدؒ کا مذہب: امام احمدؒ کے نزدیک قسم ثالث یعنی ناف کے نیچے سے لے کر گھٹنہ تک استمتاع جائز ہے۔ امام احمدؒ صرف موضع دم یعنی وطی کو حرام قرار دیتے ہیں۔

دلیل: ان کی دلیل حدیث باب ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "اصنعوا كل شی الا النكاح" امام احمدؒ اسی سے استدلال کرتے ہوئے کہتے

ہیں کہ نکاح سے مراد جماع ہے؛ لہٰذا جماع کے علاوہ ہر قسم کا استمتاع جائز ہے۔

جواب: (۱) دیگر احادیث کی وجہ سے جن میں سے دو حدیثیں دلائل جمہور میں گذری ہیں "کل شیء" "مافوق الازار" کے ساتھ مقید ہے۔ (۲) حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جماع اور اس کے اسباب قریبہ کے علاوہ حائضہ سے سب کچھ کیا جا سکتا ہے، اور تحت الازار استمتاع جماع کا سبب قریب ہے؛ لہٰذا یہ بھی ممنوع ہے۔ (۳) "الا النکاح" میں جو حصر ہے وہ حصر حقیقی نہیں؛ بلکہ حصر اضافی ہے؛ چوں کہ یہود حائضہ کو بالکل الگ تھلگ کر دیتے تھے اور ان کے ساتھ کھانا پینا بھی ترک کر دیتے تھے، لہٰذا یہاں یہود کے اس عمل باطل کی وجہ سے مواکلت ومساکنت کی اجازت دینا مقصود ہے، استمتاع تحت الازار کی اجازت دینا مقصود نہیں۔

حائضہ کے ساتھ مباشرت

﴿۵۰۲﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْهَا قَالَتْ کُنْتُ اَغْتَسِلُ اَنَا وَالنَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اِنَاءٍ وَاحِدٍ وَکِلَانَا جُنُبٌ وَکَانَ یَأْمُرُنِیْ فَاَتَّزِرُ فَیُبَاشِرُنِیْ وَاَنَا حَائِضٌ وَکَانَ یُخْرِجُ اِلَیَّ رَأْسَهٗ اِلَیَّ وَهُوَ مُعْتَکِفٌ فَاَغْسِلُهٗ وَاَنَا حَائِضٌ۔ (متفق علیه)

حوالہ: بخاری شریف: ۴۴/۱، باب مباشرة الحائض، کتاب الحیض، حدیث نمبر: ۳۰۲۔ مسلم شریف: ۱۴۱/۱، باب مباشرة الحائض فوق الازار، کتاب الحیض، حدیث نمبر: ۲۹۳۔

حل لغات: اتزرُ، افتعال سے، اتَّزرَ، واتّزر ازار پہننا، لنگی یا تہبند باندھنا،

یباشر، بَاشَرَ مُبَاشَرَۃً، مفاعلت سے عورت سے جماع کرنا، ایک شی کودوسری شی کے ساتھ ملانا، مُعْتَکِفٌ، اسم فاعل، باب افتعال سے، اِعْتَکَفَ، فِیْ الْمَسْجِدِ، مسجد کے ایک گوشہ میں بنیت عبادت ٹھہرنا۔

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں اور حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک برتن سے غسل کرتے تھے، جب کہ ہم دونوں جنابت کی حالت میں ہوتے تھے، میں جب حالت حیض میں ہوتی اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حکم دیتے تو میں ازار پہن لیتی، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجھ سے مباشرت فرماتے، اور میں حائضہ ہوتی اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اعتکاف کی حالت میں اپنا سر مبارک میری طرف نکال دیتے اور میں آپ کا سر مبارک دھودیتی تھی۔

تشریح: حائضہ عورت سے مباشرت جائز ہے، مباشرت کے معنی بدن کا بدن سے ملانا۔ بشرہ سے بشرہ ملانا وغیرہ، مباشرت سے مجامعت مراد نہیں ہے؛ کیوں کہ مجامعت تو مطلقاً حرام ہے۔ حنفیہ کے نزدیک صرف ناف کے اوپر اور گھٹنہ کے نیچے حصہ کی مباشرت جائز ہے، اس حدیث سے بھی حنفیہ کی موقف کی تائید ہوتی ہے؛ کیونکہ اس حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اگر حالت حیض میں مباشرت کا ارادہ فرماتے تو ازار بندھوا دیتے تھے، اس کی وجہ یہی تھی کہ ممنوع الاستعمال حصہ کا مس نہ ہو، اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ حائضہ عورت معتکف کے بدن کو نہ صرف چھوسکتی ہے؛ بلکہ اس کی ضرورت پڑنے پر خدمت بھی کرسکتی ہے۔

وکان یأمرنی: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ازار پہننے کا حکم دیتے تھے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے **استمتاع بما تحت الازار** کی صورت میں جماع میں مشغول ہونے کا خطرہ نہیں تھا؛ لیکن اس کے باوجود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

نے استمتاع بما تحت الازار نہیں فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ یہ جائز نہیں۔

فأتزر: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ میں ازار پہن لیتی پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مباشرت فرماتے، حنفیہ اسی جملہ سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "مابین السرة والركبة تحت الازار" یعنی ناف کے نیچے اور گھٹنہ کے اوپر حصہ کے مابین جو حصہ ہے بغیر پردہ کے اس سے استمتاع جائز نہیں ہے، حنفیہ اس قسم کی مباشرت کو حرام قرار دیتے ہیں، اس وجہ سے کہ اگر اس کی اجازت دی گئی تو آدمی مجامعت میں مبتلا ہو جائے گا جو کہ حرام ہے۔

من اناء واحد: عرب کی عادت تھی کہ وہ پانی سے بھرا ہوا ایک بڑا برتن بیچ میں رکھتے تھے، پھر لوگ اس برتن سے چلو میں پانی لیکر ایک ساتھ غسل کرتے تھے۔

جنب: جنب کالفظ "کلا" کی رعایت کرتے ہوئے واحد لائے ہیں، یہ تثنیہ سے زیادہ فصیح ہے۔

فیباشرنی: جسمانی مباشرت مراد ہے، یعنی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ لیٹتے تھے، ان کے جسم سے جسم مبارک ملاتے تھے۔

وكان يخرج راسه: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد کے اندر اعتکاف میں رہتے تھے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ کا دروازہ مسجد کی طرف کھلا رہتا تھا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسی دروازہ سے اپنا سر مبارک نکال دیتے تھے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حجرہ میں رہتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سر مبارک دھودیتی تھیں، اس سے معلوم ہوا کہ حائضہ کا بدن اور اس کا پسینہ پاک ہے؛ لیکن حائضہ کا مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں ہے، معتکف کے لئے جو مباشرت ممنوع ہے

وہ جماع اور اس کے مقدمات ہیں، اس کے علاوہ مباشرت جائز ہے۔ (فتح الملہم: ۱/۴۵۸)

حائضہ کا جھوٹا کھانا پینا

﴿۵۰۳﴾ وَعَنْهَا قَالَتْ كُنْتُ اَشْرَبُ وَاَنَا حَائِضٌ ثُمَّ اُنَاوِلُهُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَضَعُ فَاهُ عَلٰى مَوْضِعِ فِيَّ فَيَشْرَبُ وَاَتَعَرَّقُ الْعَرْقَ وَاَنَا حَائِضٌ ثُمَّ اُنَاوِلُهُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَضَعُ فَاهُ عَلٰى مَوْضِعِ فِيَّ۔ (رواه مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۱۴۳، باب جواز غسل الحائض رأس زوجها وترجيله، کتاب الحیض، حدیث نمبر: ۳۳۰۔

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں حیض کی حالت میں پانی پیتی اور پھر میں اس کو حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیتی، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسی جگہ منھ رکھ کر پیتے جس جگہ میرا منھ لگا ہوتا۔ اور میں حیض کی حالت میں گوشت والی ہڈی پر سے گوشت اپنے دانتوں سے نوچ کر کھاتی، پھر وہ ہڈی حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیتی، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہیں منھ رکھتے، جہاں میں نے منھ رکھا ہوتا۔

تشریح: حائضہ عورت کا جسم پاک ہے، اس کے ساتھ کھانے پینے میں کوئی حرج نہیں، حتی کہ حائضہ کا پس خوردہ استعمال کرنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا جھوٹا استعمال فرمالیتے تھے، اس میں جہاں ایک طرف حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی دلداری اور اظہارِ محبت

مقصود تھا، وہیں دوسری طرف یہودیوں کی مخالفت بھی پیش نظر تھی۔

اور امت کو معاشرت کے اصول وطریق کار کی تعلیم بھی مقصود تھی، کہ مردوں کو اپنی گھریلو زندگی کس طرح گذارنا چاہئے، یہاں تک کہ حالت حیض میں بھی عورتوں کی کس طرح دلداری کرنی چاہئے، یہ وہ اصول معاشرت ہیں جن کے اختیار کرنے سے گھر جنت نشاں بن سکتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ حائضہ کے اعضاء مثلاً ہاتھ منھ وغیرہ سب پاک ہیں، امام ابو یوسفؒ کی طرف جو یہ نسبت کی جاتی ہے کہ ان کے نزدیک حائضہ کا بدن ناپاک ہے، وہ نسبت غلط ہے۔(مرقاۃ:۲/۹۸)

حائضہ کی گود میں ٹیک لگا کر تلاوت

﴿۵۰۴﴾ وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَّكِئُ فِيْ حِجْرِيْ وَأَنَا حَائِضٌ ثُمَّ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۴۳/ ۱، باب قراء ۃ الرجل فی حجر امرأته وهی حائض، کتاب الحیض، حدیث نمبر: ۲۹۷۔مسلم شریف: ۱۴۳/ ۱، باب جواز غسل الحائض رأسه زوجها وترجیله، کتاب الحیض، حدیث نمبر: ۲۹۸۔

حل لغات: یتکی، اِتَّکأ، افتعال سے، علی الشیء سہارا لینا، تکیہ لگانا، تکِیَ (س) تکأً، تکیہ لگا کر بیٹھنا۔

ترجمه: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میری گود میں ٹیک لگاتے تھے، اور میں حائضہ ہوتی تھی، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قرآن کریم کی تلاوت فرماتے تھے۔

تشریح: حدیث پاک سے متعدد فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

فوائد

(۱)...... مرد حائضہ عورت کا سہارا لے کر بیٹھ سکتا ہے۔

(۲)...... اس کی گود میں سر رکھ کر قرآن کریم کی تلاوت کر سکتا ہے، اور یہ سب بلا کراہت جائز ہے۔

(۳)...... حائضہ کا جسم پاک ہے، وہ حکماً نجس ہے۔

(۴)...... اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حائضہ قرآن مجید کی تلاوت نہیں کر سکتی ہے؛ اس وجہ سے کہ اگر حائضہ کے لئے تلاوت قرآن جائز ہوتی تو یہ وہم نہ ہوتا کہ حائضہ کی گود میں سر رکھ کر تلاوت کی جا سکتی ہے یا نہیں؟ اور جب وہم نہ ہوتا ہو تو اس کے جواز کی صراحت بھی نہ ہوتی، حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اس بات کی صراحت فرمانا کہ میں حیض کی حالت میں ہوتی تھی اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میری گود میں تلاوت قرآن فرماتے تھے، اس بات کی طرف مشیر ہے کہ حائضہ تلاوت نہیں کر سکتی ہے۔

(۵)...... حائضہ کے بدن اور اس کے کپڑے سے ملامست جائز ہے، لیکن اگر اس پر نجاست لگی ہو تب جائز نہیں ہے۔

(۶)...... جائے نجاست میں تلاوت قرآن ممنوع ہے؛ لیکن محل نجاست کے قریب تلاوت جائز ہے۔

(۷)...... مریض نماز میں بضرورت حائضہ کا سہارا لے سکتا ہے؛ لیکن شرط یہ ہے کہ حائضہ کے کپڑے پاک ہوں۔ (تلخیص فتح الملہم: ۱/۴۶۰)

(۸)...... حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حق تعالیٰ شانہ کے ساتھ تعلق کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اپنی سب سے زیادہ چہیتی لاڈلی محبوبہ زوجۂ مطہرہ کی گود میں سر مبارک رکھتے ہوئے ہونے کی حالت میں بھی حق تعالیٰ شانہ سے ذرہ برابر غفلت نہیں ہوتی تھی، بلکہ ایسی خاص حالت میں بھی حق تعالیٰ شانہ کی طرف کمال توجہ اور کامل مشغولی ہوتی تھی۔

(۹)...... پس سالکین کو بھی چاہئے کہ اپنے دوستوں، بیویوں میں مشغول ہوتے ہوئے بھی حق تعالیٰ شانہ کے ساتھ برابر مشغول اور متوجہ ہوں، اسی کو "خلوت در انجمن" سے تعبیر کیا جاتا ہے، کہ بظاہر مخلوق کے ساتھ مشغولی ہے اور حقیقۃً اس حالت میں بھی بندہ اپنے خالق ومالک کے ساتھ مشغول ہوتا ہے۔ اسی کو کہتے ہیں: "باہمہ و بے ہمہ" کہ سب کے ساتھ ہے بظاہر، اور حقیقۃً اپنے خالق کے سوا کسی کے ساتھ بھی نہیں ہے، حق تعالیٰ شانہ اپنے فضل وکرم سے اس کا کچھ حصہ ہم سب کو بھی نصیب فرمائے، آمین۔

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا

عَلَى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

حیض ہاتھ میں نہیں ہوتا

{۵۰۵} وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ لِي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَاوِلِيْنِي الْخُمْرَةَ مِنَ الْمَسْجِدِ فَقُلْتُ إِنِّي حَائِضٌ فَقَالَ إِنَّ حَيْضَتَكِ لَيْسَتْ فِي

بَیَدِکِ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱۴۲ / ۱، باب جواز غسل رأس زوجھا وترجیلہ، کتاب الحیض، حدیث نمبر: ۳۰۱۔

حل لغات: الْخُمْرَۃَ، کھجور کے پتوں کی بنی ہوئی دھاری دار چٹائی۔

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا: کہ مسجد میں سے مجھ کو چھوٹا بوریا اٹھادو، میں نے عرض کیا کہ میں تو حیض کی حالت میں ہوں، اس پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمہارا حیض تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے۔

تشریح: حائضہ اپنے بعض اعضاء کو مسجد میں داخل کرسکتی ہے، لیکن خود مکمل طور سے مسجد میں داخل نہیں ہوسکتی، اور بعض اعضاء کے داخل کرنے سے خود حائضہ کا داخل ہونا لازم نہیں آتا۔

الخمرۃ: خمرہ کھجور کے پتوں سے بنے ہوئے اس چھوٹے سے ٹکڑے کو کہتے ہیں جس پر سجدہ میں آدمی کا صرف سرآ سکتا ہے، اسی وجہ سے خمرہ کا ترجمہ سجدہ گاہ بھی کیا جاتا ہے، لیکن اکثر علماء نے لکھا ہے کہ یہاں خمرہ سے مراد چھوٹا مصلیٰ یا چھوٹی چٹائی ہے۔

من المسجد: مسجد کو النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حال مانیں تو مطلب یہ ہوگا کہ مصلیٰ کمرہ میں تھا اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد میں تھے، اور یہی سیاق سے ظاہر بھی ہے، اور اگر خمرہ سے حال مانیں تو مطلب یہ ہوگا کہ مصلیٰ مسجد میں تھا اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حجرہ شریفہ میں تھے۔ (مرقاۃ: ۲/۹۹، فتح الملہم: ۱/۴۵۹)

ان حیضتک: جس حیض سے مسجد کا پاک وصاف رہنا ضروری ہے وہ

تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے، مطلب یہ ہے کہ مسجد سے باہر کھڑی رہو اور ہاتھ بڑھا کر مسجد سے بوریا اٹھا لو، حیض کا اثر ہاتھ میں نہیں ہوتا، معلوم ہوا کہ حائضہ مسجد سے باہر کھڑی رہ کر مسجد سے کوئی چیز اٹھالے تو جائز ہے۔

اشکال مع جواب

اشــکـال: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مصلی پر نماز پڑھتے تھے، جب کہ عروہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "انـه كان يكره الصلوٰة على شي دون الارض" یعنی زمین کے علاوہ اور کسی چیز پر نماز پڑھنے کو ناپسند کرتے تھے۔

جواب: حدیث عروہ میں کراہت سے کراہت تنزیہی مراد ہے، اور کراہت تنزیہی جواز کا ایک درجہ ہے۔

حائضہ کا جسم پاک ہے

﴿۵۰۶﴾ وَعَنْ مَيْمُوْنَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِيْ مِرْطٍ بَعْضُهُ عَلَيَّ وَبَعْضُهُ عَلَيْهِ وَأَنَا حَائِضٌ۔ (متفق علیہ)

حـوالـه: بـخـاری شـریـف: ۵۵/ ۱، بـاب اذا اصـاب ثـوب المصلی امرأتـه اذا سجد، کتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۳۷۹۔ مسلم شریف: ۱۹۸/ ۱، بـاب الاعتـراض بیـن یـدی الـمصلی، کتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۵۱۳، و باب

جواز الجماعة فی النافلة، حدیث نمبر:۲۳۳۔

نوٹ: حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث انہی الفاظ کے ساتھ بخاری ومسلم میں نہیں ملی، بلکہ ان الفاظ کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث مسلم شریف: ۱۹۸/۱، میں موجود ہے۔

ترجمہ: ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایسی چادر میں نماز پڑھ لیتے تھے جس کا کچھ حصہ میرے اوپر اور کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر رہتا تھا، اوراس وقت میں حائضہ ہوتی تھی۔

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ نمازی کے قریب اگر اس کی بیوی لیٹی ہو اور وہ حالت حیض میں ہو ایسی صورت میں نمازی کے کپڑے کا گوشہ سجدہ وغیرہ میں جاتے وقت بیوی پر پڑ جائے تو کوئی حرج نہیں، اس سے نماز بلا کراہت ہو جائے گی۔

﴿الفصل الثانی﴾

کفر کے تین کام

﴿۵۰۷﴾ **وَعَنْ** اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَتٰی حَائِضًا اَوْ امْرَاَةً فِیْ دُبُرِهَا اَوْ کَاهِنًا فَقَدْ کَفَرَ بِمَا اُنْزِلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ۔ (رواه الترمذی وابن ماجة والدارمی) وَفِیْ رِوَایَتِهِمَا فَصَدَّقَهُ بِمَا یَقُوْلُ فَقَدْ کَفَرَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ لَانَعْرِفُ هٰذَا الْحَدِیْثَ اِلَّا مِنْ حَکِیْمِ الْاَثْرَمِ عَنْ اَبِیْ تَمِیْمَةَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۳۵/۱، باب ماجاء فی کراهیة اتیان

الحائض، کتاب الطهارة، حدیث نمبر:۱۵۳۔ابن ماجہ:۴۷، باب النهی عن اتیان الحائض، کتاب الطهارة، حدیث نمبر:۲۳۹۔دارمی:۲۷۵/۲۷۶، باب من اتی امرأته فی دبرها، کتاب الطهارة، حدیث نمبر:۱۱۷۶۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے حائضہ عورت سے جماع کیا یا عورت کی دبر میں دخول کیا، یا کاہن کی تصدیق کی تو اس نے اس دین کا انکار کیا جو محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اتارا گیا ہے۔ (ترمذی، ابن ماجہ، دارمی) ابن ماجہ اور دارمی کی ایک روایت میں یوں ہے کہ جس شخص نے کاہن کی بات کی تصدیق کی، تو وہ کافر ہو گیا، اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث مجھ کو اس سند سے پہونچی ہے، جس کو حکیم الاثرم نے ابوتمیمہ سے اور ابوتمیمہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں تین کام کرنے والوں کی سخت مذمت وارد ہوئی ہے، ان کاموں کے کرنے والوں کو کافر کہا ہے، یعنی یہ ایسے فعل ہیں کہ اگر کوئی ان کو کرتا ہے تو اس کے ایمان جانے کا خطرہ ہے، وہ تین کام یہ ہیں۔

(۱)......بیوی یا باندی سے حالت حیض میں جماع کرنا۔

(۲)......بیوی سے پچھلے مقام میں جماع کرنا۔

(۳)......کاہن و نجومی کی تصدیق کرنا۔

من اتی حائضا: حائضہ سے جماع کرنا باتفاق امت حرام ہے، اس کی تفصیل گذر چکی ہے۔

اتیان حائض سے مراد جماع ہے، اور **اتیان کاهن** سے مراد تصدیق کاہن ہے، لفظ ایک ہو اور اس کے دو معنی ہوں، ان میں سے ایک شی میں ایک معنی اور دوسری شی میں

دوسرے معنیٰ مراد لئے جائیں، تو اس کوفن بدیع میں "صنعت استخدام" کہتے ہیں۔ جیسے: "ان اللہ وملٰئکته یصلون" میں ہے، صلوٰۃ کی نسبت اللہ تعالیٰ وفرشتوں دونوں کی طرف ہے، لفظ ایک ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرنے میں دوسرے معنیٰ ہیں اور فرشتوں کی طرف نسبت کرنے میں الگ معنیٰ ہیں، حاصل یہ ہے کہ یہاں اتیان میں صنعت استخدام ہے، یا یہ کہا جائے گا کہ "علفتها تبنا وماء باردا" کے قبیل سے ہے، اصل میں من اتی حائضا وصدق کاھنا تھا، صدق فعل کوحذف کرکے اس کے معمول کو پہلے والے پر عطف کردیا۔

امرأة فی دبرھا: امام نوویؒ نے اتیان فی دبر المنکوحہ کی حرمت پر اجماع نقل کیا ہے۔

او کاھنا: کاہن اس شخص کو کہتے ہیں کہ جو مستقبل کی خبریں بیان کرے اور اسرارِ کائنات کا مدعی ہو، کہانت کی دوقسمیں ہیں۔

(۱)......کسبی۔ (۲)......طبعی۔

فقہاء کے نزدیک کہانت کی دونوں قسمیں حرام ہیں، کہانت طبعیہ کا پیدا ہوجانا غیر اختیاریہ ہے کہ اس سے اجتناب کا آدمی مکلف نہیں، البتہ اس کہانت طبعیہ کا اظہار و بیان اور اس سے کام لینا حرام ہے۔

حائضہ کا کون سا حصہ حلال ہے؟

﴿۵۰۸﴾ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! مَا يَحِلُّ لِيْ مِنْ اِمْرَأَتِيْ وَهِيَ حَائِضٌ قَالَ مَافَوْقَ الْاِزَارِ وَالتَّعَفُّفُ عَنْ ذٰلِكَ اَفْضَلُ۔ (رواه رزين) وقال محي السنة اسناده ليس بقوی۔

حواله: ابوداؤد شریف: ۲۸/۱، باب فی المذی، کتاب الطهارة،

حدیث نمبر:۲۱۳۔رزین۔

ترجمہ: حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے پوچھا اے اللہ کے رسول! صلی اللہ علیہ وسلم میری بیوی جب حالت حیض میں ہوتو میرے لئے اس کی کیا چیز حلال ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ چیز جو تہبند کے اوپر ہے؛ لیکن اس سے بچنا افضل ہے۔(رزین) محی السنہ نے فرمایا کہ اس حدیث کی اسناد قوی نہیں ہے۔

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر عورت کپڑے پہنے ہے، تو اس کے جسم سے لذت اٹھانا حلال ہے؛ اور اگر کوئی شخص حالت حیض میں کپڑے کے اوپر سے بھی ملامست وغیرہ کرنے سے بچتا ہے تو یہ افضل ہے۔

مایحل لی: یعنی بیوی جب حیض میں ہوتو اس کے کون سے مقام سے شوہر کے لئے لذت اٹھانا جائز ہے؟

مافوق الازار: تہبند کے اوپر جو حصہ ہے اس سے استمتاع حلال ہے۔یہ حنفی مسلک کی مؤید حدیث ہے، اس وجہ سے احناف کے نزدیک "مابین الرکبۃ والسرۃ بدون الازار" مباشرت جائز نہیں ہے۔

والتعفف: یہ حکم احتیاط کی بنا پر ہے، کیونکہ کپڑے کے اوپر سے مباشرت کرنے سے ممکن ہے جماع کا صدور ہو جائے، لہٰذا افضل یہی ہے کہ اس سے بھی بچا جائے۔

حالت حیض میں جماع سے صدقہ

﴿۵۰۹﴾ **وَعَنْ** ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا وَقَعَ الرَّجُلُ بِاَهْلِهٖ وَهِيَ حَائِضٌ فَلْيَتَصَدَّقْ بِنِصْفِ دِيْنَارٍ۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی والدارمی وابن ماجۃ)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۳۵/ ۱، باب فی اتیان الحائض، کتاب الطهارة، حدیث نمبر:۲٦٦۔ترمذی شریف: ۳۵/ ۱، باب الکفارة فی اتیان الحائض، کتاب الطهارة، حدیث نمبر:۱۳٦۔نسائی شریف: ۳۲/ ۱، باب مایجب علی من اتی حلیلته فی حال حیضتها، کتاب الطهارة، حدیث نمبر:۲۸۸۔ابن ماجہ:۴۷، باب فی کفارة من اتی حائضا، کتاب الطهارة، حدیث نمبر:٦۴۰۔دارمی: ۲۷۰، ۲۷۱/ ۱، باب من قال علیه کفارة، کتاب الطهارة، حدیث نمبر:۱۱۰۹۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جوشخص اپنی بیوی کے ساتھ حیض کی حالت میں جماع کر بیٹھا تو اس شخص کو چاہئے کہ آدھا دینار صدقہ کرے۔

تشریح: حالت حیض میں جماع کرنا بہت بڑا جرم اور گناہ کبیرہ ہے، جس شخص سے یہ فعل سرزد ہو جائے تو اسے توبہ کرنا چاہئے، نیز آدھا دینار صدقہ کرنا چاہئے؛ تاکہ اس کے جرم کو اللہ تعالیٰ معاف کر دیں۔

دینار دینا واجب ہے یا نہیں؟

جمہور کا مذہب: جمہور کے نزدیک حالت حیض میں جماع واقع ہونے کی صورت میں توبہ واستغفار کرنا واجب ہے؛ البتہ تکمیل توبہ کے لئے خیرات کرنا مستحب ہے۔

دلیل: حالت حیض میں جماع گناہ کبیرہ ہے، اور کسی بھی گناہ کبیرہ میں سوائے توبہ کے اور کوئی صدقہ نہیں ہے، لہٰذا جماع واقع ہونے کی صورت میں توبہ کے علاوہ کوئی صدقہ واجب نہیں ہوگا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "الصدقة تطفئ

غضب الرب" اس حدیث سے کلی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ گناہ کے معاملہ میں صدقہ واجب نہیں ہے۔ البتہ صدقہ کرنا مستحب ہے۔

امام احمدؒ کا مذہب: امام احمدؒ کے نزدیک حائضہ سے صحبت کرنے والے پر دینار یا نصف دینار صدقہ کرنا واجب ہے۔

دلیــــــل: حدیث باب ہے، جس میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "**فلیتصدق نصف دینار**" معلوم ہوا کہ صدقہ کرنا واجب ہے۔

جواب: (۱)......حدیث استحباب پر محمول ہے۔

(۲)......یا علاج پر محمول ہے کہ بطور علاج یہ ارشاد فرمایا اس لئے کہ صدقہ دینا نفس پر گراں گذرتا ہے، جب اس حرکت پر صدقہ دینا پڑیگا تو آئندہ نفس اس حرکت سے باز رہے گا۔

ایضاً

﴿۵۱۰﴾ وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا كَانَ دَمًا أَحْمَرَ فَدِيْنَارٌ وَإِذَا كَانَ دَمًا أَصْفَرَ فَنِصْفُ دِيْنَارٍ۔ (رواه الترمذی)

حواله: ترمذی شریف: ۳۵/۱، باب الكفارة فی اتیان الحائض، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۱۳۷۔

ترجمه: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اگر حیض کا خون سرخ ہوتو ایک دینار اور اگر زرد ہوتو نصف دینار۔ (واجب ہے)

تشــــریـح: اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر حیض کی شروعات میں جماع کیا، تو ایک دینار صدقہ کرنا ضروری ہے، اور اگر کچھ مدت گذرنے کے بعد حالت حیض میں جماع کیا تو نصف دینار واجب ہوگا۔

اذا کان دما احمر: یہاں سرخ خون ہونے اور زرد خون ہونے میں فرق ہے، فرق اسی لئے ہے کہ پہلی صورت میں جرم شدید ہے، اس لئے کہ سرخ خون شروع حیض میں ہوتا ہے، بعد میں زرد ہوتا ہے، مطلب یہ ہوا کہ حیض کے شروع میں جماع کرے تو جرم شدید ہے، اس لئے کہ حیض سے قبل تو اس کو جماع کا موقعہ تھا، ابھی زمانہ زیادہ نہیں ہوا اور اس سے اتنا بھی صبر نہیں ہو سکا، اور زرد خون جب آئے تو اس وقت جماع کرنے میں حرج کچھ کم ہے، کیوں کہ کسی قدر فصل ہو جانے سے اس کو فی الجملہ معذور سمجھا گیا ہے۔

ملا علی قاری دونوں میں فرق کی وجہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ زرد رنگ سرخ اور سفید دونوں کے درمیان دائر ہوتا ہے؛ لہٰذا اگر سرخ کی طرف نگاہ کی جائے تو مکمل دینار واجب ہونا چاہئے؛ کیوں کہ یہ حیض ہے، اور اگر سفید رنگ کی طرف نظر کی جائے تو کچھ واجب نہ ہونا چاہئے کیوں کہ سفید رنگ کو حیض نہیں قرار دیا جاتا؛ لہٰذا دونوں کی رعایت کرتے ہوئے نصف دینار واجب کیا، یہ حدیث بظاہر امام احمد کے مذہب کی مؤید ہے، کیونکہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حالت حیض میں جماع کرنے کی وجہ سے صدقہ کرنا واجب ہے۔

حـدیــث کـا جـواب: یہ حدیث ضعیف ہے، علامہ نوویؒ فرماتے ہیں: "وهو حديث ضعيف باتفاق الحفاظ" (بذل المجہود: ۱/۱۵۸)

یا پھر یہ کہا جائے کہ یہ حدیث استحباب پر محمول ہے۔ یا علاج پر محمول ہے، جیسا کہ اوپر گذر چکا۔

﴿الفصل الثالث﴾

کپڑے کے اوپر سے مباشرت کرنا

﴿۵۱۱﴾ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ إِنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا يَحِلُّ لِيْ مِنْ اِمْرَأَتِيْ وَهِيَ حَائِضٌ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَشُدُّ عَلَيْهَا إِزَارَهَا ثُمَّ شَأْنُكَ بِأَعْلَاهَا۔ (رواه مالك والدارمي مرسلا)

حواله: مؤطا امام مالک: ۲۰، باب مایحل للرجل من امرأته وهي حائض، کتاب الطهارة، حدیث نمبر:۹۳۔دارمی:۲۵۸/ ۱، باب مباشرة الحائض، کتاب الطهارة، حدیث نمبر:۱۳۲۔

ترجمه: حضرت زید ابن اسلم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مسئلہ دریافت کیا کہ میرے لئے میری بیوی کی حیض کی حالت میں کیا چیز حلال ہے؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: ان کے خاص مقام (ناف سے زانوں تک) پر ایک کپڑا اچھی طرح باندھ دو، پھر اس کے اوپر کے حصہ پر تمہارا کام ہے، اس روایت کو مالک و دارمی نے بطریق ارسال نقل کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حالت حیض میں مباشرت جائز ہے، جماع جائز نہیں، کوئی شخص اگر اپنی بیوی سے حالت حیض میں مباشرت کرنا چاہتا ہے، تو وہ کپڑے کے اوپر سے مباشرت کرسکتا ہے۔

تشد علیہا ازارھا: معلوم ہوا ”مابین السرۃ والرکبۃ“ سے بغیر کسی پردہ کے استمتاع جائز نہیں ہے۔ یہی حنفیہ کا مذہب ہے، اس حدیث سے حنفیہ کی تائید ہوتی ہے، مکمل بحث حدیث نمبر: ۵۰۲/۵۰۱ پر دیکھئے۔

حائضہ کے ساتھ جماع سے اجتناب

﴿۵۱۲﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ كُنْتُ إِذَا حِضْتُ نَزَلْتُ عَنِ الْمِثَالِ عَلَى الْحَصِيْرِ فَلَمْ يَقْرُبْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ تَدْنُ مِنْهُ حَتّٰى تَطْهُرَ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/۳۶، باب فی الرجل یصیب منہا مادون الجماع، کتاب الطہارۃ، حدیث نمبر: ۲۷۱۔

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں جب حائضہ ہوتی تو بستر سے چٹائی پر آجاتی، چنانچہ جب تک وہ پاک نہ ہوجاتیں نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نزدیک آتے اور نہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک جاتی۔

تشریح: نزلت عن المثال علی الحصیر: یہ حدیث گذشتہ حدیث کے خلاف ہے، کیوں کہ گذشتہ احادیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ اس صورت میں بھی مخالطت ومباشرت فرماتے تھے۔ جب کہ وہ حیض کی حالت میں ہوتی تھیں، لہٰذا اس حدیث کو ان احادیث سے منسوخ مانا جائے، یا پھر یہ تاویل کی جائے کہ یہاں قرب سے قرب مخصوص کی نفی مراد ہے، یعنی

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حالت حیض میں جماع نہیں فرماتے تھے، جیسے کہ قرآن مجید میں ہے، "ولا تقربوھن حتی یطھرن" [عورتوں سے اس وقت تک جماع نہ کرو جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں] میں قرب سے جماع مراد ہے۔

باب الاستحاضة

رقم الحدیث:...... ۵۱۳/ تا ۵۱۸/

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب الاستحاضة

(استحاضہ کا بیان)

اس باب میں مستحاضہ کے اقسام واحکام نیز مستحاضہ کے غسل وغیرہ کا تذکرہ ہے۔
فقہاء لکھتے ہیں کہ عورت کو تین قسم کا خون آتا ہے۔

(۱)......نفاس کا خون جو کہ ولادت کے بعد عورت کی شرمگاہ سے نکلے۔

(۲)......استحاضہ وہ خون جو کسی مرض کی وجہ سے آئے۔

(۳)......حیض وہ خون جو مذکورہ وجوہات کے بغیر عورت کے رحم سے خارج ہو۔یعنی تندرست عورت کو ہر ماہ بطور عادت جو خون آتا ہے وہ حیض کہلاتا ہے۔

مستحاضہ سے مراد وہ عورت ہے جس کے رحم سے خلاف معمول خون نکلتا رہتا ہے، اور یہ خون نہ تو حیض کا ہوتا ہے، نہ نفاس بلکہ مرض لاحق ہونے کی وجہ سے جاری ہوتا ہے، دراصل عورت کے رحم میں ایک خاص رگ ہوتی ہے، جس کو عربی میں عاذل کہتے ہیں، کسی بیماری کی وجہ سے بہنے لگتی ہے، اور خون باہر آنے لگتا ہے، اور یہی استحاضہ کہلاتا ہے، اور اس بیماری میں مبتلا عورت مستحاضہ کہلاتی ہے۔

فقہاء کی اصطلاح میں جوخون مدت حیض سے کم آ کرختم ہوجائے یا مدت حیض سے زیادہ دن آ جائے اس کا نام استحاضہ ہے۔یعنی حیض ونفاس کے علاوہ جوخون عورت کو آتا ہے وہ استحاضہ کہلاتا ہے۔

حکم: مستحاضہ کا حکم یہ ہے کہ وہ خون کے دوران نماز روزہ اور دوسری عبادتیں حسب معمول کرتی رہے،مستحاضہ کے ساتھ جماع کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔

﴿الفصل الاول﴾

خون استحاضہ کا حکم

﴿۵۱۳﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ جَاءَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ اَبِيْ حُبَيْشٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! اِنِّيْ اِمْرَأَةٌ اُسْتَحَاضُ فَلَا اَطْهُرُ اَفَاَدَعُ الصَّلٰوةَ فَقَالَ لَا اِنَّمَا ذٰلِكِ عِرْقٌ وَلَيْسَ بِحَيْضٍ فَاِذَا اَقْبَلَتْ حَيْضَتُكِ فَدَعِي الصَّلٰوةَ وَاِذَا اَدْبَرَتْ فَاغْسِلِيْ عَنْكِ الدَّمَ ثُمَّ صَلِّيْ۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۳۶/ ۱، باب غسل الدم، کتاب الوضوء، حدیث نمبر: ۲۲۸۔مسلم شریف: ۱۵۱/ ۱، باب المستحاضة وغسلها وصلاتها، کتاب الحیض، حدیث نمبر:۳۳۳۔

ترجمه: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں

حاضر ہوئیں، اورعرض کیا اے اللہ کے رسول! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں ایک ایسی عورت ہوں جو استحاضہ کی بیماری میں مبتلا ہے، میں پاک نہیں رہ پاتی تو کیا میں نماز چھوڑ دوں؟ اس پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہیں، وہ خون تو محض ایک رگ کا ہے، حیض کا خون نہیں ہے، لہٰذا جب حیض کی حالت میں ہو، تو نماز چھوڑ دیا کرو اور جب حیض کا سلسلہ منقطع ہو جائے تو خون کو دھولو اور پھر نماز پڑھو۔

تشریح: استحاضہ ایک بیماری ہے، یہ حیض کے مانند نہیں، استحاضہ کی وجہ سے نہ نماز معاف ہوگی اور نہ مؤخر ہوگی، مستحاضہ کو اصحاب عذر میں شمار کیا گیا ہے؛ لہٰذا سلسل بول کے مریض کی طرح یہ بھی ہر نماز کے لئے وضو کرے گی، اور اس وضو سے وقت کے اندر نماز ادا کرے گی، وقت کے نکلتے ہی اس کا وضو ٹوٹ جائے گا، استحاضہ کے دوران جب حیض آنے لگے گا، تو مستحاضہ نماز کو ترک کر دے گی، اور جب حیض کا خون بند ہو جائے گا تو غسل کر کے نماز ادا کرے گی۔

مستحاضہ کے اقسام واحکام

یوں تو مستحاضہ کی فقہا چار قسمیں کرتے ہیں، تین قسمیں متفق علیہ ہیں انہیں کو یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱)...... **مبتدیہ**: جس عورت کو ابتدائے بلوغ ہی سے لگاتار خون جاری ہو جائے۔ (مثلاً حمنہ بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا) اس کا حکم یہ ہے کہ یہ عورت اپنی قوم کی عورتوں کا اعتبار کرے، ورنہ ہر ماہ دس ایام حیض شمار کرلے اور پھر استحاضہ سمجھے اور نماز پڑھتی رہے۔

(۲)...... **معتادہ**: جس عورت کی حالت حیض مقرر تھی اور وہ اس کو یاد بھی ہے، پھر

دائمی خون جاری ہوگیا۔ (مثلاً فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ تعالیٰ عنہا) اس کا حکم یہ ہے کہ ایام عادت کو حیض شمار کرے اور اس کے بعد والے خون کو استحاضہ سمجھے اور نماز پڑھے۔

(۳)...... **متحیرہ:** جس عورت کی حیض کی عادت مقرر نہ تھی، یا عادت مقرر تھی اور وہ بھول گئی ہے، اور پھر دائماً خون جاری ہوگیا ہے۔ (مثلاً ام حبیبہ بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا) اس کا حکم یہ ہے کہ غیر معتادہ اپنی قوم کی عورتوں کی عادت پر عمل کرے، اور معتادہ ناسیہ تحری کر کے ظن غالب یا یقین پر عمل کرے، اگر ظن غالب یہ ہو کہ ایام حیض ہیں تو وہ نہ نماز پڑھے اور نہ روزہ رکھے، اور اگر ظن غالب یہ ہو کہ یہ **ایام طہر** ہیں تو پھر وہ وضو لکل صلوۃ کے ساتھ نماز پڑھے، اور اگر اس کا ظن غالب کسی طرف نہ ہو بلکہ تردد ہو کہ یہ ایام حیض کے ہیں یا **طھر** کے، تو پھر اس کی دو صورتیں ہیں۔

(۱)...... تردد حیض یا طہر کے درمیان **دخول فی الحیض** میں ہے، تو اس صورت میں وضو لکل صلوۃ کے ساتھ نماز پڑھے گی۔

(۲)...... حیض اور طہر کے درمیان **دخول فی الطھر** میں تردد ہے تو اس صورت میں غسل لکل صلوۃ کے ساتھ نماز پڑھے گی۔

امام ابو حنیفہؒ کے علاوہ ائمہ ثلاثہ چوتھی قسم کا تذکرہ کرتے ہیں۔

(۴)...... **ممیزہ:** وہ عورت ہے جس کی عادت حیض مقرر نہیں، اور وہ دم حیض کو رنگ کے ذریعہ تمیز دیتی ہے، اس کو "**ممیزہ**" کہتے ہیں۔

تمیز بالالوان کا مسئلہ، اختلاف ائمہ

'**تمیز بالالوان**' کا مسئلہ مختلف فیہ ہے اور یہ استحاضہ کے باب میں بہت اہم مسئلہ

ہے، محدثین عام طور سے اس مسئلہ کو اسی حدیث کے ذیل میں ذکر کرتے ہیں۔

امام ابو حنیفہ کا مذہب: امام صاحبؒ کے نزدیک استحاضہ کے خون میں رنگ کا اعتبار نہیں، بلکہ عادت کا اعتبار ہے۔

دلیل: اسی باب الاستحاضہ میں حدیث ہے: "**عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال فی المستحاضة تدع الصلوة ایام اقرائها التی کانت تحیض فیها ثم تغتسل وتتوضأ عند کل صلوة وتصوم وتصلی**" اس حدیث میں فقط اعتبار ایام عادت کا ہے۔ الوان کا اس میں ذکر نہیں ہے؛ لہٰذا یہ روایت اعتبار عادت میں نص ہے۔

ائمہ ثلاثہ کا مذہب: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تمیز بالالوان کا اعتبار ہے، چنانچہ وہ کہتے ہیں حیض کا خون کالا اور غلیظ ہوتا ہے۔

دلیل: "**انه علیه السلام قال اذا کان دم الحیض فانه دم اسود یعرف فاذا کان ذلک فامسکی عن الصلوٰة فاذا کان الأخر فتوضأی وصلی فانما هو عرق**" اس سے معلوم ہوا کہ حیض میں دم الوان کا اعتبار ہے۔

جواب: یہ روایت حضرت عروہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، یہ روایت سند کے اعتبار سے انتہائی سقیم ہے؛ چناچہ ابو حاتم نے اس کو منکر قرار دیا ہے؛ لہٰذا یہ روایت قابل استدلال نہیں، اگر بالفرض اس کو صحیح مان لیا جائے تو یہ توافق عادت وتمیز بالالوان پر محمول ہے۔

مستحاضہ کے لئے ہر نماز کے لئے غسل

ائمہ اربعہ کا مذہب: ائمہ اربعہ کے نزدیک مستحاضہ کے لئے صرف انقطاع حیض

والا غسل ضروری ہے، ہر نماز کے لئے غسل ضروری نہیں۔

دلیل: حدیث باب ہے، اس میں ہر نماز کے لئے غسل کو ضروری نہیں قرار دیا گیا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مذہب: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ہر نماز کے لئے غسل واجب ہے۔

دلیل: "عن عدی بن ثابت عن جده ثم تغتسل وتوضأ عند كل صلوة"

جواب: (۱) یہ حدیث منسوخ ہے۔ (۲) نظافت واحتیاط پر محمول ہے۔ (۳) علاج پر محمول ہے تاکہ خون کی قوت وکثرت میں کمی آجائے۔

ثم صلی: نماز پڑھنے سے پہلے یہاں وضو کا تذکرہ نہیں ہے، لیکن دوسری احادیث میں "ثم توضأی لكل صلوة" کے الفاظ ہیں، مطلب یہ ہے کہ حیض کے بعد غسل کرو، پھر ہر نماز کے وقت کے لئے وضو کر کے نماز پڑھو۔

مستحاضہ کیلئے وضو ہر نماز کیلئے ہے یا ہر فرض نماز کے وقت کیلئے؟

امام شافعیؒ: امام شافعیؒ فرماتے ہیں مستحاضہ ہر نماز کے لئے وضو کرے گی، اور اس وضو سے وہ فرض نماز جس کے لئے وضو کیا ہے اور اس سے متعلق نوافل ادا کرے گی، اگر کسی دوسرے وقت کی قضاء نماز کا ارادہ ہے تو پھر سے وضو کرے۔

امام ابو حنیفہؒ: امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ مستحاضہ ہر فرض نماز کے وقت کے لئے وضو کرے گی، اور اس وضو سے وقت کے اندر جتنے فرائض ونوافل ادا کرنا چاہے ادا کر سکتی ہے۔ اس مسئلہ کی مزید تحقیق ودلیل حدیث نمبر: ۵۱۶/ کے تحت دیکھئے۔

﴿الفصل الثانی﴾

حیض کا خون کالا ہوتا ہے

﴿۵۱۴﴾ وَعَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ أَبِيْ حُبَيْشٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا أَنَّهَا كَانَتْ تُسْتَحَاضُ فَقَالَ لَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ دَمُ الْحَيْضِ فَإِنَّهُ دَمٌ أَسْوَدُ يُعْرَفُ فَإِذَا كَانَ ذٰلِكَ فَأَمْسِكِيْ عَنِ الصَّلٰوةِ فَإِذَا كَانَ الْآخَرُ فَتَوَضَّئِيْ وَصَلِّيْ فَإِنَّمَا هُوَ عِرْقٌ۔

(رواہ ابوداؤد والنسائی)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۳۹/ ۱، باب من قال اذا اقبلت الحیضة تدع الصلوة، کتاب الطهارة، حدیث نمبر:۲۸۶۔ نسائی شریف: ۲۶/ ۱، باب الفرق بین دم الحیض والاستحاضة، کتاب الحیض والاستحاضة، حدیث نمبر: ۳۶۰۔

ترجمہ: حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ حضرت فاطمہ بنت ابوحبیش رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ ان کو استحاضہ کا مرض تھا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اگر حیض کا خون ہے تو وہ کالا خون ہوگا، جس کو پہچان لیا جاتا ہے، لہٰذا جب یہ ہو تو نماز کو موقوف رکھو، اور جب کسی دوسرے رنگ کا ہو تو وضو کرو اور نماز پڑھو؛ کیوں کہ یہ خون ایک رگ کا ہے۔

تشریح: عام طور پر حیض کا خون کالے رنگ کا ہوتا ہے؛ لہٰذا جب کالے رنگ کا

خون آنے لگے تو مستحاضہ یہ سمجھ لے کہ اب اس کو حیض کا خون آرہا ہے، چنانچہ ایسی صورت میں اس کو نماز روزہ ترک کردینا چاہئے، اور جب کالے رنگ والا خون آنا بند ہو جائے تو مستحاضہ یہ سمجھ لے کہ اب اس کا خون حیض منقطع ہو گیا، لہٰذا وہ پاکی حاصل کر کے نماز روزہ شروع کردے۔

دم اسود: حیض کے خون کو "اسود" اکثر کے اعتبار سے کہا ہے؛ ورنہ کچھ عورتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جن کے خون کا رنگ سرخ وغیرہ بھی ہوتا ہے، حدیث کے اسی جز سے استدلال کرتے ہوئے شوافع وغیرہ کہتے ہیں کہ حیض واستحاضہ میں رنگت کے اعتبار سے فرق ہوتا ہے، حنفیہ اس بات کے قائل ہیں کہ تمیز بالالوان کوئی چیز نہیں ہے؛ لہٰذا وہ اس حدیث کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ حکم اس وقت ہے جب تمیز وعادت کے درمیان توافق ہو، یعنی جن دنوں میں عورت کو حیض آنے کی عادت ہے، انہی دنوں میں کالا خون آتا ہے اور جن دنوں میں حیض آنے کی عادت نہیں ہے، ان دنوں میں کالا خون نہیں آتا ہے، تو یہ کالا خون حیض شمار ہوگا؛ لیکن یہ کالا محض رنگ کی وجہ سے حیض شمار نہ ہوگا؛ بلکہ عادت کے دنوں میں آنے کی وجہ سے حیض شمار ہوگا۔ اور یہاں عادت ہی مراد بھی ہے؛ کیونکہ جس عورت کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مسئلہ بتایا تھا وہ معتادہ عورت تھیں۔

فاذا کان الاخر: جب حیض کا خون رک جائے تو غسل کر لے، اس کے بعد ہر نماز وضو کر کے ادا کرے، حدیث کے اس جز سے استدلال کرتے ہوئے ائمہ اربعہ کہتے ہیں کہ مستحاضہ کے لئے ہر نماز کے وقت کے لئے غسل کرنا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ ہر نماز یا ہر نماز کے وقت کے لئے صرف وضو کافی ہے۔

"معتادہ" مستحاضہ کے ایام حیض کا بیان

﴿۵۱۵﴾ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ اِنَّ امْرَأَةً كَانَتْ تُهْرَاقُ الدَّمَ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَفْتَتْ لَهَا اُمُّ سَلَمَةَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لِتَنْظُرْ عَدَدَ اللَّيَالِيْ وَالْاَيَّامِ الَّتِيْ كَانَتْ تَحِيْضُهُنَّ مِنَ الشَّهْرِ قَبْلَ اَنْ يُّصِيْبَهَا الَّذِيْ اَصَابَهَا فَلْتَتْرُكِ الصَّلٰوةَ قَدْرَ ذٰلِكَ مِنَ الشَّهْرِ فَاِذَا خَلَّفَتْ ذٰلِكَ فَلْتَغْتَسِلْ ثُمَّ لِتَسْتَثْفِرْ بِثَوْبٍ ثُمَّ لِتُصَلِّ۔

(رواہ مالك وابوداؤد والدارمی) وَرَوَى النَّسَائِيُّ مَعْنَاهُ۔

حوالہ: مؤطا امام مالک: ۲۱، باب المستحاضة، کتاب الطهارة، حدیث نمبر:۱۰۵۔ابوداؤد شریف:۳۶/۱، باب فی المرأة تستحاض، کتاب الطهارة، حدیث نمبر:۲۴۷۔نسائی شریف:۳۵/۱، باب ذکر الاغتسال من الحیض، کتاب الطهارة، حدیث نمبر:۲۰۸۔دارمی:۲۲۱/۱، باب فی غسل المستحاضة، کتاب الطهارة، حدیث نمبر:۷۸۰۔

حل لغات: لتستثفر، امر ہے،باب استفعال سے،استثفر ثوبہ وبہ، لنگوٹ باندھنا،الحائض، حائضہ عورت کا کرسف باندھنا۔

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے زمانے میں ایک عورت کو بہت زیادہ خون آتا تھا، چنانچہ اس عورت کے بارے میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے مسئلہ دریافت کیا،تو آنحضرت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس عورت کو چاہئے کہ وہ ان دنوں اور راتوں کا شمار یاد رکھے، جن میں وہ اس کے لاحق ہونے سے پہلے ہر ماہ عادۃً حائضہ ہوتی تھی، اور پھر

ہر ماہ انہی دنوں کی مدت کے دوران نماز پڑھنا موقوف کردیا کرے، اور جب وہ مدت گذر جائے تو غسل کرے اور کپڑے کا لنگوٹ باندھ لے، اور پھر نماز پڑھنے لگے۔ (مالک، ابوداؤد، دارمی) اورنسائی نے بھی اسی مضمون کی روایت نقل کی ہے۔

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مستحاضہ حالت استحاضہ میں نماز ادا کرے گی اوراس کی ادا کی ہوئی نماز صحیح ہوگی؛ البتہ مستحاضہ کودم استحاضہ کوروکنے کے لئے جو احتیاطی تدابیر ہوسکتی ہیں، ان کوروبہ عمل لانا چاہئے، اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دم استحاضہ کی کثرت پر روک لگانے کی ایک تدبیر ذکر فرمائی ہے۔ مستحاضہ کوجن دنوں میں حیض آنے کی عادت ہے ان دنوں میں نماز موقوف کردینا چاہئے۔

لتنظر عدد اللیالی: یہ حدیث حنفیہ کی اس بات پر واضح دلیل ہے کہ تمیز باالوان کوئی چیز نہیں ہے، کیوں کہ اس میں اس بات کی صراحت ہے کہ اعتبار فقط ایام عادت کا ہوتا ہے، الوان کا اس میں کوئی تذکرہ نہیں ہے۔

فلیغتسل: حیض کے انقطاع کے بعد مستحاضہ صرف ایک بار غسل کریگی۔ ہر نماز کے لئے غسل ضروری نہیں ہے۔

ثم لتستثفر: مستحاضہ لنگوٹ وغیرہ باندھ کرحتی الامکان خون روکنے کی تدبیر کرے، اس کے باوجود اگر خون رستا ہے تو یہ خون مانع صلوۃ نہیں ہے۔

مستحاضہ نماز سے پہلے وضو کرے

﴿۵۱۶﴾ وَعَنْ عَدِیِّ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ یَحْیَ ابْنُ مُعِیْنٍ جَدُّ عَدِیٍّ اسْمُهٗ دِیْنَارٌ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ فِیْ

اَلْمُسْتَحَاضَةِ تَدَعُ الصَّلٰوةَ اَیَّامَ اَقْرَائِهَا الَّتِیْ كَانَتْ تَحِیْضُ فِیْهَا ثُمَّ تَغْتَسِلُ وَتَتَوَضَّأُ عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ وَتَصُوْمُ وَتُصَلِّیْ۔ (رواه الترمذی وابوداؤد)

حواله: ابوداؤد شریف: ۱/۴۱، باب من قال تغتسل من طهر الی طهر، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۲۹۷۔ ترمذی شریف: ۱/۳۳، باب المستحاضة، تتوضأ لکل صلوة، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۱۲۶۔

حل لغات: اَقْرَاءٌ، قَرْءٌ کی جمع ہے، حیض، حیض سے پاکی یعنی طہر، دونوں کے لئے مستعمل ہے، یہاں حیض مراد ہے۔

ترجمه: حضرت عدی بن ثابت سے روایت ہے کہ وہ اپنے والد سے اور ان کے والد ان کے دادا سے، یحیٰی ابن معین نے عدی کے دادا کا نام ''دینار'' بتایا ہے، اور وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مستحاضہ کے بارے میں فرمایا: وہ ان دنوں میں نماز پڑھنا چھوڑ دے جن دنوں میں وہ حائضہ ہوا کرتی تھی، اس کے بعد پھر وہ غسل کرے، اور ہر نماز کے لئے وضو کرے، اور روزہ رکھے اور نماز پڑھے۔

تشریح: حیض کے انقطاع کے بعد مستحاضہ غسل کرے گی۔ اس کے بعد ہر نماز کے وقت کے لئے وضو کرے گی، اور پھر اسی وضو سے فرائض ونوافل ادا کرے گی۔

تتوضأ عند کل صلوة: حدیث کے اس جملہ سے معلوم ہو رہا ہے کہ مستحاضہ ہر نماز کے لئے وضو کرے گی، یہ حدیث بظاہر حنفیہ کے مخالف ہے۔

مستحاضہ وضو کب کرے؟

انقطاع حیض کے بعد غسل واحد پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے؛ البتہ وضو کے بارے میں

اختلاف ہے، امام مالکؒ کے نزدیک مستحاضہ ہر نماز کے لئے وضو کرے تو یہ مستحب ہے؛ لیکن یہ ایسی صورت میں ہے جب استحاضہ کے علاوہ کوئی دوسرا حدث نہ پایا جائے، اگر استحاضہ کے ساتھ کوئی دوسرا حدث بھی پایا گیا تو وضو واجب ہوگا، حاصل یہ ہے کہ مستحاضہ کے اوپر وضو کرنا واجب نہیں ہے؛ لیکن جمہور ائمہ وجوب وضو کے قائل ہیں، پھر وجوب وضو کے قائلین میں بھی اختلاف ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کا مذہب: امام صاحبؒ کے نزدیک وضو ہر نماز کے وقت کے لئے کیا جائے گا، وقت نکلنے سے وضو ٹوٹے گا۔ وقت کے اندر مستحاضہ جتنی فرض ونفل نمازیں پڑھنا چاہے پڑھ سکتی ہے۔

دلیل: (۱)"المستحاضة تتوضأ لوقت كل صلوة" (۲)"توضأى لوقت كل صلوة" ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ مستحاضہ ہر نماز کے وقت کے لئے وضو کرے گی۔

شوافع کا مذہب: شوافع کے نزدیک مستحاضہ ہر نماز کے لئے وضو کرے گی، ایک وضو سے دوسری فرض نمازیں ادا کرنا جائز نہیں ہے، صرف وہی فرض ادا کی جاسکتی ہے، جس کے لئے وضو کیا ہے؛ البتہ فرض نماز کے ساتھ اس سے متعلق نوافل وغیرہ پڑھنے کی اجازت ہے۔

دلیل: ان حضرات کی دلیل حدیث باب ہے، جس میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "تتوضأ عند كل صلوة" [ہر نماز کے لئے مستحاضہ وضو کرے گی۔]

حدیث باب کا جواب: محدثین کے نزدیک یہ حدیث ضعیف ہے۔

امام طحاویؒ نے مذہب حنفیہ کو نظر کے طور پر ثابت کیا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے: ''ہم مستحاضہ کے وضو ٹوٹنے کی علت خروج وقت قرار دیتے ہیں، اور شوافع "فراغ عن الصلوة"

کو ناقض وضو قرار دیتے ہیں، خروج وقت ناقض وضو ہے، اس کی نظیر تو شریعت میں موجود ہے، جیسے: ''مسح علی الخفین'' میں وقت گذرنے سے مسح باطل ہو کر وضو ٹوٹ جاتا ہے؛ لیکن فراغ عن الصلوٰۃ کے ناقض وضو ہونے کی نظیر شریعت میں موجود نہیں ہے؛ لہٰذا خروج وقت سے ہی وضو ٹوٹے گا، اور مستحاضہ ہر نماز کے وقت کے لئے وضو کرے گی، نہ کہ ہر نماز کے لئے۔

مستحاضہ کا اوقات نماز میں غسل کرنا

﴿۵۱۷﴾ وَعَنْ حَمْنَةَ بِنْتِ جَحْشٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهَا قَالَتْ كُنْتُ أُسْتَحَاضُ حَيْضَةً كَثِيْرَةً شَدِيْدَةً فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَسْتَفْتِيْهِ وَأُخْبِرُهُ فَوَجَدْتُهُ فِيْ بَيْتِ أُخْتِيْ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنِّيْ أُسْتَحَاضُ حَيْضَةً كَثِيْرَةً شَدِيْدَةً فَمَا تَأْمُرُنِيْ فِيْهَا قَدْ مَنَعَتْنِيْ الصَّلٰوةَ وَالصِّيَامَ قَالَ أَنْعَتُ لَكِ الْكُرْسُفَ فَإِنَّهُ يُذْهِبُ الدَّمَ قَالَتْ هُوَ أَكْثَرُ مِنْ ذٰلِكَ قَالَ فَتَلَجَّمِيْ قَالَتْ هُوَ أَكْثَرُ مِنْ ذٰلِكَ قَالَ فَاتَّخِذِيْ ثَوْبًا قَالَتْ هُوَ أَكْثَرُ مِنْ ذٰلِكَ إِنَّمَا أَثُجُّ ثَجًّا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَآمُرُكِ بِأَمْرَيْنِ أَيُّهُمَا صَنَعْتِ أَجْزَأَ عَنْكِ مِنَ الْآخَرِ وَإِنْ قَوِيْتِ عَلَيْهِمَا فَأَنْتِ أَعْلَمُ قَالَ لَهَا إِنَّمَا هٰذِهٖ رَكْضَةٌ مِنْ رَكَضَاتِ الشَّيْطَانِ فَتَحَيَّضِيْ سِتَّةَ أَيَّامٍ أَوْ سَبْعَةَ أَيَّامٍ فِيْ عِلْمِ اللّٰهِ ثُمَّ اغْتَسِلِيْ حَتّٰى إِذَا رَأَيْتِ أَنَّكِ قَدْ طَهُرْتِ وَاسْتَنْقَأْتِ فَصَلِّيْ ثَلَاثًا وَعِشْرِيْنَ لَيْلَةً أَوْ أَرْبَعًا وَعِشْرِيْنَ لَيْلَةً وَأَيَّامَهَا وَصُوْمِيْ فَإِنَّ ذٰلِكَ يُجْزِئُكِ وَكَذٰلِكَ فَافْعَلِيْ كُلَّ شَهْرٍ كَمَا تَحِيْضُ النِّسَاءُ وَكَمَا يَطْهُرْنَ مِيْقَاتَ حَيْضِهِنَّ وَطُهْرِهِنَّ وَإِنْ قَوِيْتِ عَلٰى أَنْ تُؤَخِّرِيْنَ الظُّهْرَ وَتُعَجِّلِيْنَ الْعَصْرَ فَتَغْتَسِلِيْنَ وَتَجْمَعِيْنَ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ

وَتُؤَخِّرِيْنَ الْمَغْرِبَ وَتُعَجِّلِيْنَ الْعِشَاءَ ثُمَّ تَغْتَسِلِيْنَ وَتَجْمَعِيْنَ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ فَافْعَلِيْ وَتَغْتَسِلِيْنَ مَعَ الْفَجْرِ فَافْعَلِيْ وَصُوْمِيْ إِنْ قَدَرْتِ عَلٰى ذٰلِكَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهٰذَا اَعْجَبُ الْاَمْرَيْنِ اِلَيَّ۔ (رواه احمد وابوداؤد والترمذی)

حواله: مسند احمد: ۶/۴۳۹، ابوداؤد شریف: ۱/۳۹، باب اذا اقبلت الحیضة تدع الصلوة، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۲۸۷۔ ترمذی شریف: ۱/۳۳، باب المستحاضة تجمع بین الصلوتین بغسل واحد، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۱۲۸۔

حل لغات: تَلَجَّمِيْ، امر واحد مؤنث حاضر ہے، تَلَجَّمَ وَاَلْجَمَ، الدابة، جانور کو لگام لگانا، اَثُجُّ، صیغہ واحد متکلم، ثَجَّ (ن) ثَجًّا، الماءَ، بہانا، رَكْضَةٌ، جمع رَكَضَاتٌ، ایڑ، دھکا، لات۔

ترجمہ: حضرت حمنہ بنت ابی جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مجھے استحاضہ کا خون بہت آتا تھا، میں حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں فتویٰ پوچھنے، نیز اپنی حالت سے باخبر کرنے کے لئے حاضر ہوئی، میں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں پایا، چنانچہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجھے استحاضہ کا خون بہت زیادہ آتا ہے، اس سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجھے کیا حکم فرماتے ہیں؟ اس کی وجہ سے میں نماز اور روزہ سے رک گئی ہوں، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں تیرے لئے روئی کے پھایہ کو بیان کرتا ہوں، بلاشبہ وہ خون کو جذب کر لیتی ہے، حضرت حمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا وہ اس سے بھی زیادہ ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: لگام کے مانند کپڑا باندھ

لو، انہوں عرض کیا وہ اس سے بھی زیادہ ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کپڑا رکھ لیا کرو، حضرت حمنہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا وہ اس سے بھی زیادہ ہے، میں پانی کی طرح خون بہاتی ہوں، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تجھ کو دو باتوں کا حکم کرتا ہوں، ان میں سے جس کو تو اختیار کرے گی، وہ تیرے لئے کافی ہوگا، اور اگر دونوں باتوں پر عمل کی قدرت رکھتی ہے تو اس کو تم ہی زیادہ جانتی ہو، اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت حمنہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: یہ شیطان کی ایک لات ہے، تم چھ دن یا سات دن حیض کا شمار کرو، حقیقی علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے، اور پھر غسل کرو، یہاں تک کہ جب تم دیکھو کہ خوب پاک وصاف ہوگئی ہو تو تئیس (٢٣) دن رات یا چوبیس (٢٤) دن رات تک نماز پڑھتی رہو، اور اس دوران میں روزہ بھی رکھو؛ چنانچہ تمہارے لئے کافی ہوگا، اور اسی کو تمہیں ہر مہینہ کا معمول بنالینا چاہئے، جیسا کہ عورتیں ہر ماہ اپنے حیض کی مدت میں حائضہ ہوتی ہیں، اور اگر تم اتنی طاقت رکھتی ہو کہ ظہر کا وقت آخر کرکے اور عصر کا وقت جلدی کرکے غسل کرلو، پھر دونوں نمازوں کو ملا کر پڑھو، اور مغرب میں تاخیر اور عشاء میں تعجیل کرلو پھر غسل کرلو اور دونوں نمازوں کو ملا کر پڑھو، تو ایسا کرلیا کرو، اور فجر کی نماز کے لئے غسل کرلیا کرو، اور روزہ رکھو اگر تم اس کی طاقت رکھتی ہو، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا: دونوں حکموں میں سے یہ حکم مجھے زیادہ اچھا معلوم ہوتا ہے۔

تشریح: اگر کوئی **معتادہ** عورت استحاضہ کی بیماری میں مبتلا ہوجائے اور اس کو سابقہ ایام حیض یاد نہ رہیں تو اس کو حیض کے لئے اپنے گمان سے ایک مدت مقرر کرلینا چاہئے، اور ہر مہینہ میں جب وہ متعینہ دن آئیں تو نماز وغیرہ موقوف کردینا چاہئے، اور ان دنوں کے علاوہ ایام میں اگر ممکن ہو تو غسل کرکے ورنہ وضو کرکے نماز ادا کرنا چاہئے۔

حیضۃ کثیرۃ: **یہ عورت بظاہر معتادہ متحیرہ نظر آتی ہیں، معتادہ متحیرہ**

جن ایام کوطہر گمان کرتی ہے، اس میں وہ ہر نماز کے لئے وضو کرے گی، اور نماز پڑھے گی، لیکن بعض لوگ اسی حدیث کی بناء پر ہر نماز کے لئے غسل کو ضروری قرار دیتے ہیں، ان لوگوں کا جواب چند سطور بعد آئے گا۔

الکرسف: یعنی حصہ خاص پر جہاں سے خون آرہا ہے روئی کا پھایہ رکھ لیا کرو؛ تاکہ وہ خون کو جذب کر لیا کرے اور خون باہر نہ نکلا کرے۔

رکضة: چوں کہ شیطان استحاضہ کی وجہ سے عورت کے دل میں بہت وسوسہ ڈالتا ہے اور اس کے ذہن میں یہ خیال پیدا کرتا ہے کہ وہ حائضہ ہے، نماز کے قابل نہ رہی؛ حالانکہ خون استحاضہ صوم وصلاۃ سے مانع نہیں ہے، اسی بناء پر استحاضہ کو شیطان کے لات مارنے سے تعبیر کیا ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ حقیقت پر محمول ہو جیسے کہ بچہ پیدائش کے وقت شیطان اس کو مارتا ہے تو وہ چیختا ہے۔

فتحیضی: یہاں سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دو حکموں میں سے پہلے حکم کا بیان شروع فرمارہے ہیں، مطلب یہ ہے کہ جن دنوں میں ہر ماہ استحاضہ کی بیماری لاحق ہونے سے پہلے حیض آتا تھا، انہی دنوں کو ہر ماہ اپنے لئے حیض کی مدت مقرر کر لیا کرو۔

ستة ایام او سبعة ایام: یہاں پر چھ اور سات کے درمیان حرف "او" سے عطف کیا ہے۔ "او" کے سلسلہ میں یہاں مختلف اقوال ہیں۔

(۱)...... امام نوویؒ نے فرمایا: یہاں حرف او تقسیم کے لئے ہے، یعنی اگر چھ دن حیض آنے کی عادت ہو تو چھ دن خود کو حائضہ شمار کرو، اور اگر سات دن کی عادت ہو تو خود کو سات دن حائضہ شمار کرو۔

(۲)...... "او" تنویع کے لئے یعنی حائضہ عورت اپنی عمر اور مزاج میں جو عورتیں اس کے مشابہ ہوں ان کے حالات پر اپنے کو قیاس کرے؛ چنانچہ جتنے دن ان کو حیض آتا ہے،

اتنے ہی دن اپنے کو حائضہ سمجھے۔

(۳)......"او" شک کے لئے ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک ہی عدد ذکر فرمایا تھا اور وہ چھ تھا یا سات۔

فی علم اللہ: یعنی جو بات میں تجھے بتا رہا ہوں استحاضہ کے سلسلہ میں وہ اللہ تعالیٰ ہی کا حکم ہے، یعنی شرعی حکم ہے، یا پھر یہ مطلب ہے کہ میں تجھ کو شرعی حکم بتاتا ہوں اب تم اس پر جتنا عمل کروگی وہ اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے، یا یہ مطلب ہے کہ چھ یا سات دن میں تحری کر کے جو یقینی معلوم ہو، اس پر عمل کرو، حقیقی علم اللہ تعالیٰ کو ہی ہے۔

وان قویت علی ان تؤخرین: یہاں سے امر ثانی کا بیان ہو رہا ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میں تم کو دو باتوں کا حکم کروں گا ان میں سے ایک بات تو گذر گئی، وہ یہ ہے کہ چھ یا سات دن کی تحری کے بعد مہینہ میں ایک بار غسل کر کے وضو لکل صلوۃ کے ذریعہ نماز شروع کر دے، دوسری بات جس کو یہاں سے بیان کر رہے ہیں وہ یہ کہ چھ یا سات روز حیض کے مستثنیٰ کر کے پھر روزانہ جمع بین الصلاتین بغسل کرے، اور فجر کے لئے علاحدہ غسل کرے، اس صورت میں روزانہ تین بار غسل ہوگا۔

وتجمعین بین الصلاتین: یہاں دو نمازوں کو جمع کرنے کا حکم ہے، ظہر اور عصر کو ساتھ میں جمع کیا جائے گا اور مغرب اور عشاء کو ساتھ میں جمع کیا جائے گا، ظہر و مغرب میں تاخیر کی جائے گی، اور عصر و عشاء میں تعجیل کی جائے گی، یہاں تاخیر میں دو احتمال ہیں۔

(۱)......تاخیر سے مراد یہ ہے کہ وقت گذر جانے کے بعد نماز پڑھے، یعنی ظہر کو عصر کے وقت میں اور مغرب کو عشاء کے وقت میں پڑھے، یہی امام شافعیؒ کا مذہب ہے۔

(۲)...... تاخیر سے مراد یہ ہے کہ ظہر کی نماز بالکل اخیر وقت میں اور عصر کی نماز بالکل شروع وقت میں پڑھے، اسی طرح مغرب کی نماز بالکل اخیر وقت میں اور عشاء کی نماز بالکل شروع وقت میں پڑھے، یہی امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے۔

امام شافعی کے مذہب کے مطابق حقیقۃً جمع بین الصلوٰتین ہوگی، اور امام ابو حنیفہؒ کے مذہب کے مطابق صورۃً جمع بین الصلوٰتین ہوگی۔

بعض لوگ جمع بین الصلوٰتین کو واجب کہتے ہیں، اور ان کی دلیل یہی حدیث ہے، لیکن جمہور کا مذہب یہ ہے کہ زمانہ حیض کے اختتام پر صرف ایک غسل واجب ہے، اور اس کے بعد وضو لکل صلوٰۃ یا وضو لکل وقت کل صلوٰۃ کر کے نماز ادا کرے گی، جمہور کا استدلال بہت سی ان احادیث سے ہے جن کا تذکرہ گذشتہ اوراق میں ہو چکا ہے۔ انہی میں سے ایک حدیث یہ ہے: ''فاذا اقبلت حیضتک فدعی الصلوٰۃ و اذا ادبرت فاغتسلی عنک الدم ثم صلی'' یہاں ہر نماز کے لئے غسل ضروری قرار نہیں دیا گیا۔

قائلین غسل کی دلیل کا جواب: جن روایات میں غسل لکل صلوٰۃ اور جمع بین الصلوٰتین بغسل واحدٍ کا ذکر ہے، جمہور کی طرف سے ایسی روایات کے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں۔

(۱)...... یہ روایات منسوخ ہیں۔

(۲)...... یہ روایات استحباب پر محمول ہیں۔

(۳)...... یہ حکم علاج و تداوی کے طور پر ہے، شرعی حکم نہیں ہے، شرعی حکم وہی ہے جس کے جمہور قائل ہیں، یعنی انقطاع حیض کے بعد صرف ایک غسل ضروری ہے۔ (بذل المجہود، الدر المنضود، معارف السنن)

﴿الفصل الثالث﴾

مستحاضہ کے غسل کا بیان

﴿۵۱۸﴾ وَعَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ عُمَيْسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اِنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ اَبِيْ حُبَيْشٍ اُسْتُحِيْضَتْ مُنْذُ كَذَا وَكَذَا فَلَمْ تُصَلِّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُبْحَانَ اللّٰهِ اِنَّ هٰذَا مِنَ الشَّيْطَانِ لِتَجْلِسْ فِيْ مِرْكَنٍ فَاِذَا رَأَتْ صُفَارَةً فَوْقَ الْمَاءِ فَلْتَغْتَسِلْ لِلظُّهْرِ وَالْعَصْرِ غُسْلًا وَاحِدًا وَتَغْتَسِلْ لِلْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ غُسْلًا وَاحِدًا وَتَغْتَسِلْ لِلْفَجْرِ غُسْلًا وَاحِدًا وَتَوَضَّأُ فِيْمَا بَيْنَ ذٰلِكَ (رواہ ابو داؤد) وَقَالَ رَوٰى مُجَاهِدٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا لَمَّا اشْتَدَّ عَلَيْهَا الْغُسْلُ اَمَرَهَا اَنْ تَجْمَعَ بَيْنَ الصَّلٰوتَيْنِ۔

حوالہ: ابو داؤد شریف: باب من قال تجمع بین الصلوتین وتغتسل لهما غسلا، کتاب الطهارة، حدیث نمبر:۲۹۶۔

ترجمہ: حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اتنے اتنے دنوں سے استحاضہ کی بیماری لاحق ہوگئی ہے، چنانچہ وہ نماز نہیں پڑھ رہی ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سبحان اللہ" بلاشبہ یہ شیطان سے ہے، ان کو چاہئے کہ ایک کونڈہ یا طشت میں بیٹھ جائیں اور پھر پانی پر زردی دیکھیں تو ظہر اور عصر کیلئے ایک بار غسل کریں، اور پھر مغرب اور عشاء کیلئے ایک بار غسل کریں، اور ایک بار فجر کیلئے غسل کریں، اور انکے درمیان وضو کریں۔ (ابوداؤد) اور مجاہدؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یوں نقل کیا کہ جب فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو غسل کرنا دشوار ہوا تو دو نمازوں کو ملا کر غسل کرنے کا انکو حکم دیا گیا۔

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ استحاضہ والی عورت نماز ترک نہ کرے،

کیوں کہ استحاضہ میں نماز ترک کرنے کا خیال شیطان ڈالتا ہے؛ لہٰذا اس کو نماز پڑھنا چاہئے، اور اس کے لئے جمع بین الصلوتین اور بغسل واحدٍ کی بھی اجازت ہے۔

لتجلس فی مرکن: اس جملہ کی مختلف شرحیں کی گئی ہیں۔

(۱)......انکو پانی میں دیر تک بیٹھنے کا حکم علاجاً تھا، تاکہ پانی کی برودت سے اندر کی حرارت میں کمی ہو، جس سے خون میں کمی ہو جائیگی، جب مستحاضہ کو پانی میں بیٹھے بیٹھے دیر ہو جائے؛ یہاں تک کہ پانی کی رنگت بدل جائے تو اس برتن میں سے نکل جائے، کیوں کہ یہ پانی نجس ہو گیا، اسکے بعد پاک پانی سے غسل کر کے ظہر وعصر کی نماز پڑھے۔(بذل)

(۲)...... یہ عورت ممیزہ تھی، اس لئے ان کو حکم تھا کہ برتن میں بیٹھنے سے جب تک پانی پر حیض کا رنگ دکھائی دیتا رہے یعنی کالا خون دکھائی دیتا رہے اس وقت نماز شروع نہیں کریں اور جب اس لون میں تغیر آجائے اور زردی پیدا ہو جائے تو اسی دن سے غسل کر کے نمازیں شروع کردیں کہ یہ استحاضہ کا خون ہے۔(صاحب منہل)

(۳)......اس سے مقصود معرفت وقت ہے، او صفرۃ سے مراد صفرۂ شمس ہے نہ کہ دم صفرہ، اور مطلب یہ ہے کہ وہ عصر کے قریب وقت میں غسل کرے اور جمع بین الصلوتین کرے۔

وتوضأ فیما بین ذلک: جمع بین الصلوتین کی صورت میں ظہر کے آخری وقت میں غسل کر کے ظہر پڑھے، پھر جب عصر کا وقت شروع ہو تو وضو کر کے عصر کی نماز پڑھے، اسی طرح مغرب کے اخیر وقت میں غسل کر کے نماز پڑھے، پھر دخول وقت عشاء کے بعد وضو کر کے عشاء کی نماز پڑھے، حدیث کے اس جز سے وہ اشکال بھی ختم ہو گیا کہ خروج وقت سے معذور کی طہارت زائل ہو جاتی ہے، پھر حنفیہ جمع بین الصلوتین صوری کی اجازت کیسے دیتے ہیں۔(تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: الدر المنضود: ۱/۴۰۹،۴۰۸)

❀❀❀

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الصلوٰۃ

اس میں تین فصلوں میں صرف سولہ (۱۶) احادیث مبارکہ ہیں، جن میں نماز کی اہمیت، فرضیت، تاکید، فضیلت، ترکِ نماز پر وعید وغیرہ کا بیان ہے۔

رقم الحدیث: ......۵۱۹/ تا ۵۳۳۔

باب ہذا

رقم الحدیث: ......۵۱۹/ تا ۵۳۴۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ للّٰہ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

طہارت جو کہ نماز کے اہم شرائط میں سے ہے، اس کے بیان سے فارغ ہونے کے بعد اب یہاں سے مصنفؒ مشروط جو کہ مقصود ہے، اس کو بیان فرماتے ہیں، اس مقام کے مناسب چند بحثیں ہیں، جن کا شروع میں جاننا مناسب ہے۔

البحث الاول: صلوۃ کے لغوی معنی

کہا گیا ہے کہ اس کے اصل معنی دعاء کے ہیں، "**قال تعالیٰ وصل علیھم ای ادع لھم**" اور حدیث میں "**وان کان صائما فلیصل**" یعنی اگر کوئی شخص روزہ دار ہو (اور کوئی اس کی دعوت کرے) تو اس کو چاہئے کہ داعی کے مکان پر جا کر دعاء دے کر چلا آئے، اس کے بعد اس عبادت مشہورہ کا نام رکھا گیا، اس مناسبت سے کہ وہ دعاء پر مشتمل ہوتی ہے، اور کہا گیا ہے کہ لفظ صلوۃ مشترک ہے، دعاء، تعظیم، رحمت اور برکت کے درمیان یعنی صلوۃ کے یہ سب معنی آتے ہیں، اور بعض نے کہا کہ اس کے اصل معنی تعظیم کے ہیں، اور

عبادتِ مخصوصہ کو اس لئے صلوۃ کہا جاتا ہے کہ اس میں اللہ رب العالمین کی تعظیم ہے۔

البحث الثانی: لفظ صلوۃ کا مأخذ اشتقاق

اس میں چند قول ہیں، کہا گیا ہے کہ یہ مشتق ہے صِلَةٌ سے اس لئے کہ نماز بندے کو اللہ تعالیٰ اور اس کی رحمت سے جوڑتی اور قریب کرتی ہے، اصل میں یہ لفظ وَصَلَةٌ تھا، اولاً اس کے اندر قلب مکانی ہوا، یعنی وَصَلَةٌ کو صَلَوۃٌ کیا، پھر قاعدہ اعلال یعنی واو متحرک ماقبل مفتوح پائے جانے کی وجہ سے واوٗ کو الف سے بدل دیا گیا صلٰوۃٌ ہوگیا، اور اس کو واوٗ کے ساتھ اسی لئے لکھا جاتا ہے کہ اس کے اصل کی طرف اشارہ ہو جائے، اور کہا گیا کہ یہ صلاً سے ماخوذ ہے، جس کے معنی ہیں، "العظم الذی علیه الالیتان" یعنی سرین سے اوپر کی ہڈی، نماز کی حالت میں چونکہ تحرک صلوین ہوتا ہے اس لئے اس کو صلوۃ کہا گیا۔ مگر یہ بہت دور دراز قسم کی مناسبت ہے۔

بعض حضرات نے یہ فرمایا کہ صلوۃ کا نام صلوۃ اس لئے رکھا گیا ہے کہ جب گھوڑوں میں گھوڑ دوڑ ہوتی تھی تو اس میں سب سے پہلے نمبر پر آنے والے گھوڑے کو سابق اور دوسرے نمبر پر آنے والے کو مصلی کہا جاتا تھا، تقریباً دس نام یکے بعد دیگرے الگ الگ رکھے ہیں:

(۱) سابق۔ (۲) مصلی۔ (۳) مقفی۔ (۴) عاطف۔ (۵) مرتاح۔ (٦) حظی۔ (۷) موملِ۔ (۸) لطیم۔ اور (۱۰) سکیت۔

اس میں دوسرے نمبر پر جو آتا ہے اس کو "مصلی" کہتے ہیں، "مصلی" ایسا ہوتا ہے کہ سابق آگے ہے، تو "مصلی" کا جو منہ ہے تو وہ اس کی پشت کے قریب ہوتا ہے، تو کہتے ہیں کہ نماز پڑھنے کے اندر بھی جب جماعت ہوتی ہے تو جو آدمی پیچھے ہوتا ہے وہ اپنے امام کے ساتھ اس طرح ہوتا ہے کہ جس طرح "مصلی" سابق کے ساتھ ہوتا ہے، یہ مناسبت بھی بعض حضرات نے بیان کی ہے، اور حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو فیض

الباری میں ترجیح بھی دی ہے۔

چونکہ ارکان اسلام میں شہادتین کے بعد دوسرا درجہ نماز ہی کا ہے، اس لئے اس کو صلوۃ کہا گیا ہے، چوتھا قول یہ ہے کہ یہ ماخوذ ہے "**صلیت العود علی النار**" سے، یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب لکڑی کی کجی کو آگ کی حرارت کے ذریعہ درست کیا جائے، نماز کے ذریعہ بھی چونکہ انسان کی باطنی کجی دور ہوتی ہے، اس لئے اس کو صلوۃ کہا جاتا ہے، لیکن اس آخری قول پر امام نوویؒ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ صلوۃ میں لام کلمہ واو ہے، اور صلیت میں یاء ہے، **فکیف یصح الاشتقاق؟** اشتقاق کے لئے حروف اصلیہ میں اشتراک ضروری ہے، لیکن علماء نے اس اعتراض کی تغلیط کی ہے کہ جملہ حروف اصلیہ میں اشتراک صرف اشتقاق صغیر میں شرط ہے، اشتقاق کبیر میں شرط نہیں، اشتقاق کی کئی قسمیں ہیں، جن کو ابتدائی کتاب مراح الارواح اور انتہائی کتاب بیضاوی شریف میں دیکھ لیا جائے۔

البحث الثالث: ابتداء مشروعیت صلوۃ

اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ اس کی مشروعیت **قبل الهجرة ليلة الاسراء** میں ہوئی، چنانچہ امام بخاریؒ نے باب قائم کیا ہے: "**باب كيف فرضت الصلوة في الاسراء**" لیلۃ الاسراء کے سنہ اور ماہ اور تاریخ تینوں میں اختلاف ہے، پہلے سنہ کا اختلاف سنئے۔

امام نوویؒ نے شرح مسلم میں اس سلسلہ میں تین قول ذکر کئے ہیں:

(۱)......نبوت کے پندرہ ماہ بعد۔

(۲)......نبوت کے پانچ سال بعد۔

(۳)......ہجرت سے ایک سال قبل۔

اور حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اس سلسلہ میں دس سے زائد قول لکھے ہیں، سب سے پہلے انہوں نے **قبل الهجرة بسنةٍ** ہی کو ذکر کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ اسی کے قائل ہیں،

ابن سعد وغیرہ اوراسی پر جزم کیا ہے، امام نوویؒ نے اورابن حزم نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ اس پر علماء کا اجماع ہے، حافظ کہتے ہیں اجماع نقل کرنا صحیح نہیں، اس لئے کہ اس میں اختلاف کثیر ہے، دس سے زائد اقوال ہیں، پھر حافظؒ نے ان اقوال کو ذکر کیا، جن میں ایک ہجرت سے تین سال قبل اور ایک ہجرت سے پانچ سال قبل بھی ہے، لہٰذا اس پر اجماع نقل کرنا تو صحیح نہیں لیکن قول اکثر کہہ سکتے ہیں، چنانچہ علامہ قسطلانیؒ نے اسی **قبل الهجرة بسنةٍ** والے قول کو اکثر علماء کی طرف منسوب کیا ہے، اس کے علاوہ قسطلانیؒ نے دو قول اور لکھے ہیں: ہجرت سے ایک سال اور پانچ ماہ قبل، ہجرت سے ایک سال اور تین ماہ قبل۔

جو علماء یہ کہتے ہیں کہ لیلۃ الاسراء ہجرت سے ایک سال قبل نہیں بلکہ تین یا پانچ سال قبل ہوئی وہ اس کی وجہ یہ بتلاتے ہیں کہ مروی ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرضیت صلوۃ کے بعد حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی ہے، اور مشہور قول کی بناء پر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات ہجرت سے پانچ یا تین سال قبل ہوئی تو یہ ان کا نماز پڑھنا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ اسی وقت درست ہوسکتا ہے جب لیلۃ الاسراء کو ہجرت سے چند سال قبل مانا جائے، لیکن حافظ کہتے ہیں کہ اس میں بھی روایات مختلف ہیں کہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرضیت صلوۃ کے بعد آپ کے ساتھ نماز پڑھی یا نہیں، اگر مان لیا جائے کہ پڑھی ہے تو ہوسکتا ہے کہ صلوۃ خمسہ کی فرضیت سے پہلے جو دو نمازیں (جن کا ذکر اگلی بحث میں آرہا ہے) آپ پڑھا کرتے تھے وہ مراد ہوں۔

ماہ اور تاریخ میں یہ اختلاف ہے: ۲۷؍ربیع الآخر۔ ۲۷؍ربیع الاول۔ ۲۷؍رجب اور مہینہ کے سلسلہ میں شوال اور رمضان المبارک بھی کہا گیا ہے۔

امام نوویؒ نے ۲۷؍رجب کو راجح قرار دیا ہے، ''**وهو المشهور فيما بين العوام**'' اس کے علاوہ تاریخ میں اور بھی اقوال ہیں: ۷؍۱۳؍۱۷ اور ۱۷ نیز دن میں بھی اختلاف

ہے،ليلة الجمعة، ليلة السبت، ليلة يوم الاثنين، اس تیسرے قول کی بناء پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یوم ولادت، یوم بعثت، یوم معراج، یوم ہجرت اور یوم وفات سب متفق ہوجاتے ہیں۔ كذا قيل.

البحث الرابع: کیاصلوۃ خمسہ کی فرضیت سے پہلے کوئی نماز فرض تھی؟

کہا گیا ہے کہ ہاں! دونمازیں تھیں، صلوة قبل طلوع الشمس و صلوة قبل غروبها، یعنی عصروفجر، پھر یہ دونمازیں کہا گیا ہے کہ آپ فرضاً پڑھتے تھے، اور کہا گیا ہے کہ نفلاً اور ایک قول یہ ہے کہ شروع میں کوئی نماز نہ تھی، سوائے صلوة الليل کے جس کی فرضیت سورۂ مزمل میں مذکور ہے، جس کا حکم صرف ایک سال تک باقی رہا، اس کے بعد امت کے حق میں اس کی فرضیت بالاتفاق منسوخ ہوگئی، سوائے عبیدۂ سلمانی کے کہ ان سے تہجد کا وجوب منقول ہے، ولو قدر حلبة شاة. البتہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں اختلاف ہے، ایک جماعت کہتی ہے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں بھی یہ حکم منسوخ ہوگیا، دوسری جماعت والے یہ کہتے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں منسوخ نہ تھا، ہردوفریق کا استدلال "ومن الليل فتهجد به نافلة لك" سے ہے، ایک فریق نے نافلۃً کو مشہور معنی یعنی نفل پر محمول کیا، اور دوسرے فریق نے لغوی معنی پر یعنی "فريضة زائدة لك"

البحث الخامس: امامت جبرئیل کا واقعہ

لیلۃ الاسراء کی صبح میں ظہر کے وقت پیش آیا اور نزول جبرئیل زوال کے بعد ہوا، فرضیت صلوہ کے بعد سب سے پہلے یہی نماز ادا کی گئی اسی لئے اس کو صلوۃ الاولی کہا جاتا ہے، اور ایک ضعیف روایت میں ہے کہ نزول جبرئیل عند الفجر ہوا تھا، جب انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نائم پایا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بیدار نہیں کیا، لوٹ گئے،

یہ روایت صحیح نہیں ہے، غالبًا کسی راوی کو لیلۃ التعریس ولیلۃ الاسراء میں اشتباہ واقع ہوا، ایسے ہی نسائی شریف کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ امامت جبرئیل کی ابتداء فجر سے ہوئی یہ بھی شاذ اور خلاف مشہور ہے۔

البحث السادس: مجموع صلوۃ خمسہ کی فرضیت

مجموع صلوۃ خمسہ کی فرضیت اس امت کے خصائص میں سے ہے، عشاء کے علاوہ باقی چار نمازیں امم سابقہ میں متفرق طور پر پائی جاتی تھیں اور صلوۃ العشاء صرف اس امت کے ساتھ خاص ہے، چنانچہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہ نے بذل میں طحاوی کی روایت من حدیث عائشہؓ نقل کی ہے، کہ حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ جب صبح صادق کے وقت قبول ہوئی تو انہوں نے دو رکعت پڑھی، اس پر صبح کی نماز مشروع ہوئی، اور حضرت اسحٰق یا اسمٰعیل علیہما السلام (علی اختلاف الروایتین) کا فدیہ ظہر کے وقت آیا تھا، جس پر انہوں نے چار رکعت بطور شکرانہ کے پڑھیں، اس وقت سے ظہر کی نماز مشروع ہوئی، اور حضرت عزیر علیہ السلام کو نوم طویل سے سو برس بعد عصر کے وقت بیدار کیا گیا، اس پر انہوں نے چار رکعت اداء کیں اس پر عصر کی نماز مشروع ہوئی، اور حضرت داؤد علیہ السلام کی لغزش بوقت غروب معاف ہوئی تو وہ چار رکعت پڑھنے کی نیت سے کھڑے ہوئے لیکن شدت حزن اور تعب کی وجہ سے تیسری رکعت پر بیٹھ گئے اور چوتھی رکعت نہ پڑھ سکے، اس وقت سے مغرب کی تین رکعات مشروع ہوئیں، اور عشاء کی نماز سب سے پہلے ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کی امت نے پڑھی۔

البحث السابع: نماز کی فرضیت

نماز کی فرضیت کتاب، سنت اور اجماع سے ثابت ہے، قال اللہ تعالیٰ وما امروا الا لیعبدو اللہ مخلصین لہ الدین حنفاء ویقیمون الصلوۃ. اسی طرح بنی الاسلام

علی خمس شهادة ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله واقام الصلوة وایتاء الزکوٰة. الحدیث. (متفق علیه) اور اس کے علاوہ بے شمار آیات واحادیث ہیں جو شخص فرضیتِ صلات کا منکر ہو اس کے کفر پر علماء کا اتفاق ہے، اور جو فرضیت کا قائل ہونے کے ساتھ صرف عملاً اس کو ترک کرے تو جمہور علماء جس میں امام مالکؒ اور امام شافعیؒ بھی ہیں، کا مسلک یہ ہے کہ وہ فاسق ہے اور اس کی سزا قتل ہے، حداً لا کفراً، اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کی سزا تعزیر اور حبس دائم ہے، یہاں تک کہ تائب ہو جائے، اور ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ تارک صلوۃ کافر ہے، امام احمدؒ کی بھی ایک روایت یہی ہے، اور یہی رائے ہے عبداللہ بن مبارکؒ واسحٰق بن راہویہؒ کی، دوسری روایت امام احمدؒ کی مثل جمہور کے ہے، جمہور کی دلیل آیت کریمہ ”ان الله لایغفر ان یشرک به ویغفر مادون ذلک لمن یشاء“ ہے۔

شافعیہ وغیرہ نے تارک صلوۃ کے قتل پر استدلال ”امرت ان اقاتل الناس حتی یقولو لا اله الا الله ویقیموا الصلوة ویؤتو الزکوٰة“ الحدیث. (متفق علیه) سے کیا ہے۔ اور حنفیہ کا استدلال ”لا یحل دم امرئ مسلم الا باحدی ثلاث“ الحدیث. (رواه ابوداؤد) سے ہے، اور دلیل شافعیہ کا وہ جواب یہ دیتے ہیں کہ آپ نے جو حدیث پیش کی ہے اس میں قتال کا حکم ہے، اور قتال وقتل میں فرق ہے، قتال نام ہے، محاربہ من الجانبین کا، لہٰذا مطلب یہ ہوا کہ اگر تارکین صلوۃ کے ساتھ ترک صلوۃ کی وجہ سے قتال کی نوبت آئے تو اس کی اجازت ہے، جس طرح حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مانعین زکوٰۃ کے ساتھ قتال کیا تھا، چنانچہ حنفیہ کا مسلک بھی یہی ہے کہ تارک فرض کے ساتھ قتال کیا جائے جب کہ اس طرف سے محاربہ پایا جائے۔

البحث الثامن: اہمیت صلوۃ

نماز کی اہمیت کے لئے اول تو بحث سابق ہی کافی ہے کہ علماء اہل سنت والجماعۃ میں

سے ایک گروہ کی رائے یہ ہے کہ تارکِ صلوۃ کافر ہے، جب کہ نماز کے علاوہ کسی اور تارک فرض کے بارے میں ان کی یہ رائے نہیں ہے، اسی طرح ترمذی شریف **کتاب الایمان باب ماجاء فی ترک الصلوۃ** کے ذیل میں ہے: **عن عبداللہ بن شقیق العقیلی قال کان اصحاب محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لایرون شیئا من الاعمال ترکہ کفر غیر الصلوۃ.** اور ایسے ہی ابوداؤد شریف **کتاب الخراج** میں ایک حدیث آرہی ہے جو حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے، وہ فرماتے ہیں کہ وفدِ ثقیف جب اسلام لانے کے لئے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو بوقت بیعت علی الاسلام انہوں نے چند شرطیں لگائیں، **"ان لایحشروا ولایعشروا ولایجبوا"** اول شرط یہ کہ ان سے جہاد میں جانے کا مطالبہ نہ کیا جائے، دوسری یہ کہ زکوٰۃ اور عشر نہ وصول کیا جائے، تیسری یہ کہ وہ رکوع کے لئے جھکیں گے نہیں، یعنی نماز نہیں پڑھیں گے، تو اس پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **"لکم لاتحشروا ولاتعشروا"** یعنی جہاد اور عشر کے بارے میں تمہاری شرط منظور کی جاتی ہے، لیکن تیسری شرط کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **"ولاخیر فی دین لیس فیہ رکوع"** کہ یہ شرط منظور نہیں ہے، اس لئے کہ وہ اسلام ہی کیا جس میں رکوع نہ ہو، اور آدمی نماز نہ پڑھے، اسی طرح مؤطا امام مالک کی روایت میں ہے کہ جس شب یعنی صبح کی نماز میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر حملہ کیا گیا اور ان پر غشی طاری ہوگئی تو افاقہ ہونے پر نماز کے لئے عرض کیا گیا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہنے والے کی تائید کی، اور فرمایا: **"نعم ولا حظ فی الاسلام لمن ترک الصلوۃ"** [ہاں! ضرور (اسی حال میں ہم نماز پڑھتے ہیں) اس شخص کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں جو نماز نہ پڑھے] چنانچہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی حالت میں نماز پڑھی، جبکہ خون بہہ رہا تھا۔ **رضی اللہ عنہ.** (الدر المنضود: ۲/۵)

﴿الفصل الاول﴾

نماز، جمعہ، رمضان سے گناہوں کی معافی

﴿۵۱۹﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ وَالْجُمُعَةُ اِلَی الْجُمُعَةِ وَرَمَضَانُ اِلٰی رَمَضَانَ مُكَفِّرَاتٌ لِمَا بَيْنَهُنَّ اِذَا اجْتُنِبَتِ الْكَبَائِرُ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱۲۲/۱، باب فضل الوضوء الخ، کتاب الطھارۃ، حدیث نمبر: ۲۳۳۔

حل لغات: مکفرات جمع ہے، واحد مُكَفِّرَةٌ معاف کنندہ، گناہوں کو مٹا دینے والی، كَفَّرَ تکفیر (تفعیل) الشی ڈھانکنا، چھپانا، اجتنبت، اِجْتَنَبَ الشیءَ (افتعال) بچنا، دور رہنا، الکبائر، جمع ہے، واحد الکبیرۃ، الکبیر کی تانیث ہے، وہ بڑا گناہ جس کی شرعاً بالصراحت ممانعت کی گئی ہو، جیسے قتل، چوری وغیرہ۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: ''اگر کوئی شخص بڑے گناہوں سے اجتناب کرتا رہے، تو پانچوں نمازیں، اور جمعہ سے جمعہ تک، اور رمضان سے رمضان تک، اس کے ان گناہوں کو مٹا دیتے ہیں، جو ان کے درمیان ہوتے ہیں۔

تشریح: کتاب الطہارۃ میں یہ بحث گذر چکی ہے کہ فضائل اعمال سے صرف

صغائر معاف ہوتے ہیں، جمہور اہل سنت والجماعت کے نزدیک کبائر بغیر توبہ معاف ہوتے ہیں، نیز حدیث ہذا میں دوسری ایک بحث ہے کہ صغائر کی معافی کے لئے اجتناب عن الکبائر شرط ہے کہ نہیں، تو یہاں تفصیل یہ ہے کہ یہاں تین صورتیں ہونگی، پہلی صورت یہ ہے کہ کسی کے صرف صغائر ہیں کبائر سے پاک ہے تو اس میں اتفاق ہے کہ سب گناہ معاف ہوجائیں گے، دوسری صورت یہ ہے کہ اس کے سب گناہ کبائر ہیں تو اس میں بھی اتفاق ہے کہ بغیر توبہ ایک گناہ بھی معاف نہیں ہوگا۔ الا ان یشاء اللہ.

تیسری صورت یہ ہے کہ اس کے صغائر بھی ہیں، کبائر بھی تو اس میں معتزلہ کی رائے یہ ہے کہ کبائر تو معاف ہونگے ہی نہیں صغائر بھی معاف نہیں ہونگے، کیونکہ صغائر کی معافی کے لئے اجتناب عن الکبائر شرط ہے، اور بعض اہل السنّت والجماعت کی بھی یہی رائے ہے: "کما قال الطیبی والتورپشتی" وہ کہتے ہیں کہ یہاں حدیث میں کفارہ سیئات کے لئے اذا اجتنبت الکبائر سے شرط قرار دی گئی ہے، اس طرح قرآن کریم کی آیت میں ان شرطیہ کے ساتھ کہا گیا ہے: "ان تجتنبوا کبائر ماتنھون عنہ لکفر عنکم سیأتکم" مگر جمہور اہل سنت وجماعت کہتے ہیں کہ صغائر کی معافی کیلئے اجتناب عن الکبائر شرط نہیں بلکہ کبائر کے باوجود بھی صغائر معاف ہونگے، کیونکہ اکثر احادیث میں مطلقاً صغائر کی معافی کا ذکر کیا گیا ہے، اور فضل الٰہی کا تقاضہ بھی یہی ہونا چاہئے۔ باقی انہوں نے جو حدیث وآیت پیش کی اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں شرط کا بھی احتمال ہے، اور استثناء کا بھی احتمال ہے، اور ثانی صورت ہی اولیٰ ہے، تو مطلب یہ ہوگا کہ اعمال صالحہ سے صغائر معاف ہونگے، کبائر معاف نہیں ہونگے، اگر شرط بھی مان لیا جائے تب بھی معتزلہ کی دلیل نہیں ہوسکتی، کیونکہ اس وقت مطلب یہ ہوگا کہ سب گناہ معاف ہونگے، بشرطیکہ کبائر سے پرہیز کرے، اگر کبائر کئے تو سب گناہ معاف نہیں ہونگے، بلکہ صرف صغائر معاف ہونگے۔

حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ شرط ماننے کی صورت میں بھی اہل السنت والجماعت پر کوئی اشکال نہیں ہوگا، اس لئے کہ یہ حدیث اور آیت موضع وعد وبشارت میں وارد ہوئیں، اور اس میں مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں۔

اشکال مع جواب

سوال: جب ہر روز کے صغیرہ گناہ یومیہ نمازوں کے ذریعہ معاف ہو گئے، تو پھر جمعہ اور رمضان سے کون سے گناہ معاف ہونگے؟

جواب: یومیہ نمازوں، جمعہ اور رمضان، تینوں میں صغیرہ گناہوں کو مٹانے کی صلاحیت ہے، اگر گناہ ہوں گے تو یہ افعال حسنہ گناہوں کو مٹا دیں گے، اور اگر گناہ نہیں ہونگے تو یہ نیک کام اپنے انجام دینے والے کے حق میں نیکیاں لکھے جانے اور درجات کی بلندی کا سبب بنیں گے۔ (مرقاۃ: ۲/۱۱۰)

حضرت شاہ صاحبؒ کا ارشاد

حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے عجیب توجیہ بیان فرمائی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ ''اس حدیث میں کچھ افعال کے خواص کا ذکر ہے، جس طرح دنیا کی مادی چیزوں میں کچھ خواص مفردات کے ہوتے ہیں اور کچھ مرکبات کے، اور مرکب کئی مفردات کے مجموعہ کا نام ہے، نیز یہ بات بھی ممکن ہے کہ کسی مرکب کے بعینہ وہی خواص ہوں جو مفردات کے ہوں، لہٰذا حدیث باب میں ''صلوۃ خمس'' کی حیثیت مفردات کی سی ہے، اور جمعہ الی الجمعہ کی حیثیت مرکب کی سی ہے، دونوں کی خصوصیات یکساں ہیں، جس کا حدیث میں علیحدہ علیحدہ ذکر کر دیا ہے۔ (درس ترمذی: ۱/۴۷۹)

پنجوقتہ نماز کی مثال

﴿۵۲۰﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرَأَيْتُمْ لَوْ اَنَّ نَهْرًا بِبَابِ اَحَدِكُمْ يَغْتَسِلُ فِيْهِ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسًا هَلْ يَبْقٰى مِنْ دَرَنِهٖ شَيْءٌ قَالُوْا لَا يَبْقٰى مِنْ دَرَنِهٖ شَيْءٌ قَالَ فَذٰلِكَ مَثَلُ الصَّلَوٰتِ الْخَمْسِ يَمْحُوا اللّٰهُ بِهِنَّ الْخَطَايَا۔ (متفق علیه)

حوالہ: بخاری شریف:۷۶/۱، باب الصلوات الخمس، کتاب مواقیت الصلوة، حدیث نمبر:۵۲۸۔ مسلم شریف:۲۳۵/۱، باب المشی الی الصلوة تمحی به الخطایا، کتاب المساجد ومواضع الصلوة، حدیث نمبر:۶۶۷۔

حل لغات: دَرَنٌ میل کچیل، دَرِنَ (س) دَرَناً، میلا ہونا یَمْحُوا محا الشیءَ (ن) محواً، مٹانا، اثر زائل کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ "تم لوگ بتاؤ اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر نہر ہو جس میں وہ روزانہ پانچ مرتبہ غسل کرتا ہو، تو کیا اس کے بدن پر میل کا کوئی حصہ باقی رہے گا؟" حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا: "جی نہیں، اس کا میل ذرا بھی باقی نہیں رہے گا۔" آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: بس یہی پانچوں نمازوں کی مثال ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ گناہوں کو مٹادیتا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں فرض نمازوں کے گناہوں کیلئے کفارہ ہونے کو تشبیہ کے ذریعہ بیان کیا گیا ہے، تشبیہ مضمون کی وضاحت اور معنویات کو محسوسات ومشاہدات میں تبدیل

کرنے کیلئے لائی جاتی ہے، اس حدیث میں گناہوں کو ظاہری میل کچیل اور نماز کو پانی کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، اور یہ بتایا گیا ہے کہ جس طرح ایک دن میں پانچ مرتبہ نہر میں غسل کرنے کی وجہ سے جسم پر میل کچیل کا نام ونشان تک باقی نہیں رہتا، اسی طرح پانچوں نمازوں کی بھی یہی تاثیر ہے کہ وہ گناہوں کو زائل کردیتی ہیں، لہٰذا جو نمازی نماز کے تمام آداب کی رعایت کرتے ہوئے پانچوں وقت کی نماز ادا کرتا ہے وہ گناہوں سے پاک وصاف رہتا ہے۔

لایبقی من درنہ شیء: نماز کے ذریعہ سے صرف صغائر معاف ہوتے ہیں، کبائر کی معافی کے لئے شریعت نے توبہ رکھی ہے، لیکن کچھ حضرات کہتے ہیں کہ پنج وقتہ نماز کی ادائیگی سے کبائر بھی معاف ہوجاتے ہیں، کیوں کہ حدیث میں "من درنہ شیء" کے الفاظ ہیں، "شیء" کا مفہوم اس بات کا تقاضہ کرتا ہے کہ تمام گناہ خواہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ معاف ہوجاتے ہیں، لیکن تحقیقی بات یہ ہے کہ "درن" سے مراد ظاہری میل ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس تشبیہ دینے کا مقصد یہ ہے کہ نماز سے وہ گناہ زائل ہوتے ہیں، جن کا تعلق ظاہر سے ہے، اور ظاہر سے صغائر کا تعلق ہے، کبائر کا اثر تو باطن یعنی دل تک پہنچ جاتا ہے، اسی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بندہ جب معصیت کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ نقطہ پیدا ہوجاتا ہے، اگر وہ توبہ کرلیتا ہے تو مٹ جاتا ہے، اور اگر توبہ نہیں کرتا تو باقی رہتا ہے، اور پھر یہ بڑھتا رہتا ہے، اسی کو قرآن کریم میں یوں بیان کیا ہے: "کلا بل ران علی قلوبھم ما کانوا یکسبون" حاصل کلام یہ ہے کہ صغائر تو افعال حسنہ سے معاف ہوجاتے ہیں؛ کیونکہ یہ ظاہری گناہ ہیں، کبائر کا اثر باطن تک پہونچتا ہے، لہٰذا جب تک قلب کو غسل نہ دیا جائے یعنی توبہ نہ کی جائے یہ معاف نہ ہوں گے۔

حافظ ابن حجرؒ نے امام بلقینیؒ کے حوالہ سے یہ بات لکھی ہے کہ "گناہ صغیرہ وکبیرہ کے صادر ہونے کے اعتبار سے انسان کے مختلف احوال ہیں، اور یہ پانچ قسموں میں منحصر ہیں۔

(۱)......وہ شخص جس سے صغیرہ وکبیرہ میں سے کوئی بھی گناہ صادر نہ ہوئے ہوں، نماز کے ذریعہ سے اس شخص کے درجات بلند ہوں گے۔

(۲)......صغیرہ سرزد ہوتے ہوں، لیکن صغیرہ پر اصرار نہ ہو، نماز کے ذریعہ سے یقینی طور پر اس شخص کے گناہ زائل ہو جائیں گے۔

(۳)......صغائر کا اصرار کے ساتھ ارتکاب کرتا ہو، ایسے شخص کے نماز کے ذریعہ سے صغائر معاف نہ ہوں گے۔ کیونکہ صغائر کا اصرار کے ساتھ ارتکاب گناہ کبیرہ ہے۔

(۴)......کوئی ایک گناہ کبیرہ ہو اور بہت سے صغیرہ گناہ ہوں۔

(۵)......صغائر کبائر دونوں بڑی تعداد میں ہوں۔

آخری دو صورتوں میں ممکن ہے کہ صغیرہ گناہ معاف ہو جائیں اور کبیرہ معاف نہ ہوں اور اس بات کا بھی امکان ہے کہ دونوں میں سے کوئی بھی معاف نہ ہوں، اس وجہ سے کہ بہت سی احادیث اور قرآن کریم کی آیت "ان تجتنبوا عن الکبائر الخ" میں صغائر کی معافی کے لئے اجتناب عن الکبائر کی شرط لگی ہے۔ (خلاصہ فتح الباری: ۲/۴۰۸)

حنفیہ کے یہاں چونکہ مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں ہے؛ لہٰذا نماز کے ذریعہ سے صغائر بہر صورت معاف ہو جائیں گے، خواہ اجتناب عن الکبائر ہو یا نہ ہو۔

اشکال مع جواب

اشکال: حدیث ہذا میں گناہ کو تشبیہ دی گئی ظاہری میل کچیل کے ساتھ، اور نماز کو تشبیہ دی گئی پانی کے ساتھ جس طرح میل کچیل سے ظاہری بدن گندا ہو جاتا ہے، اور اس کا ازالہ ہوتا ہے، پانی کے ذریعہ، اسی طرح گناہ سے باطن بھی گندا ہو جاتا ہے بلکہ ظاہر بھی گندا ہو جاتا ہے، اور صلوۃ سے حسی ومعنوی گندگی زائل ہو جاتی ہے۔ لیکن ظاہراً

اشکال ہوتا ہے کہ پانی سے تو ظاہری ہر قسم کی گندگی زائل ہوجاتی ہے، لیکن نماز سے تو صغیرہ کی گندگی زائل ہوتی ہے کبیرہ تو زائل نہیں ہوتی تو تشبیہ کیسے صحیح ہوئی۔

جواب: تو اس کا جواب یہ ہے کہ ظاہری میل دو قسم پر ہے ایک تو خفیف ہے کہ پانی بہادینے سے زائل ہوجاتا ہے، صابون وغیرہ سے رگڑنے کی ضرورت نہیں ہوتی، دوسری وہ ہے کہ جسم کے ساتھ جم کر چپک جاتا ہے، بغیر رگڑنے کے زائل نہیں ہوتا۔ اسی طرح گناہ صغیرہ خفیف میل کے مانند ہے کہ فقط عمل سے زائل ہوجاتا ہے، رگڑنے یعنی توبہ کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی، اور کبیرہ شدید میل کے مانند ہے کہ بغیر رگڑنے یعنی توبہ کرنے کے زائل نہیں ہوتا۔ فلا اشکال فیہ.

نیک اعمال سے برائیاں کا زائل ہوجانا

﴿۵۲۱﴾ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ اِنَّ رَجُلاً اَصَابَ مِنْ اِمْرَأَةٍ قُبْلَةً فَاَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَهٗ فَاَنْزَلَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَیِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ فَقَالَ الرَّجُلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلِیْ هٰذَا قَالَ لِجَمِیْعِ اُمَّتِیْ كُلِّهِمْ وَفِیْ رِوَایَةٍ لِمَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ اُمَّتِیْ۔ (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۷۵، باب الصلوۃ کفارۃ، کتاب مواقیت الصلوۃ، حدیث نمبر: ۵۲۶۔ مسلم شریف: ۲/۳۵۸، باب قولہ تعالیٰ ''ان الحسنات یذھبن السیأت'' کتاب التوبۃ، حدیث نمبر: ۲۷۶۳۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت کا بوسہ لے لیا، پھر وہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اپنا قصور بیان کیا، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''دن کے دونوں کناروں اور رات کے کچھ حصوں میں نماز قائم رکھو، بے شک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں'' اس شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! یہ حکم خاص ہے میرے لئے؟ تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میری تمام امت کے لئے یہی حکم ہے'' اور ایک روایت میں منقول ہے کہ میری امت کے ہر اس شخص کے حق میں ہے جس نے اس آیت پر عمل کیا۔

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت کا بوسہ لے لیا، اس کے بعد جب ان کو ندامت ہوئی تو دربارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر اپنا واقعہ بیان کیا، اور اس کے معاف ہونے کی صورت دریافت کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابھی کوئی جواب دیا بھی نہیں تھا کہ نماز کا وقت ہو گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی وہ شخص بھی شریک جماعت ہوا، نماز کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو یہ خوش خبری سنائی کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے گناہوں کو معاف فرما دیا ہے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ آیت پڑھ کر سنائی، جس میں نماز کی ادائیگی کی تاکید کے ساتھ یہ پیغام بھی ہے کہ نیکیوں سے برائیاں مٹ جاتی ہیں۔

ان رجلا: حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ ''ان صحابی کا نام ابو الیسر ہے۔'' ان کے نام سے متعلق اس قول کے علاوہ بھی قول ہیں، چنانچہ علامہ عینیؒ نے چھ نام ذکر کئے ہیں۔

ابن حجرؒ مزید لکھتے ہیں کہ ''روایات میں جس عورت کا تذکرہ ہے انکے نام پر مطلع نہیں ہو سکا لیکن احادیث میں یہ صراحت آئی ہے کہ یہ انصاریہ عورت تھیں۔'' (فتح الباری: ۲/۴۰۲)

ملا علی قاریؒ نے ترمذی سے جو روایت نقل کی ہے اس میں یہ صحابی اپنا واقعہ خود بیان کرتے ہیں کہ "ایک عورت میرے پاس کھجور خریدنے کی غرض سے آئی، میں نے کہا گھر میں جو کھجور ہے وہ اس سے اچھی ہے، چنانچہ وہ عورت میرے ساتھ گھر آ گئی اس وقت شیطان نے مجھ کو بہکایا تو میں نے اس عورت کا بوسہ لے لیا، اس عورت نے مجھ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو، چنانچہ میں شرمندہ ہوا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔" (مرقاۃ: ۲/۱۱۱)

فائدہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہ شان تھی کہ اگر بتقاضائے بشریت ان سے کوئی گناہ سرزد ہو جاتا تو اس پر اصرار نہیں کرتے تھے؛ بلکہ وہ بے قرار ہو کر دربارِ رسالت میں آتے، اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پیش آمدہ واقعہ کی اطلاع دیتے، پھر انابت الی اللہ اور توبہ واستغفار کے ذریعہ جب تک اللہ ورسول کو راضی نہ کر لیتے سکون سے نہ بیٹھتے۔

طرفی النہار: کی تشریح میں ایک قول یہ بھی ہے کہ صبح وشام کے دونوں کنارے مراد ہیں، صبح کی نماز فجر ہے، اور شام کی نماز ظہر اور عصر ہیں، اس لئے کہ زوال کے بعد سے جو وقت شروع ہوتا ہے اس کو شام کا وقت کہا جاتا ہے، اسی طرح رات کے ایک حصہ سے مغرب وعشاء کی نماز کی طرف اشارہ ہے، اب آیت کا مطلب یہ ہوا کہ ان پانچوں نمازوں کو فرض قرار دیا گیا ہے، انکی ادائیگی سے گناہ صغیرہ معاف ہوتے ہیں۔ (مرقاۃ: ۲/۱۱۱)

فائدہ: ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ یہ اجنبی مرد وعورت کے تنہائی میں یکجا ہونے کا نتیجہ ہے، اس لئے اجنبیہ عورت سے خلوت میں ملنے سے بالکلیہ اجتناب کرنا چاہئے۔

ایضاً

﴿۵۲۲﴾ وَعَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اِنِّیْ اَصَبْتُ حَدًّا فَاَقِمْهُ عَلَیَّ قَالَ وَلَمْ يَسْأَلْهُ عَنْهُ وَحَضَرَتِ الصَّلٰوةُ فَصَلّٰی مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا قَضَی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلٰوةَ قَامَ الرَّجُلُ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اِنِّیْ اَصَبْتُ حَدًّا فَاَقِمْ فِیَّ كِتَابَ اللّٰهِ قَالَ اَلَيْسَ قَدْ صَلَّيْتَ مَعَنَا قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاِنَّ اللّٰهَ قَدْ غَفَرَ لَكَ ذَنْبَكَ اَوْ حَدَّكَ۔ (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱۰۰۷/۸ ۱۰۰/۲، باب اذا أقر با لحد و لم يبين الخ، کتاب المحاربین، حدیث نمبر: ۶۸۲۳۔ مسلم شریف: ۲/۳۵۹، باب قوله تعالىٰ "ان الحسنات يذهبن السيآت" کتاب التوبة، حدیث نمبر: ۷۰۰۶۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے ایسا فعل سرزد ہو گیا ہے، جس پر حد واجب ہے، لہٰذا آپ مجھ پر حد جاری فرما دیجئے، راوی کا بیان ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے کچھ بھی دریافت نہیں کیا، اتنے میں نماز کا وقت آ گیا اس شخص نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمراہ نماز پڑھی، جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو گئے تو وہ شخص کھڑا ہوا اور پھر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے ایسا فعل سرزد ہو گیا ہے جو حد کو واجب کرنے والا ہے، لہٰذا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم نافذ فرمائیے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تم نے میرے ساتھ نماز نہیں پڑھی؟'' وہ شخص بولا جی ہاں پڑھی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے تمہاری غلطی معاف فرما دی ہے، یا یہ فرمایا کہ اللہ نے تمہاری حد بخش دی ہے۔''

تشریح: ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے کوئی گناہ صغیرہ سرزد ہو گیا، لیکن مقام صحابیت

جیسے عظیم مرتبہ پر فائز ہونے کی وجہ سے ان کو اپنے اس گناہ پر اتنی ندامت اور اللہ تعالیٰ کا اتنا زیادہ خوف تھا کہ انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اس گناہ کا اس انداز سے تذکرہ کیا گویا کہ ان سے کوئی جرم عظیم سرزد ہو گیا ہو، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی ان کے گناہ پر مطلع کر دیا گیا تھا؛ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا گناہ نماز کے ذریعہ سے زائل ہو گیا ہے۔

حد ا: حد اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی سزا کو کہتے ہیں، مثلاً چوری کی حد ہاتھ کاٹنا ہے۔

ولم یسأل: آپ نے ان صحابی سے ان کے گناہ کی نوعیت دریافت نہیں فرمائی۔

اشکال مع جواب

اشکال: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے گناہ کی نوعیت جانے بغیر بخشے جانے کا حکم کیوں صادر فرمایا۔

جواب: اس شخص کے گناہ کی نوعیت نیز اس کا بخشا جانا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی معلوم ہو گیا تھا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے ان صحابی کو مطلع فرمادیا۔

فان اللہ قد غفر لک ذنبک: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھنے کی برکت کی وجہ سے ان کا گناہ معاف ہو گیا۔

اشکال مع جواب

اشکال: حد کو واجب کرنے والا عمل گناہ کبیرہ ہوتا ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے گناہ کبیرہ کے بارے میں کیسے فرمادیا کہ وہ نماز سے معاف ہو گیا، گناہِ کبیرہ تو بغیر

توبہ کے معاف نہیں ہوتا؟

جواب: (۱)...... صحابی رضی اللہ عنہ سے جو فعل سرزد ہوا تھا وہ گناہ کبیرہ نہیں تھا؛ بلکہ گناہ صغیرہ تھا، اسلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ نماز سے معاف ہو گیا۔

(۲)...... وہ گناہ کبیرہ ہی تھا لیکن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھنے کی عظمت کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے بغیر توبہ کے معاف کر دیا، دوسروں کے ساتھ نماز پڑھنے کی یہ شان نہیں ہوگی؛ کیونکہ یہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی۔

(۳)...... وہ صحابی رضی اللہ عنہ اپنے گناہ پر نادم ہو کر اپنے اوپر حد جاری کرانے کے لئے حاضر ہو گئے، اور یہی توبہ ہے؛ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صرف نماز پر بشارت نہیں دی؛ بلکہ ندامت اور صلوۃ کے مجموعہ پر بشارت دی۔

اشکال: مذکورہ بالا تین جوابوں میں سے پہلے جواب پر یہ اشکال ہے کہ جب صحابی رضی اللہ عنہ سے صغیرہ گناہ سرزد ہوا تھا تو انہوں نے یہ کیوں کہا "اصبت حدا" [یعنی میں حد کا مستوجب ہو گیا ہوں] حد تو گناہ کبیرہ پر جاری ہوتی ہے؟

جواب: حقیقت یہی ہے کہ ان سے صغیرہ گناہ سرزد ہوا تھا، جو کہ حد کو واجب کرنے والا نہیں تھا، لیکن انہوں نے اپنے گمان سے یہ سمجھا کہ یہ حد کو واجب کرنے والا عمل ہے؛ لہٰذا "اصبت حدا" کہا، یا پھر حد سے "تعزیر" مراد تھی، اور صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ مجھ سے ایک گناہ سرزد ہو گیا ہے اس پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو سزا دینا چاہیں دے دیں۔

بوسہ لینا گناہ صغیرہ ہے یا کبیرہ؟

تو جب نماز کی نیکی کرنے سے گناہ کا کفارہ ہو گیا، اس سے علماء نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ

قبلہ (بوسہ لینا) صغائر میں سے ہے، ورنہ کبائر حسنات سے معاف نہیں ہوتے، جب تک کہ توبہ نہ کرے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی رائے

حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ مجھے اس میں تردد ہے کہ قبلہ صغائر میں سے ہے، حضرت شاہ صاحبؒ نے اتنی بات کہہ کر کہ "مجھے تردد ہے" بات چھوڑ دی اس کی مزید تشریح نہیں کی۔

دیگر علماء کی آراء

بعض علماء کرام نے یہ فرمایا کہ قبلہ یا دوسرے دواعی زنا اور وطی، ان کی دو حیثیتیں ہیں:

(۱)......ایک یہ کہ کوئی شخص زنا کرنا چاہ رہا ہے "اللھم احفظنا منه" (امین) اور یہ اعمال تقبیل، لمس وغیرہ مقدمہ کے طور پر کر رہا ہے تو اس وقت تو یہ صغیرہ ہیں، کیونکہ اصل مقصود تو ارتکاب زنا ہے، ابھی ابتدائی چھیڑ چھاڑ اور ابتدائی مقدمات شروع کئے ہیں، پھر ایک دم سے اللہ کے خوف سے رک گیا اور آگے تجاوز نہیں کیا، تو یہ قبلہ، لمس وغیرہ صغیرہ ہو گئے، اور یہ آئندہ کوئی نماز وضو کرے گا تو معاف ہو جائیگا۔

(۲)......دوسری صورت یہ ہے کہ مقصود ہی قبلہ وغیرہ تھے، زنا مقصود نہ تھا، آگے بڑھنا منظور ہی نہیں تھا، صرف اسی عمل سے لذت اندوزی پیش نظر تھی، تو پھر یہ کبیرہ ہے، کیونکہ مقصود یہی ہے۔

اور یہ بات تو سب ہی کہتے ہیں کہ صغیرہ اس وقت تک صغیرہ ہے جب تک آدمی اتفاقاً کبھی ایسا کام کرلے اور اگر اس کو عادت بنالے اور اس پر اصرار کرے تو پھر وہ صغیرہ بھی کبیرہ

ہوگا، نیز اگر صغیرہ کو معمولی سمجھ کر کرتے تو اس کو بھی کبیرہ کہا ہے، اس لئے کہ اللہ جل شانہ کی نافرمانی چاہے چھوٹی چیز میں ہو یا بڑی چیز میں ہو، ہے تو نافرمانی۔ اب کوئی اس نافرمانی کو معمولی سمجھ کر نظر انداز کرے تو یہ استہانت ہے، اور استخفاف ہے، اس لئے وہ گناہ کبیرہ ہے، لہٰذا کبھی اس چکر میں مت پڑنا کہ بھائی یہ صغیرہ ہے، چلو کر گذرو۔

صغیرہ اور کبیرہ کی مثال

حضرت حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ صغیرہ وکبیرہ کی مثال دیتے ہیں کہ جیسے چنگاری اور بڑا شعلہ، دونوں آگ ہیں، کیا کوئی شخص یہ سمجھ کر کہ یہ چھوٹی سی چنگاری ہے اپنی الماری میں رکھ لے گا، ایسا کوئی نہیں کرے گا، اس لئے کہ اگر رکھے گا تو جلا دے گی، اس لئے جو کہا گیا ہے کہ روزہ، نماز صغیرہ کے لئے کفارہ بن جاتے ہیں، اس سے کبھی یہ مت سمجھنا کہ یہ معمولی چیز ہے، لہٰذا کر گذرو۔

یہ کفارہ اس وقت بنتے ہیں جب کہ اتفاقاً بھول چوک سے سرزد ہو جائے، لیکن باقاعدہ مقصد بنا کر، ارادہ کر کے اسے معمولی سمجھ کر کرتا ہے تو یہ کبیرہ ہی کے حکم میں ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی مدد اور نصرت سے محفوظ فرمائے۔ آمین (انعام الباری: ۳/۲۷۵)

پسندیدہ اعمال

﴿۵۲۳﴾ وَعَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّ الْاَعْمَالِ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ قَالَ الصَّلٰوةُ لِوَقْتِهَا قُلْتُ ثُمَّ اَيٌّ؟ قَالَ بِرُّ الْوَالِدَيْنِ قُلْتُ ثُمَّ اَيٌّ؟ قَالَ الْجِهَادُ فِي

سَبِیْلِ اللّٰہِ قَالَ حَدَّثَنِیْ بِھِنَّ وَلَوِاسْتَزَدْتُّہٗ لَزَادَنِیْ۔ (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف:۵۷۶/۷۶/۱، باب فضل الصلوۃ لوقتھا، کتاب مواقیت الصلوۃ، حدیث نمبر:۵۲۷۔مسلم شریف:۶۲/۱، باب بیان کون الایمان باللہ تعالیٰ. کتاب الایمان، حدیث نمبر:۱۳۵۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کونسا عمل سب سے زیادہ محبوب ہے؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''نماز کو اپنے وقت پر پڑھنا'' میں نے کہا اس کے بعد کونسا؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنا'' میں نے کہا کہ اس کے بعد کونسا؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنا'' ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہین کہ ''آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ باتیں مجھ سے بیان کیں اور اگر میں اس سے زیادہ پوچھتا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور زیادہ بیان فرماتے۔

تشریح: اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تین چیزوں کے متعلق ترتیب وار اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ہونے اور افضل الاعمال ہونے کی نسبت خبر دی ہے، ایمان کے بعد سب سے افضل عمل وقت پر نماز پڑھنا ہے، نماز میں بنیادی چیز خشوع وخضوع ہے، جس میں جتنی خشوع وخضوع کی صفت ہوگی وہ اتنا ہی اوقات صلوٰۃ کی پابندی کرنے والا ہوگا، دوسرے درجہ میں سب سے زیادہ پسندیدہ عمل والدین کے ساتھ حسن سلوک ہے، قرآن مجید میں بہت سے مواقع پر اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے حکم کے معا بعد والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید فرمائی ہے، والدین کے ساتھ حسن سلوک بھی وہی شخص کرے گا جس میں تواضع وانکساری کی صفت ہوگی، تیسرے درجہ میں سب سے پسندیدہ عمل اللہ تعالیٰ کی

راہ میں جہاد کرنا ہے، اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کی غرض سے جان و مال کی قربانی وہی شخص کر سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہو، اور اس کا مطیع و فرماں بردار ہو۔

اخیر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر میں کچھ اور چیزوں کے متعلق دریافت کرتا، تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مزید کچھ ارشاد فرماتے، لیکن میں نے اس سے زیادہ معلوم نہیں کیا۔

سوال وجواب

سوال: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کئی مرتبہ احب الاعمال اور افضل الاعمال کے بارے میں دریافت کیا گیا ہے، لیکن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر مختلف جواب دیے ہیں، اختلاف جواب کی وجہ کیا ہے؟

جواب: اختلاف جواب کی کئی وجوہ ہیں۔

(۱)......مخاطبین کے احوال کے اختلاف کی وجہ سے جواب میں اختلاف ہے، اگر کسی کی نماز میں کوتاہی دیکھی تو اس کے لئے "الصلوٰۃ لوقتھا" کو افضل الاعمال فرمایا، کسی کے متعلق حقوق والدین کے اندر کوتاہی معلوم ہوئی تو اس کے بارے میں "بر الوالدین" کو افضل الاعمال قرار دیا۔

(۲)......کبھی جوابات میں اختلاف حالات اور زمانے کے اعتبار سے ہوتا ہے، جس زمانے میں فقر و فاقہ اور قحط تھا، اس زمانے میں مسکینوں کو کھانا کھلانے کو افضل الاعمال قرار دیا۔ اس کے علاوہ بھی جوابات ہیں۔ (مرقاۃ: ۲/۱۱۳، فتح الباری: ۲/۴۰۴)

قلت ثم ای: علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ "ثم" تراخی رتبہ کے لئے ہے، تراخی زمان کے لئے نہیں ہے، یعنی نماز کے بعد افضل عمل کون ہے، اس کے بابت دریافت کیا۔

بـر الـو الـدیـن: والدین کے ساتھ حسن سلوک بہت افضل عمل ہے، اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ جس نے پانچوں وقت کی نمازیں پڑھیں، اور پھر ہر نماز کے بعد والدین کے لئے مغفرت کی دعاء کی تو اس نے اللہ تعالیٰ اور والدین دونوں کا حق ادا کیا۔ (مرقاۃ: ۲/۱۱۳)

ترک صلوٰۃ

﴿۵۲۴﴾ وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ الْعَبْدِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلٰوةِ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۶۱، باب بیان اطلاق اسم الکفر علی من ترک الصلوٰۃ، کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۱۳۴ .

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نماز کا چھوڑنا بندے اور کفر کے درمیان ہے۔

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ نماز ایک بہت اہم عبادت ہے، اور اس کا ترک کرنا بہت بڑا گناہ ہے، جو شخص نماز کو ترک کرتا ہے، وہ کفر کے قریب پہونچ جاتا ہے۔

بیـن الـعبد وبیـن الکفر: اس جملہ کا ظاہری مطلب تو یہ ہے کہ جس نے نماز ترک کردی وہ کافر ہوگیا، لیکن اکثر علماء نے اس طرح کی احادیث کی مختلف توجیہات کی ہیں، جن میں سے چند یہاں ذکر کی جاتی ہیں۔

(۱)...... یہ حقیقت پر محمول نہیں؛ بلکہ وعید وتہدید مراد ہے۔

(۲)...... یہاں کفر کی حدود کے قریب پہونچنا مراد ہے، حقیقی کافر ہونا مراد نہیں ہے۔

(۳)......کفر لغوی مراد ہے، یعنی اس نے ناشکری کی۔ (فتح الملہم: ۱/۲۴۵،۲۴۶)

﴿الفصل الثانی﴾

پنجوقتہ نماز کی فضیلت

﴿۵۲۵﴾ وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمْسُ صَلَوَاتٍ اِفْتَرَضَهُنَّ اللّٰهُ تَعَالٰى مَنْ اَحْسَنَ وُضُوْئَهُنَّ وَصَلَّاهُنَّ لِوَقْتِهِنَّ وَاَتَمَّ رُكُوْعَهُنَّ وَخُشُوْعَهُنَّ كَانَ لَهٗ عَلَى اللّٰهِ عَهْدٌ اَنْ يَغْفِرَ لَهٗ وَمَنْ لَّمْ يَفْعَلْ فَلَيْسَ لَهٗ عَلَى اللّٰهِ عَهْدٌ اِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهٗ وَاِنْ شَاءَ عَذَّبَهٗ۔ (رواه احمد وابو داؤد) وَرَوَى مَالِكٌ وَالنَّسَائِيُّ نَحْوَهٗ۔

حوالہ: مسند احمد: ۵/۳۱۷، ابو داؤد شریف: ۱/۶۱، باب فی المحافظة علی وقت الصلوة کتاب الصلوة موطا امام مالک: ۴۳، باب الامر بالوتر، کتاب صلوة اللیل. حدیث نمبر: ۱۴، نسائی شریف: ۱/۵۴، باب المحافظة علی الصلوات الخمس، حدیث نمبر: ۴۶۲.

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''پانچ نمازیں اللہ تعالیٰ نے فرض فرمائی ہیں، جس شخص نے ان نمازوں کے لئے اچھی طرح وضو کیا اور ان نمازوں کو ان کے وقت پر پڑھا، اور ان کے رکوع اور ان کے خشوع کو پورا کیا تو اس شخص کے لئے اللہ کا عہد ہے کہ اس کو معاف فرمادیگا، اور جس شخص نے ایسا نہیں کیا تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا کوئی عہد نہیں ہے۔ چاہے گا

تو اس کو بخش دیگا اور اگر چاہے گا تو اس کو عذاب دے گا۔ (احمد، ابوداؤد) اور مالک و نسائی نے اسی طرح کی روایت نقل کی ہے۔

تشریح: نماز ادا کرنے سے پہلے اچھی طرح وضو کرنا چاہئے اور اچھی طرح وضو یہ ہے کہ وضوء کے فرائض و سنن اور آداب کو پوری طرح ملحوظ رکھا جائے وضو کرنے کے بعد خشوع و خضوع کے ساتھ نماز ادا کرنا چاہئے جو شخص ایسا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔

من احسن وضوءھن: یعنی وضو کو اس کے فرائض و سنن کی رعایت کے ساتھ ادا کیا۔

وصلاھن لوقتھن: یعنی نمازوں کو ان کے پسندیدہ و مستحب وقت میں ادا کیا جائے۔

ان یغفر لہ: نماز سے صغیرہ بالاتفاق معاف ہو جاتے ہیں، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ نے لکھا ہے کہ نماز سے صغیرہ و کبیرہ دونوں معاف ہو جاتے ہیں، صغیرہ کا معاف ہونا تو بالکل واضح ہے، اس وجہ سے کہ فرمان الٰہی "ان الحسنات یذھبن السیأت" اور کبیرہ اس لئے معاف ہو جاتے ہیں کہ نماز میں توبہ و استغفار بھی داخل ہے اور توبہ سے گناہ کبیرہ معاف ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں۔

ان شاء غفر لہ: اس سے معلوم ہوا کہ نماز کا تارک حقیقتاً کافر نہیں اور جن احادیث میں تارک صلوۃ کو کافر کہا گیا ہے ان کی مناسب تاویل کی جائے گیا، جیسے کہ گذشتہ احادیث میں تاویل کی گئی ہے۔

ان شاء عذبہ: مرتکب کبیرہ کو عذاب دینا اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے، معلوم ہوا کہ مرتکب کبیرہ کو عذاب دینا اللہ تعالیٰ پر واجب نہیں ہے، اس جزء سے مرتکب

کبیرہ کے سلسلے میں معتزلہ اور خوارج کے نظریے کی بھرپور تردید ہوگئی۔

جنت میں جانے کا راستہ

﴿۵۲۶﴾ وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلُّوْا خَمْسَکُمْ وَصُوْمُوْا شَہْرَکُمْ وَاَدُّوْا زَکَاةَ اَمْوَالِکُمْ وَاَطِیْعُوْا ذَا اَمْرِکُمْ تَدْخُلُوْا جَنَّةَ رَبِّکُمْ۔

(رواہ احمد والترمذی)

حوالہ: مسند احمد: ۵/۲۵۱، ترمذی شریف: ۱/۱۳۳، باب فضل الصلوۃ، کتاب الجمعة، حدیث نمبر: ۶۱۶.

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اپنی پنج وقتہ نمازیں ادا کرو، اپنے مہینے کے روزے رکھا کرو، اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرو، اور اپنے ذی امر لوگوں کی اطاعت کرتے رہو، اپنے رب کی جنت میں داخل ہوجاؤ گے۔

تشریح: اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ بات بیان فرمائی ہے کہ جو شخص پنج وقتہ نمازوں رمضان المبارک کے روزوں اور زکوٰۃ کی ادائیگی پر مداومت اختیار کرتا ہے نیز امیر کی اطاعت کو لازم پکڑتا ہے تو وہ جنت میں داخل ہوجاتا ہے، لہٰذا ہم میں سے ہر ایک کو چاہئے کہ وہ مذکورہ چاروں امور کی ادائیگی میں ذرہ برابر کوتاہی نہ کرے، کیونکہ ان امور میں کوتاہی کا مطلب اپنے آپ کو جنت سے دور کرکے عذاب کا مستحق بناتا ہے۔

شہرکم: رمضان کا مہینہ مراد ہے۔

ادو ا زکوٰۃ اموالکم: یعنی جن اموال کے تم مالک ہو اس میں سے ادا کرو۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے "زکوٰۃ اموالکم" ارشاد فرمایا، "زکوتکم" نہیں فرمایا اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ زکوٰۃ مطلقاً واجب نہیں ہوتی ہے، بلکہ ایسے مال نامی کے ساتھ معلق ہے جو کہ نصاب تک پہونچ رہا ہو، نیز اس بات کی طرف بھی اشارہ مقصود ہے کہ مال کی زکوٰۃ نفس پر بہت دشوار ہوتی ہے، اس لئے کہ انسان طبعی طور پر مال کا دلدادہ ہوتا ہے، اور کسی چیز سے محبت کے باوجود اس کو راہِ خدا میں خرچ کرنا، بہت افضل عمل ہے، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کی مدح کرتے ہوئے فرمایا ہے: "واٰتی المال علی حبہ" (مرقاۃ:۲/۱۱۵)

سوالات مع جوابات

سوال (۱): زکوٰۃ کو صوم سے موخر کیوں ذکر کیا؟

جواب: روزہ پہلے فرض ہوا اور زکوٰۃ بعد میں فرض ہوئی اسی وجہ سے پہلے روزے کو پھر زکوٰۃ کو ذکر کیا ہے۔

سوال (۲): قرآنی آیات اور احادیث میں نماز اور زکوٰۃ کو عام طور سے ساتھ میں کیوں ذکر کیا جاتا ہے؟

جواب: نماز جسمانی عبادات میں سب سے افضل عبادت ہے اور زکوٰۃ مالی عبادات میں سب سے افضل عبادت ہے، یہ دونوں اپنے اعتبار سے افضل عبادات ہیں، اس مناسبت کی وجہ سے ان کو ساتھ میں ذکر کیا جاتا ہے۔

واطیعوا اذا امرکم: اس سے خلیفۃ المسلمین، بادشاہ اور ان کے علاوہ دیگر امراء مراد ہیں، یا پھر اس سے علماء مراد ہیں، نیز وہ لوگ بھی مراد ہو سکتے ہیں جو مسلمانوں کے

دینی اور دنیاوی معاملات کے منتظم ہوتے ہیں۔

جنۃ ربکم: عمل کے مقابلہ میں ثواب رکھا ہے، تاکہ اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان بیع منعقد ہو جائے، یہی مضمون اللہ تعالیٰ کے فرمان: ''ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسھم الخ'' میں مذکور ہے، حاصل یہ ہے کہ جو لوگ مذکورہ بالا اعمال پر مواظبت کریں گے ان کو اللہ تعالیٰ بغیر عذاب دیئے جنت میں داخل فرمائیں گے۔

اپنی اولاد کو نماز کا حکم

﴿۵۲۷﴾ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرُوْا اَوْلَادَكُمْ بِالصَّلٰوةِ وَهُمْ اَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِيْنَ وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ اَبْنَاءُ عَشْرِ سِنِيْنَ وَفَرِّقُوْا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ۔ (رواہ ابوداؤد) وَكَذَا رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ عَنْهُ وَفِي الْمَصَابِيْحِ عَنْ سَبْرَةَ بْنِ مَعْبَدٍ۔

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/۷۱، باب متی یؤمر الغلام بالصلوۃ، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۴۹۵. بغوی فی شرح السنۃ: ۲/۴۰۶، باب الصلوۃ فی مرابض الغنم واعطان الابل، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۵۰۵.

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ تمہارے بچے جب سات سال کے ہو جائیں تو اپنے بچوں کو نماز پڑھنے کا حکم دو اور جب وہ دس سال کے ہو جائیں تو ان کو نماز چھوڑنے پر مارو، اور ان کے بستر الگ الگ کردو۔ (ابوداؤد) شرح

السنہ میں بھی اس روایت کو عمرو بن شعیب سے اور مصابیح میں سبرہ بن معبد سے نقل کیا ہے۔

تشــریح: اس حدیث میں اولیاء کو اپنے بچوں کی تربیت کے سلسلے میں تین بہت اہم حکم دیئے گئے ہیں۔

(۱)...... اپنے بچوں کو سات سال کی عمر سے نماز کی تاکیدی کرو، نماز کی ادائیگی کا طریقہ اس کے ارکان واجبات وغیرہ سکھاؤ۔

(۲)...... اگر بچہ دس سال کی عمر کے بعد نماز نہ پڑھے تو اس کو تادیبا اور مار پیٹ کر نماز پڑھواؤ۔

(۳)...... دس سال کی عمر کے بعد خواہ وہ آپس میں کتنا ہی قریبی تعلق ورشتہ رکھتے ہوں ان کے بستر الگ کردو، ایک بستر پر سونے نہ دو، تاکہ بچہ جنسی بے راہ روی کا شکار نہ ہو۔

مــروا اولادکم: بچوں کے اولیاء یعنی باپ، دادا وغیرہ کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے نابالغ بچوں کو نماز اور اس کے متعلق شرائط کا حکم کیا کریں، اولاد میں مذکر ومؤنث دونوں طرح کے بچے شامل ہیں۔

اشکالات مع جوابات

اشکال (۱): ایک حدیث ہے:"**رفع القلم عن ثلاثة عن المجنون حتى يبرأ وعن النائم حتى يستيقظ وعن الصبي حتى يحتلم**" (ابوداؤد) اس حدیث شریف سے یہ بات معلوم ہورہی ہے کہ بچہ جب تک بالغ نہ ہوجائے غیر مکلف ہے، تو پھر بچے کو حدیث باب میں نماز کا مکلف کیوں بنایا گیا ہے؟

جواب: حدیث باب میں "**امر بالصلوة**" کے مخاطب اولیاء صبی ہیں یعنی بچوں کے اولیاء ہیں خود بچے مخاطب نہیں ہیں، کیونکہ وہ تو غیر مکلف ہیں، لہٰذا حدیث باب

کے ذریعے سے بچوں کا مامور من الشارع ہونا لازم نہیں آیا، البتہ وہ مامور من الاولیاء ہیں۔

اشـــکـــال (۲): جب بچوں پر نماز فرض نہیں ہیں تو پھر اولیا کو یہ حکم کیوں دیا گیا ہے، کہ وہ بچوں کو نماز پڑھنے کا حکم کریں؟

جـــواب: نماز بہت اہم عبادت ہے، اور اہم شی کی تیاری پہلے سے کی جاتی ہے، بچوں پر بلوغ کے بعد نماز فرض ہوتی ہے، لہٰذا صبی نابالغ کو اس کے والدین نماز پڑھنے کا حکم کریں گے، تاکہ اس کی عادت بنی رہے اور بالغ ہونے کے بعد بچے کو نماز کی ادائیگی میں دقت پیش نہ آئے، اگر بلوغ سے پہلے وہ نماز نہیں پڑھے گا تو بلوغ کے بعد بھی نماز کی ادائیگی میں کوتاہی ہوگی۔

تعارض: ابناء سبع سنین: اس حدیث میں سات سال کا ذکر ہے، ابوداؤد کی ایک دوسری روایت میں "اذا عرف یمینه من شماله الخ" کے الفاظ ہیں، یعنی جب بچہ اس عمر میں داخل ہوجائے کہ وہ دائیں بائیں میں تمیز کرنے لگے، تو اس کو نماز کا حکم کیا جائے، دونوں میں تعارض ہوگیا۔

جـــواب: اس کا جواب یہ ہے چونکہ عام طور پر سات سال کا بچہ دائیں کو بائیں سے تمیز کرلیتا ہے، اس وجہ سے اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سات سال کا تذکرہ فرمایا ہے، اگر بالفرض کوئی بچہ سات سال کی عمر میں پہونچنے کے بعد بھی دائیں بائیں میں تمیز نہ کرپاتا ہو تو اس بچہ کو نماز کا حکم نہیں کیا جائے گا۔

عشر سنین: اس جملہ کی شرح میں دو قول ہیں۔

(۱)...... جب بچہ دسویں سال میں داخل ہوجائے اور نماز نہ پڑھے تو اس کو مارا جائے۔

(۲)...... جب بچہ مکمل دس سال کا ہوجائے اور نماز ترک کرے تو پٹائی کی جائے، چونکہ دس

سال کا بچہ قریب البلوغ ہوتا ہے، اور اس میں مار برداشت کرنے کی طاقت بھی آ جاتی ہے، اس لئے اولیاء کو مارنے کا حکم دیا گیا ہے، لیکن بہت زیادہ مارنا زخمی کرنا درست نہیں ہے۔

وفرقوا بينهم في المضاجع: دس سال کی عمر کے بچوں کے بستر الگ کر دینا چاہئے، بعض حضرات نے لکھا ہے کہ غیر مستور ہو کر دو بچے ایک بستر پر نہ سوئیں، اگر مستور ہو کر دو بچے ایک بستر یا ایک چادر میں سوتے ہیں تو کوئی حرج نہیں، لیکن اولیٰ یہی ہے کہ دو بچوں کا دس سال کے بعد خواہ وہ سگے بھائی بہن یا دو سگے بھائی ہی کیوں نہ ہوں، بستر الگ کر دینا چاہئے، کیونکہ اس عمر میں جنسی جذبات پیدا ہونے لگتے ہیں۔ (مرقاۃ: ۱۱۵/۲، ۱۱۶/۲، الدر المنضود)

شوافع کا استدلال

بعض شوافع نے حدیث باب سے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر بالغ آدمی نماز کو ترک کردے تو اس کو قتل کر دیا جائے، کیونکہ یہ بات معقولی ہے کہ بالغ کی سزا نابالغ کی سزا سے زائد ہونا چاہئے، حدیث باب میں نابالغ تارک صلوۃ کی سزا "ضرب" بیان کی گئی ہے، لہٰذا بالغ تارک صلوۃ کی سزا لامحالہ ضرب سے زائد ہوگی اور ضرب سے بڑھ کر سزا "قتل" ہی ہو سکتی ہے، لہٰذا بالغ تارک صلوۃ کو قتل کیا جائے گا۔ (تلخیص عون المعبود: ۱۱۵/۲)

شوافع کے استدلال کا جواب

امام صاحبؒ کے نزدیک تارک صلوۃ عامداً مارا جائے گا، قید کیا جائے گا لیکن قتل نہیں کیا جائے گا، کیونکہ ایک حدیث ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ قصاص زنا اور ارتداد کے علاوہ کسی

وجہ سے قتل جائز نہیں ہے، لہٰذا تارک صلوۃ عامداً کو بھی قتل نہیں کیا جائے گا اور جہاں تک بالغ کی نابالغ کے مقابلہ میں سزا کا تعلق ہے تو وہ بالغ کو زیادہ دی جائے گی، اور اس سلسلے میں یہ کہنا کہ ضرب کے بعد درجہ قتل ہی کا ہے، صحیح نہیں، کیونکہ خود ضرب کے مختلف درجات ہیں، جیسے ضرب مبرح غیر مبرح نیز ضرب مع الحبس وبدون الحبس وغیرہ وغیرہ۔

ترک نماز

﴿۵۲۸﴾ وَعَنْ بُرَيْدَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْعَهْدُ الَّذِيْ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلٰوةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ۔ (رواه احمد والترمذی والنسائی وابن ماجة)

حواله: مسند احمد: ۵/۳۳۶، ترمذی شریف: ۲/۹۰، باب ماجاء فی ترک الصلوٰة، کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۲۶۲۱۔ نسائی شریف: ۱/۸۱، باب الحکم فی تارک الصلوة، کتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۴۶۲۔ ابن ماجه شریف: ۷۵، باب ماجاء فی من ترک الصلوة، کتاب اقامة الصلوة، حدیث نمبر: ۱۰۷۹۔

ترجمه: حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ہم میں اور ان منافقوں میں جو عہد ہے وہ نماز کا ہے، پس جس شخص نے نماز چھوڑ دی وہ کافر ہو گیا۔

تشریح: اس حدیث کا حاصل بھی یہی ہے کہ نماز کا ترک کرنا بہت بڑا جرم ہے اور یہ اتنا بڑا جرم ہے کہ کفر کے قریب پہونچا دیتا ہے، یہی وہ عبادت ہے جس کی ادائیگی کرنے

کی وجہ سے منافق کو برملا کافر نہیں کہا جاتا ہے، اگر کوئی منافق نماز کو ترک کرتا ہے تو پھر اس کے ساتھ کافروں جیسا سلوک کیا جائے گا۔

العھد: یعنی منافقین اور مسلمانوں کے درمیان جو عہد ہے وہ اس وقت تک ہے جب تک منافقین نماز پڑھ رہے ہیں، کیونکہ منافق اعتقادی اگرچہ کافر ہوتا ہے، لیکن نماز پڑھنے اور جماعت میں شریک ہونے کی وجہ سے اس کے کفر پر پردہ پڑا رہتا ہے، جس کی وجہ سے اس کے ساتھ مسلمانوں جیسا برتاؤ کیا جاتا ہے، لیکن جب اس نے نماز کو جان بوجھ کر ترک کرنا شروع کردیا تو گویا اس نے برملا اپنے کفر کا اعتراف کرلیا، لہٰذا اب اس کے ساتھ کافروں جیسا برتاؤ کیا جائے گا، اس حدیث کی تائید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے بھی ہورہی ہے، جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت فرمایا جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منافقین کے قتل کی اجازت چاہی گئی، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اجازت نہیں دی اور فرمایا: "الا انی نہیت عن قتل المصلین" (مرقاۃ:۲/۱۱۶)

﴿الفصل الثالث﴾

نماز سے گناہوں کی معافی

﴿۵۲۹﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ جَاءَرَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اِنِّيْ عَالَجْتُ اِمْرَأَةً فِيْ اَقْصَى الْمَدِيْنَةِ وَاِنِّيْ اَصَبْتُ مِنْهَا مَادُوْنَ اَنْ اَمَسَّهَا فَاَنَا هٰذَا فَاقْضِ فِيَّ مَاشِئْتَ فَقَالَ لَهٗ عُمَرُ لَقَدْ سَتَرَكَ اللّٰهُ لَوْ سَتَرْتَ

عَلٰی نَفْسِكَ قَالَ وَلَمْ يَرُدَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَقَامَ الرَّجُلُ فَانْطَلَقَ فَأَتْبَعَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا فَدَعَاهُ وَتَلَا عَلَيْهِ هٰذِهِ الْآيَةَ "وَأَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذَّاكِرِيْنَ" فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ يَانَبِيَّ اللّٰهِ هٰذَا لَهُ خَاصَّةً فَقَالَ بَلْ لِلنَّاسِ كَافَّةً ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۲/۳۵۸، باب قولہ تعالیٰ "إِنَّ الْحَسَنَاتِ" کتاب التوبۃ، حدیث نمبر: ۲۷۶۳۔

حل لغات: عالجتُ، الشیء مُعَالَجَةً وَعِلَاجًا کسی چیز کی مشق کرنا، باربار کرنا، لگے رہنا، اقصی دوردراز، ج: اقاص.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں نے مدینے کے ایک دوردراز گوشے میں ایک عورت کا پیچھا کیا، اور میں نے اس سے سوائے جماع کے سب مزے لئے، اب میں یہاں آیا ہوں، آپ جو چاہیں میرے بارے میں فیصلہ فرمادیجئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تیرے جرم پر پردہ ڈال دیا تھا اگر تو بھی اپنی اس بات پر پردہ ڈالے رکھتا (تو تیرے لئے بہتر ہوتا) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی بات کا کچھ بھی جواب نہیں دیا، حتی کہ وہ شخص کھڑا ہوا اور چلا گیا، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پیچھے ایک آدمی بھیجا اور اس کو بلوایا اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسکے سامنے یہ آیت تلاوت فرمائی: "واقم الصلوۃ الخ" دن کے دونوں طرفوں میں اور رات کے ایک حصے میں نماز پابندی سے پڑھا کرو، بلاشبہ نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی

ہیں، یہ نصیحت ہے نصیحت ماننے والوں کے لئے، اس پر حاضرین میں سے ایک صاحب نے پوچھا اے اللہ کے نبی! صلی اللہ علیہ وسلم یہ حکم خاص اسی شخص کے لئے ہے؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں بلکہ تمام لوگوں کے لئے ہے۔

تشــریح: اگر کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اس پر اصرار نہ کرنا چاہئے، بلکہ اس پر نادم ہونا چاہئے اور جلد از جلد توبہ واستغفار کرنا چاہئے کیونکہ توبہ واستغفار نیز افعال حسنہ سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اپنے گناہ کا لوگوں کے سامنے تذکرہ نہ کرنا چاہئے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ ستار ہے، جب اس نے گناہ پر پردہ ڈالدیا تو پھر گناہ کے افشاء سے کوئی فائدہ نہیں، بلکہ بسا اوقات گناہ کا افشاء گناہ کے فروغ کا سبب بن جاتا ہے۔

عالجت امرأة: میں نے ایک عورت کو چمٹالیا اور اس سے بوس وکنار ہوا۔

ما دون ان امسها: بسا اوقات ”مس“ سے جماع مراد ہوتا ہے، یہاں صحابی رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ ہے کہ میں نے جماع نہیں کیا، اس کے علاوہ دیگر طریقوں سے اجنبیہ سے لطف اندوز ہوا۔

فاقض فی ماشئت: یعنی میں اپنے گناہ پر شرمندہ ہو کر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا ہوں، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو مناسب سزا سمجھیں دیدیں۔

لو سترت علی نفسک: اس میں اس بات پر دلیل ہے کہ اگر کسی شخص سے مذکورہ بالا گناہ یا اس کے مثل کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اس کے لئے لازم نہیں ہے کہ وہ اپنے اس گناہ سے حاکم کو مطلع کرے، ہاں اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرنا لازم ہے۔ (تکملہ فتح الملہم: ۶/۳۱)

علامہ ابن حجرؒ نے اس حدیث کے ذیل میں لکھا ہے اس قسم کی جو حدیث نمبر: ۵۲۰ر پیچھے پہلی فصل میں گذری ہے وہ کسی اور صاحب کے واقعہ سے تعلق رکھتی ہے، اور یہاں جو واقعہ مذکور ہوا وہ کسی دوسرے صاحب کا ہے، پہلے صاحب کے بارے میں مذکورہ آیت نازل ہوئی تھی، جب یہی واقعہ دوسرے صاحب کو پیش آیا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سند کے طور پر وہی آیت تلاوت فرمائی۔

فقال رجل: حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ میں سے کسی ایک نے کہا: "هذا له خاصة" یہ حکم صرف سائل کے ساتھ خاص ہے، یا یہ حکم تمام لوگوں کے لئے ہے۔ "بل للناس كافةً" یہ حکم تمام لوگوں کے لئے عام ہے، کسی کے ساتھ خاص نہیں ہے، کیونکہ نزول آیت کے سبب میں عموم لفظ کا اعتبار ہوتا ہے، خصوص سبب کا اعتبار نہیں ہوتا۔ (مرقاۃ: ۲/۱۱۷)

حدیث پاک سے متعلق باقی تفصیل پہلی فصل میں گذر چکی ہے۔

نماز سے گناہ پتوں کی طرح جھڑتے ہیں

﴿۵۳۰﴾ وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَرَجَ زَمَنَ الشِّتَاءِ وَالْوَرَقُ یَتَھَافَتُ فَاَخَذَ بِغُصْنَیْنِ مِنْ شَجَرَۃٍ قَالَ فَجَعَلَ ذٰلِكَ الْوَرَقُ یَتَھَافَتُ قَالَ فَقَالَ یَا اَبَاذَرٍّ قُلْتُ لَبَّیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! قَالَ اِنَّ الْعَبْدَ الْمُسْلِمَ لَیُصَلِّی الصَّلٰوۃَ یُرِیْدُ بِھَا وَجْہَ اللّٰہِ فَتَھَافَتُ عَنْہُ ذُنُوْبُہٗ کَمَا یَتَھَافَتُ ھٰذَا الْوَرَقُ عَنْ ھٰذِہِ الشَّجَرَۃِ۔ (رواہ احمد)

حواله: مسند احمد: ۵/۱۷۹.

حل لغات: يَتَهَافَتُ (باب تفاعل سے) ٹوٹ کر گرنا، غصنين غُصْنٌ کا تثنیہ ہے، ج: غُصُوْنٌ وَاَغْصَانٌ، ٹہنی، شاخ۔

ترجمہ: حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جاڑوں کے دنوں میں جب کہ پتوں کے جھڑنے کا وقت تھا باہر نکلے اور ایک درخت کی ٹہنیاں پکڑلیں، حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں تو پتے جھڑنے لگے، حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابو ذر! میں نے کہا اے اللہ کے رسول! صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوں، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: بلاشبہ مسلمان بندہ جب نماز پڑھتا ہے درانحالیکہ اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی چاہتا ہے تو اس کے گناہ اس طرح جھڑتے ہیں جس طرح اس درخت کے پتے جھڑ رہے ہیں۔

تشریح: جو شخص نماز کو جیسا کہ اس کا حق ہے اسی طرح ادا کرتا ہے یعنی اس میں کسی قسم کی ریا کاری شہرت اور عجب وغرور کا دخل نہیں ہوتا بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہوتی ہے، تو ایسے شخص کے گناہ زائل ہو جاتے ہیں، اور یہ گناہوں سے پاک وصاف ہو جاتا ہے۔

خرج زمن الشتاء: جاڑے کا موسم مراد ہے، یا جاڑے کے قریب خزاں (پت جھڑ) کا موسم مراد ہے۔

فاخذ بغصنين: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دو ٹہنیوں کو ہلایا تو پتے جھڑنے لگے۔

سوال مع جواب

سوال: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر اجازت دوسرے کے درخت کے پتے

کیوں گرائے؟

جواب: وہ درخت خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت میں تھا، یا کسی ایسے شخص کا تھا جن کی رضامندی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھی۔ (مرقاۃ: ۲/۱۱۷)

نیز موسم خزاں میں پتے گرتے ہی ہیں ان کے گرنے سے کوئی نقصان نہیں ہوتا، کوئی شخص چند پتے گرادے اس سے کسی کو ناراضگی یا ناگواری نہیں ہوتی، اس لئے اجازت کی ضرورت ہی نہیں۔

و الــورق: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہلانے سے پتے کثرت سے جھڑنے لگے۔

جس نماز میں سہو نہ ہو اس کی فضیلت

﴿۵۳۱﴾ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدِ الْجُهَنِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى سَجْدَتَيْنِ لَايَسْهُوْ فِيْهِمَا غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ۔ (رواہ احمد)

حوالہ: مسند احمد: ۵/۱۹۴.

ترجمہ: حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جس نے دو رکعت نماز پڑھی درانحالیکہ ان دونوں میں بھولا نہیں، اللہ تعالیٰ اس کے سابقہ گناہوں کو معاف فرمادے گا۔

تشریح: نماز خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کرنا چاہئے، نماز میں کسی قسم کی غفلت اور عجلت سے کام نہ لینا چاہئے، جو شخص اس طرح نماز ادا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے سابقہ گناہ

معاف فرمادیتے ہیں۔

لایسھو فیھما: دونوں سجدوں یعنی دونوں رکعتوں میں کسی قسم کی غفلت نہیں کرتا، حضورِ قلب کے ساتھ نماز ادا کرتا ہے، گویا اللہ تعالیٰ اسکو دیکھ رہے ہیں۔ (مرقاۃ: ۲/۱۱۹)

حدیث پاک میں سجدہ سے رکعت مراد ہے، چونکہ سجدہ نماز کا اہم رکن ہے، اور اللہ تعالیٰ کا انتہائی درجہ قرب حالت سجدہ میں حاصل ہوتا ہے، اس لئے بطور خاص سجدہ کا ذکر کیا۔ اور گناہ سے کون سے گناہ مراد ہیں اس کی تفصیل اوپر گذر چکی۔

نماز پر مداومت کی فضیلت

﴿۵۳۲﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ ذَکَرَ الصَّلٰوۃَ یَوْماً فَقَالَ مَنْ حَافَظَ عَلَیْھَا کَانَتْ لَہٗ نُوْرًا وَبُرْھَانًا وَنَجَاۃً یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَمَنْ لَمْ یُحَافِظْ عَلَیْھَا لَمْ تَکُنْ لَہٗ نُوْرًا وَلَا بُرْھَانًا وَلَا نَجَاۃً وَکَانَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ مَعَ قَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَھَامَانَ وَاُبَیِّ بْنِ خَلَفٍ۔ (رواہ احمد والدارمی والبیھقی فی شعب الایمان)

حوالہ: مسند احمد: ۲/۱۶۹، دارمی: ۲/۲۹۱ ،۲۹۰، باب فی المحافظۃ علی الصلوۃ، کتاب الرقاق بیھقی: ۲/۴۶.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز کا تذکرہ فرمایا، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص نماز کی پابندی کرتا ہے تو

نماز اس کے لئے نور، دلیل اور قیامت کے دن ذریعہ نجات بن جاتی ہے، اور جو شخص نماز کی پابندی نہیں کرتا، تو نماز اس کے لئے نہ تو نور بنتی ہے، اور نہ ذریعہ نجات بنتی ہے، اور وہ شخص قیامت کے دن قارون فرعون، ہامان اور ابی ابن خلف کے ساتھ ہوگا۔

تشــریح: نماز کی پابندی کرنا چاہئے، جو شخص نماز کی اس کے جملہ شرائط وارکان وآداب کی رعایت کرتے ہوئے مواظبت کریگا، اس کا انجام نیک لوگوں کے ساتھ ہوگا، نماز قبر سے لے کر میدان حشر تک اس کی اعانت کرے گی، اور ہر منزل پر اس کے لئے معاون بنے گی، اس کے برخلاف جو شخص نماز ترک کریگا اس کا حشر کافروں وفاجروں کے ساتھ ہوگا۔

ذکــر الـصــلـوۃ: حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی فضیلت اور اس کے مقام ومرتبے کا ذکر فرمایا۔

مـن حـافـظ علیھا: نماز کی محافظت کا مطلب یہ ہے کہ نماز مداومت کے ساتھ پڑھی جائے، اس کو جملہ شرائط وآداب کے ساتھ بلاناغہ وقت پر ادا کیا جائے، جو شخص اس طور پر نماز ادا کرتا ہے اس کو محافظت صلوۃ کا مقام حاصل ہوتا ہے۔

یوم القیامۃ: قیامت کے دن ہر شخص سے سب سے پہلے نماز کے بارے میں باز پرس ہوگی، ایسے میں جو شخص پابندی کے ساتھ نماز ادا کرتا رہا ہوگا، تو نماز اس کے لئے ذریعہ نجات بن جائے گی، اسی طرح نماز قبر میں بھی روشنی رہنمائی اور نجات کا ذریعہ ہوگی، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے "**من مات فقد قامت قیامتہ**" جو شخص مرا تو اس کے مرتے ہی اس کی قیامت قائم ہوگئی۔

ومـن لم یحافظ: یعنی جو شخص نماز کے ارکان اس کی شرائط کی پوری رعایت نہیں کرتا، اس کے لئے آگے آنے والی وعید ہے یہیں سے معلوم ہوا کہ جو شخص بالکلیہ نماز ترک کرتا ہے وہ تو اور بڑا بدبخت ہے۔

وکان یوم القیامۃ: نماز سے غفلت کرنے والے لوگوں کا حشر اوران کا عذاب فرعون وہامان وقارون وغیرہ کے ساتھ ہوگا، ان بدبختوں کے ساتھ تارک صلوۃ کا حشر ہونا اس بات کو مستلزم نہیں کہ تارک صلوۃ کافر ہے، کیونکہ دونوں طرح کے لوگوں کے عذاب میں فرق ہوگا، فرعون وغیرہ کا عذاب ہمیشہ ہمیش کے لئے ہوگا، اور برائے اہانت ہوگا، جب کہ تارک صلوۃ کا عذاب ہمیشہ ہمیش کے لئے نہیں ہوگا، بلکہ گناہ کے بقدر عذاب دینے کے بعد اس کو جہنم سے رہائی مل جائے گی، اور یہ عذاب برائے اہانت نہیں ہوگا بلکہ برائے تطہیر وتذکیر ہوگا۔

غیر نمازی کا انجام فرعون وہامان کے ساتھ ہوگا اس سے اس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ نماز کی پابندی کرنے والے کا انجام نبیوں، صدیقوں، شہداء اور صالحین کے ساتھ ہوگا۔ (مرقاۃ:۲/۱۱۸)

ترک نماز کی وعید

﴿۵۳۳﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ شَقِیْقٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ کَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَایَرَوْنَ شَیْئًا مِنَ الْاَعْمَالِ تَرْکُہٗ کُفْرٌ غَیْرَ الصَّلٰوۃِ۔ (رواہ الترمذی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۲/۹۰، باب ماجاء فی ترک الصلوۃ، کتاب الایمان، حدیث نمبر:۲۶۶۲۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن شقیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نماز کے چھوڑنے کے علاوہ کسی بھی عمل کے چھوڑنے کو کفر نہیں سمجھتے تھے۔

تشـــریـــح: حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے نزدیک نماز کا چھوڑنا بہت بڑا جرم تھا، یہ ایسا بڑا گناہ تھا جس کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ یہ کفر کے قریب پہونچانے والا ہے۔

لا یرون: یعنی صحابہ اعتقاد نہیں رکھتے تھے۔

غیر الصلوۃ: نماز کا استثناء کیا ہے اور مستثنیٰ منہ وہ ضمیر ہے جو ''شیء'' کی طرف راجع ہے، نماز کو حصر کے ساتھ ذکر کرنے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک نماز کا ترک کرنا سب سے بڑا جرم اور کفر کے قریب کرنے والا عمل ہے۔ (مرقاۃ:۲/۱۱۹)

نماز کا ترک کرنا اسلامی عہد سے نکلنا ہے

﴿۵۳۴﴾ وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ اَوْصَانِیْ خَلِیْلِیْ اَنْ لَاتُشْرِكْ بِاللّٰهِ شَیْئًا وَاِنْ قُطِّعْتَ وَحُرِّقْتَ وَلَا تَتْرُكْ صَلٰوةً مَكْتُوْبَةً مُتَعَمِّدًا فَمَنْ تَرَكَهَا مُتَعَمِّدًا فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ الذِّمَّةُ وَلَا تَشْرِبِ الْخَمْرَ فَاِنَّهٗ مِفْتَاحُ كُلِّ شَرٍّ۔ (رواه ابن ماجة)

حوالہ: ابن ماجہ شریف: ۳۰۱، باب الصبر علی البلاء، کتاب الفتن، حدیث نمبر:۴۰۳۴۔

تـــرجـــمـــہ: حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میرے خلیل (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھ کو وصیت کی: کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ ذرہ برابر شرک نہ کرنا، اگرچہ تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کردئے جائیں، اور تم جلادئے جاؤ، نماز جان بوجھ کر مت چھوڑنا؛ کیونکہ جس شخص نے جان بوجھ کر نماز چھوڑ دی اس سے ذمہ اٹھ گیا، اور شراب مت

پینا، اس لئے کہ وہ ہر برائی کی کنجی ہے۔

تشریح: اس میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کو تین بیش قیمت نصیحتیں کی ہیں۔

(۱)...... شرک ہرگز نہ کرنا، خواہ کچھ بھی ہو جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ مشرک کو قیامت کے دن ہرگز معاف نہیں فرمائیں گے۔

(۲)...... نماز ہرگز نہ ترک کرنا؛ کیونکہ نماز کے ترک کی وجہ سے آدمی کفر کے قریب پہونچ جاتا ہے۔

(۳)...... شراب ہرگز نہ پینا؛ اس وجہ سے کہ شراب پینے کے بعد آدمی بھلے اور برے کے درمیان تمیز کرنے کی صلاحیت کھو دیتا ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ کسی بھی برے عمل کو انجام دینے میں ذرہ برابر شرم و عار محسوس نہیں کرتا۔

بـاللّٰه شيئا: نہ زبان سے شرک کرو، نہ دل سے شرک کرو، مجبوری کی حالت میں جبکہ جان جانے کا خطرہ ہو تو جان بچانے کی خاطر اگرچہ زبان سے کلمہ کفر کہنا جائز ہے؛ لیکن افضل یہی ہے کہ جان دے دی جائے اور زبان سے بھی کلمہ کفر نہ کہا جائے۔

اشکال مع جواب

اشکال: حالت اضطرار میں کلمۂ کفر کہنے کی اجازت ہے، بشرطیکہ دل ایمان پر مطمئن ہو تو پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کو یہ حکم کیوں دیا کہ تم قتل ہو جانا جل جانا لیکن شرک نہ کرنا؟

جواب: (۱)...... یہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کی خصوصیت تھی کہ ان کو حالت اضطرار میں بھی زبان سے کلمۂ کفر کہنے کی اجازت نہیں دی گئی۔

(۲)...... یہاں دل میں عقیدہ کفر قبول کرنے سے منع کیا گیا ہے، اور یہ حالت اضطرار میں بھی جائز نہیں۔

(۳)...... عزیمت یہی ہے کہ جان دے دی جائے اور زبان سے کلمہ کفر نہ کہا جائے، حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کو عزیمت پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

صلوۃ مکتوبۃ: نماز ام العبادات اور برائیوں سے روکنے والی ہے، اس لئے اس کا ترک کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔

متعمدا: غلطی سے، یا بھول کر، یا سونے، یا کسی شرعی ضرورت، یا قدرت نہ ہونے کی بناء پر نماز ترک کیا، تو اس کا حکم وہ نہیں ہے جو حدیث میں مذکور ہے، کیونکہ یہ شخص ایک درجہ میں معذور ہے، اور معذور کی شریعت میں رعایت کی جاتی ہے۔

فقد برئت منہ: تارک صلاۃ عامداً نے اپنا عہد توڑ دیا، لہٰذا دین اس سے بری ہوگیا اور وہ شخص دائرہ اسلام سے خارج ہوگیا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمان بطور تہدید کے ہے، یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ حقیقتاً اسلام سے خارج ہوگیا، یا پھر یہ مطلب ہے کہ نماز چھوڑ دینے کی وجہ سے اسلام کی امان اس سے اٹھ گئی، نماز پڑھنے کی صورت میں جو امن، تحفظ نیز اللہ کی رحمت ونصرت کا وعدہ تھا وہ اب نہیں رہا۔

فانھا مفتاح کل شر: شراب ام الخبائث ہے اور ہر برائی کی جڑ ہے، اس سے آدمی کی عقل زائل ہوجاتی ہے، اس کے بعد اس سے ہر طرح کی برائیاں سرزد ہوتی ہیں، اس وجہ سے شراب کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہر برائی کی کنجی قرار دیا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب المواقیت

اس باب میں اوقات نماز سے متعلق
چھ احادیث بیان کی گئی ہیں۔

رقم الحدیث:......۵۳۵/ تا ۵۴۰/

بســـــم اللّٰہ الرحمن الرحـــــیم

باب المواقیت

نماز کے اوقات کا بیان

مــواقیــت: یہ میقات کی جمع ہے، بمعنی وقت متعین، بعض لوگوں نے کہا کہ میقات اور وقت دونوں مرادف لفظ ہیں، بمعنی زمانہ کی مقدار۔ اور وقت کی 'جمع قلت' اوقات، اور 'جمع کثرت' وقوت آتی ہے، اور بعض نے کہا کہ مطلق زمانہ کو وقت کہا جاتا ہے، اور جس میں کوئی عمل مقرر کیا جائے اس کو میقات کہا جاتا ہے، تمام امت کا اسی پر اجماع ہے کہ ہر نماز کا وقت متعین ہے جس پر آیت قرآنی "ان الصلوٰۃ کانت علی المومنین کتابا موقوتاً" دال ہے۔

اس باب میں نمازوں کے مطلق اوقات اور مستحب اوقات دونوں طرح کے وقتوں کا بیان ہے، احادیث کے ذیل میں تفصیل سے ہر نماز کے حقیقی اور مستحب دونوں طرح کے اوقات کو تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے، اور جن مسئلوں میں ائمہ کا اختلاف ہے ان کو دلائل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، لہٰذا یہاں اعادہ کی قطعاً حاجت نہیں ہے، تین اوقات میں نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔

(۱)......آفتاب نکلنے کے وقت۔

(۲)......استواء شمس کے وقت یعنی ٹھیک دوپہر کے وقت جب سورج بیچ آسمان میں ہوتا ہے۔

(۴)......غروب شمس کے وقت لیکن اگر اس دن کی عصر کی نماز نہیں پڑھی ہے اور سورج غروب ہونے کے وقت پڑھ رہا ہے تو کراہت کے ساتھ نماز ہو جائے گی۔

وقت کی تعیین کی حکمت

اوقات صلوۃ کی حکمت سے متعلق رحمۃ اللہ الواسعہ شرح حجۃ اللہ البالغہ میں بہت قیمتی بحث ہے، تفصیل وہیں دیکھی جائے، مختصراً یہاں ذکر کرتے ہیں۔

دو نمازوں کے بیچ میں فاصلہ نہ تو بہت زیادہ ہونا چاہئے نہ بہت کم، بہت زیادہ فصل کا نقصان یہ ہے کہ نمازوں کی نگہداشت کا حکم بے معنی ہو جائیگا۔ اور سابقہ نماز سے اللہ تعالیٰ کی یاد جو دل میں پیدا ہوئی تھی بندہ اس کو بھول جائیگا، یہ دنیا بھول نگری ہے، کچھ وقت کے بعد آدمی بہت بھول جاتا ہے اور بہت کم فصل ہونے کا نقصان یہ ہے کہ لوگوں کو کاروبار کا وقت نہیں ملے گا، حالانکہ نمازوں کے درمیان میں بھی اسکا کچھ نہ کچھ وقت ملنا چاہئے، اور نمازوں کی حد بندی ایسے معتد بہ وقت کے ذریعہ کرنی چاہئے جو واضح اور محسوس ہو، جس کو عام وخاص لوگ جان سکتے ہیں۔

پس نمازوں کے اوقات کی تشکیل اس طرح کی گئی ہے کہ رات کا وقت آرام کے لئے اور صبح کاروبار کیلئے خالی رکھا گیا، اور زوال کے بعد سے رات چھانے تک کا وقت اولاً دو حصوں میں تقسیم کیا گیا، ایک شام کا وقت یعنی زوال سے سورج غروب ہونے تک کا وقت دوسرا غروب کے بعد سے رات تک کا وقت، پھر ہر ایک کو دو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا، اور ہر حصہ میں ایک نماز رکھی گئی، زوال کے بعد پہلے تین گھنٹوں میں ظہر اور اس کے بعد کے تین گھنٹوں میں عصر، اور غروب کے بعد مغرب پھر اس کے بعد عشاء اور صبح تڑکے فجر کی نماز رکھی گئی، اور آرام وکاروبار کے اوقات کے درمیان میں تہجد اور چاشت کی نمازیں بطور استحباب رکھی گئیں۔ (رحمۃ اللہ الواسعہ: ۲۹۷ تا ۲۹۹، جلد سوم)

سوال وجواب

سوال: نمازیں پانچ مختلف اوقات پر متفرق کیوں کی گئی ہیں؟

جواب: یہ تفریق تخفیفاً ہے کہ اکٹھی سب رکعات میں مشقت تھی، تھوڑی مختلف اوقات میں کردی گئیں تا کہ آسانی ہو۔

اصل مقصود تو سارا وقت ہی عبادت میں لگانا ہے، لیکن کچھ حقیقۃً لگایا گیا اور کچھ حکماً لگایا گیا کہ نماز کے بعد اس کا اثر کچھ دیر باقی رہتا ہے، اور نئی نماز کا انتظار کرتا ہے، اس طرح سے حکماً وہ نماز اور عبادت میں رہتا ہے، گویا سارا وقت اور ساری زندگی ہی عبادت میں گذرتی ہے۔

پھر ان پانچ وقتوں کی تعیین میں کیا حکمتیں ہیں۔

(۱)......فجر حیاۃ الحیوان بعد الموت اور تھکنے کے بعد قوت آنے کا شکر ادا کرنے کے لئے ہے، پھر صبح سے نصف النہار تک جو نعمتیں ملی ہیں ان کا شکر ادا کرنے کے لئے اور زوال کے وقت جو حدیث کے مطابق رحمت کے خصوصی دروازے کھلتے ہیں، ان سے فائدہ اٹھانے کے لئے ظہر کی نماز ہے، اور عصر کی نماز پورے دن کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے لئے ہے، اور مغرب اس لئے ہے کہ دن جو کام کاج کے لئے بنایا تھا اس کا بھی شکر ہو اور جو رات راحت کے لئے بنائی ہے وہ شروع ہوگئی اس کا بھی شکر ہو اور عشاء کا وقت اس لئے مقرر فرمایا گیا ہے کہ دن رات کے سب کام ختم ہونے پر شکر ادا ہو، اور دن اور رات کے سب کاموں کو شکر اور ذکر سے ختم کیا جائے۔

(۲)......دن کے شروع میں فجر درمیان میں ظہر اور اخیر میں عصر رکھ دی گئی، ایسے ہی رات

کے شروع میں مغرب درمیان میں عشاء اور اخیر میں تہجد رکھ دی گئی، عوام کی آسانی کیلئے تہجد خواص کیلئے نفلی عبادت کر دی گئی کہ عوام اس کی پابندی نہ کر سکیں گے۔

(۳)......ان اوقات خمسہ میں فرشتے نازل ہوتے ہیں، اس لئے ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم بھی عبادت کر کے فرشتوں جیسے بن جائیں۔

(۴)......ان پانچ وقتوں میں خاص طور سے دعائیں زیادہ قبول ہوتی ہیں، اس لئے ہمیں یہ اوقات عبادت اور دعاء کے لئے دیئے گئے۔

(۵)...... یہ پانچ وقت انبیاء علیہم السلام کی عبادت کے ہیں، ہم ان وقتوں میں عبادت کر کے انکی مشابہت اختیار کرتے ہیں، اسی لئے شیطان کی پوجا کرنیوالوں کی مشابہت سے بچنے کیلئے اوقات مکروہہ میں عبادت کرنے سے روک دیا گیا ہے۔(الخیر البخاری)

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

شیخ المشائخ حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی قدس سرہ تقریر بخاری شریف میں فرماتے ہیں:

''اب یہاں ایک بات اور سنو! اللہ تعالیٰ کے احکام میں کوئی نہ کوئی حکمت علمائے صوفیہ نے اپنے ذوق کے مطابق بیان فرمائی ہے، اور اس کے اندر مختلف رسائل تصنیف کئے ہیں، جواب نہیں ملتے ،صرف حضرت اقدس حکیم الامت تھانویؒ کا ایک رسالہ ''**المصالح العقلیة فی الاحکام النقلیة**'' ملتا ہے، اب یہاں سے کچھ مصالح بیان کروں گا، یہ ضروری نہیں کہ وہ بھی اس رسالہ میں ہوں، مثلاً نماز ہے، فجر سے لے کر ظہر تک درمیان میں کوئی نماز نہیں آتی اور پھر عشاء تک دمادم نمازیں آتی ہیں، مشائخ سلوک نے اس ترتیب کی متعدد وجوہ وحکم بیان فرمائی ہیں، جن میں سے دو کو میں یہاں بیان کرتا ہوں، اول یہ کہ ان اوقات کے

اندر اللہ تعالیٰ نے یہ خاص ترتیب رکھ کر دو باتوں کی طرف تنبیہ فرمائی ہے، ایک شکر کے ادا کرنے پر، دوسرے متنبہ کیا ہے، عمر کے ڈھلنے پر، صلوۃ فجر چونکہ سونے کے بعد ادا کی جاتی ہے، اور نوم اخوالموت ہے، تو سونے کے بعد بیدار ہونے پر اس کو فرض فرما کر اشارہ فرمادیا، کہ جس طرح سورج غروب ہو کر طلوع ہوا ہے، اسی طرح تمہاری زندگی کا آفتاب غروب ہو کر دوبارہ طلوع ہوا ہے، لہٰذا تم کو چاہئے کہ اس کے شکرانے میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔

چاہئے تو یہ تھا کہ جب طلوع شمس اشارہ ہے، طلوع حیات کی طرف تو طلوع شمس کے بعد نماز پڑھی جائے، مگر اہتماماً اور وقت کراہت سے بچنے کے لئے طلوع سے پہلے مقدم فرمادی، اب چونکہ دوبارہ پیدائش ہوئی ہے، اور قاعدہ ہے کہ ولادت کے کچھ ایام صباء اور شباب کے گذرتے ہیں تو نصف دن تو صباء اور شباب کا ہوگا، اور سورج ڈھلنے کے بعد جیسے دن کے شباب کو زوال آجاتا ہے اور طفولیت وشباب کے اوقات ختم ہوجاتے ہیں، تو یہ اشارہ ہے کہ عمر ڈھلنے کے بعد جیسے دن کے شباب کو زوال آجاتا ہے، اور طفولیت وشباب کے اوقات ختم ہوجاتے ہیں، تو یہ اشارہ ہے کہ عمر ڈھلنے والی ہے، لہٰذا تیاری کرو تو اب اس کے لئے تیاری کی گئی اور تیاری کے واسطے دمادم یکے بعد دیگرے نمازیں فرض فرمادیں۔

عصر قرب موت پر تنبیہ ہے، جو بڑھاپا ہے، اور مغرب کے وقت سورج غروب ہوجاتا ہے، یہ اشارہ ہے استحضار موت کی طرف کہ جیسے سورج غروب ہوگیا تمہارا آفتاب حیات بھی عنقریب غروب ہوجائے گا، اور عشاء کی نماز دوسری تنبیہ ہے کہ تیاری کرلو کوئی بھی یاد نہیں کرتا، دو چار دن زیادہ سے زیادہ ذکر تذکرہ رہتا ہے، اس کے بعد سب بھول جاتے ہیں، اور جب تک اس کے اثرات رہتے ہیں، اس وقت تک رہتا ہے، جیسے شفق عشاء تک باقی رہتی ہے، اور سورج کے اثرات اس کے بقا تک رہتے ہیں، تو زوال کے بعد سے دو نمازیں تو تنبیہ ہیں کہ کچھ کرلو اور دو نتیجہ ہیں کہ یہ انجام ہونے والا ہے، یہ بھی اچھی توجیہ ہے۔

اور دوسری اس سے بھی اچھی ہے، اور لطیف ہے، لطیف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس سے بہت سے مسائل واضح ہو جاتے ہیں، وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے: "**وما خلقت الجن و الانس الا لیعبدون ماارید منھم من رزق وما ارید ان یطعمون ان اللہ ھو الرزاق ذو القوۃ المتین**" اور فرماتے ہیں: "**وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقھا**" اللہ تعالیٰ نے اس آیت شریفہ کے اندر انسان کی تخلیق کی غرض بتلائی کہ انسان کو صرف اس لئے پیدا کیا گیا ہے کہ اس کو اپنے مالک کی عبادت کے واسطے پیدا فرمایا ہے، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی کا کوئی غلام ہو تو اس غلام کو ہرگز مناسب نہیں کہ وہ اپنے مولا کی خدمت سے غافل ہو تو جب جناب باری تعالیٰ نے انسانوں کو عبادت کے واسطے پیدا فرمایا ہے، تو اب ان کو اختیار نہیں ہے کہ کسی آن بھی ذکر اللہ سے غافل ہوں، اور اس کے ساتھ ساتھ کہ ہم کو پیدا فرمایا، ہمیں بے شمار نعمتوں سے نوازا، منجملہ ان کے انسان کا سانس ہے، وہ اللہ کی قدرت میں ہے، اگر وہ روک لیں تو ہزاروں اطباء و معالجین بھی ایک طرف ہو کر سانس نہیں جاری کرا سکتے، یہ ایک ایسی نعمت ہے کہ اس میں امیر غریب صغیر و کبیر سب ہی شریک ہیں، اسی طرح ناک، کان آنکھ ہاتھ پاؤں عطا فرما رکھے ہیں، اس میں سب شریک ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت عامہ ہے، اور کوئی ایسی شئی نہیں جو ان نعمتوں کا مقابلہ کرے تو اگر کسی کے اندر ذرا بھی بوئے انسانیت ہو اور کچھ بھی شرافت ہو تو ان انعامات و اکرامات کے بعد ایک آن بھی مالک کی عبادت سے غافل نہ رہے، لیکن اللہ تعالیٰ کریم ہے، اکرم الکرماء ہے، اس کا مطالبہ نہیں فرمایا اور اس کا مکلف نہیں بنایا کہ ہمہ وقت مشغول رہو، بلکہ ہمارے ضعف کا لحاظ کرتے ہوئے اور ہماری ضرورتوں اور مشاغل پر نظر کریمانہ رکھتے ہوئے یہ فرمایا کہ نصف وقت میرا ہے، اور نصف تمہاری ضرورتوں کے پورا ہونے کے لئے ہے، اور پھر اس نصفا نصفی میں بھی شان کریمی کا لحاظ رکھا اور ایسا نہیں فرمایا کہ احد الملوین کو اپنے لئے خاص فرما لیتے اور احد الملوین بندوں کو عطا فرما دیتے،

بلکہ ہر ایک ملوین کا نصف اپنے لئے رکھا، اور نصف بندوں کے لئے، کیونکہ بندوں کی بہت سی ضروریات ایسی ہیں جو دن میں پوری ہوتی ہیں اور بہت سی ایسی ہیں جو رات میں پوری ہوتی ہیں، اب یہاں اصول کا ایک مسئلہ ہاتھ آ گیا کہ اصل عبادات کے اندر تو یہ ہے کہ سارا وقت محیط ہو اور یہی عزیمت ہے، مگر اللہ تعالیٰ کی شان کریمی ہے کہ اس نے ہمیں رخصت دیدی اور سارے وقت کے احاطہ کو ہم پر فرض قرار نہیں دیا بلکہ ان اوقات خمسہ کے اندر چند معدود رکعات فرض فرمادیں، اور باقی وقت لوگوں کے اختیار پر چھوڑ دیا اور چونکہ قاعدہ ہے بالخصوص اللہ تعالیٰ شانہ کا قاعدہ ہے کہ اگر اعمالنامہ میں ابتداء وانتہاء عبادت آ جائے تو درمیان میں جوزلات بھی معرض وجود میں آئی ہیں ان کو حق تعالیٰ شانہ معاف فرماتے ہیں، یہی ایک وجہ منجملہ اور وجوہ کے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث 'نهى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن النوم قبلها و الحديث بعدها' میں ہے، کہ عشاء کی نماز کے بارے میں عشاء کے بعد بات چیت کا نہ ہونا تا کہ عبادت صحیفہ کے اخیر میں ہو اور اسی واسطے فرماتے ہیں کہ دعا کے اول و آخر میں حمد وثنا باعث قبولیت دعاء ہے، اسی واسطے یہ بھی ہے کہ اگر بچہ "لا اله الا الله" اولاً کہے اور پھر اخیر میں "لا الــــه الا الله" کہے اور مر جائے تو درمیان کی ساری لغزشیں ستر مغفرت میں آ جائیں گی، اور اسی واسطے ظہر کی نماز میں تعجیل ہے، اور عصر کے اندر تاخیر ہے اولیٰ ہے، تا کہ صحیفہ کی ابتداء اور انتہاء دونوں عبادت پر ہوں اور یہی وجہ ہے کہ مغرب کی نماز میں تعجیل اولیٰ ہے، اور عشاء کے اندر تاخیر، اور باوجود اسکے کہ اللہ تعالیٰ نے رخصت دیدی ہے لیکن سعداء یہ چاہتے ہیں کہ سارے اوقات اللہ تعالیٰ کی عبادت ہی میں صرف ہوں، لہٰذا اس کی صورت یہ فرمائی کہ ظہر کے مقابلہ میں چاشت اور عصر کے مقابلہ میں اشراق رکھدی، یہی وجہ ہے کہ اشراق کا وقت اولیٰ عصر کا وقت ہے، اور چاشت کا وقت اولیٰ ظہر کا اولیٰ ہے، اور یہی محمل ہے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت کا جو شمائل کے اندر ہے کہ ان سے سوال کیا گیا کہ کیا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم اسکے علاوہ بھی نماز پڑھا کرتے تھے؟

تو فرمایا ہاں ایک اس وقت پڑھتے تھے جب سورج مشرق میں اتنی اونچائی پر ہوتا تھا جتنا کہ ظہر کے وقت مغرب میں ہوتا ہے، اور ایک اس وقت پڑھتے تھے جب کہ سورج مشرق میں اتنا اونچا ہوتا تھا جتنا کہ مغرب میں بوقت عصر ہوتا ہے، اور مغرب وعشاء کے مقابل میں تہجد بارہ رکعات رکھ دیں کہ ثلث رات تک عشاء مستحب ہے، اور آخیر ثلث شب سے تہجد کا وقت اولیٰ ہے، نیز نزول باری کا وقت ہے۔ (تقریر بخاری شریف اردو: ۲/۳۵۵)

﴿الفصل الاول﴾

اوقات صلوۃ کی تعیین

﴿۵۳۵﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَقْتُ الظُّهْرِ اِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ وَكَانَ ظِلُّ الرَّجُلِ كَطُوْلِهٖ مَالَمْ يَحْضُرِ الْعَصْرُ وَوَقْتُ الْعَصْرِ مَالَمْ تَصْفَرَّ الشَّمْسُ وَوَقْتُ صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ مَالَمْ يَغِبِ الشَّفَقُ وَوَقْتُ صَلَاةِ الْعِشَاءِ اِلٰی نِصْفِ اللَّيْلِ الْاَوْسَطِ وَوَقْتُ صَلَاةِ الصُّبْحِ مِنْ طُلُوْعِ الْفَجْرِ مَالَمْ تَطْلُعِ الشَّمْسُ فَاِذَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ فَاَمْسِكْ عَنِ الصَّلٰوةِ فَاِنَّهَا تَطْلُعُ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۲۲۳/ ۱، باب اوقات الصلوات الخمس، کتاب المساجد، ومواضع الصلوۃ، حدیث نمبر: ۶۱۲۔

حل لغات: اَلْقَرْنُ، سینگ، انسان اور شیطان کے سر کا کنارہ، ج:قرون.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ظہر کا وقت زوال شمس کے بعد ہے اور تب تک رہتا ہے، جب تک کہ آدمی کا سایہ اس کے طول کے برابر نہ ہو جائے اور جب تک کہ عصر کا وقت نہ آ جائے، عصر کا وقت اس وقت تک ہے جب تک کہ آفتاب زرد نہ ہو جائے، اور مغرب کی نماز کا وقت اس وقت تک ہے جب تک کہ شفق غائب نہ ہو جائے، اور نماز عشاء کا وقت ٹھیک آدھی رات تک ہے، اور نماز فجر کا وقت طلوع فجر سے شروع ہوتا ہے اور جب تک کہ سورج نہ نکل آئے فجر کا وقت رہتا ہے، اور جب سورج نکل آئے تو نماز سے باز رہو، کیونکہ سورج شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان نکلتا ہے۔

تشریح: وقت الظھر: یہاں سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ظہر کے وقت کو بیان کر رہے ہیں۔

وقت ظہر کو اول ذکر کرنے کی وجہ

سوال: دن بھر میں پانچ نمازیں فرض ہیں، ان میں ترتیب کے اعتبار سے سب سے پہلا نمبر **''نماز فجر''** کا ہے، تو پھر اوقاتِ صلوٰۃ کے بیان میں سب سے پہلے **''ظہر''** کو کیوں ذکر کیا گیا ہے؟

جواب: حضرت جبرئیل علیہ السلام جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس نماز کے اوقات بتانے کی غرض سے تشریف لائے، تو سب سے پہلے ظہر کی نماز پڑھائی، اسی بنا پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ظہر کا تذکرہ سب سے پہلے فرمایا ہے۔ باقی اس کی وجہ کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام وقت ظہر سے امامت کیوں شروع فرمائی،

آگے امامت جبرئیل علیہ السلام کی حدیث کے ذیل میں آ رہی ہے۔ان شاءاللہ۔

وقت ظہر اور اختلاف ائمہ

اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ وقت ظہر کی ابتدا زوال شمس کے معاً بعد ہے، البتہ انتہائے وقت ظہر میں فقہاء کا اختلاف ہے۔اور یہ اختلاف دو طرح کا ہے۔

(۱)......ظہر اور عصر کے درمیان وقت مشترک ہے یا نہیں؟

(۲)......ظہر کا انتہائے وقت مثل اول ہے یا مثلین؟ دونوں مسئلوں کو ترتیب وار ذکر کیا جاتا ہے۔

مسئلہ اولیٰ کی وضاحت

امام مالکؒ کا مذہب: مثل اول کے بعد چار رکعت کے بقدر وقت ظہر اور عصر کے درمیان مشترک ہے، اس وقت میں اگر ظہر کی نماز ادا کی جائے تو وہ ادا شمار ہوگی، قضاء نہیں ہوگی، اور اسی وقت میں اگر عصر ادا کی جائے تو عصر کی نماز کی ادائیگی بھی درست ہوگی۔

دلیل: امامت جبرئیل والی حدیث امام مالکؒ کی دلیل ہے۔کیونکہ اس میں پہلے دن کی عصر کے بارے میں یہ لفظ ہیں: ''**حین صار ظل کل شیء مثله**'' اور دوسرے دن کی ظہر کے بارے میں بھی یہی لفظ ہیں، ''**حین کان ظله مثله**'' اس سے معلوم ہوا کہ پہلے دن کی عصر اور دوسرے دن کی ظہر ایک ہی وقت میں ادا ہوئی۔

جمہور کا مذہب: جمہور علماء فقہاء کے نزدیک ظہر اور عصر کے درمیان وقت مشترک نہیں ہے۔

دلیل: جمہور کی دلیل حدیث باب ہے، اس میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

صراحت کے ساتھ فرمایا:"مالم یحضر العصر" یعنی ظہر کا وقت اسی وقت ختم ہوتا ہے جب عصر کا وقت شروع ہوتا ہے، ظہر کے وقت کا ختم ہونا عصر کے وقت کے شروع ہونے پر موقوف ہے، لہٰذا دونوں کے درمیان وقت مشترک ہونا ناممکن ہے۔

مالکیہ کی دلیل کا جواب: امام مالکؒ نے جو حدیث جبرئیل پیش کی ہے، وہ بعد کی ان احادیث سے منسوخ ہے، جن میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تفصیل کے ساتھ اوقات صلوۃ کا ذکر فرمایا ہے، یا پھر اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ پہلے دن کی عصر کی ابتداء مثل اول پر ہوئی اور دوسرے دن کی ظہر کی انتہاء مثل اول پر ہوئی یعنی مثل اول کے قریب ہوئی۔

مسئلہ ثانیہ کی وضاحت

امام ابو حنیفہؒ کا مذہب: امام صاحبؒ کی مشہور اور ظاہر روایت کے مطابق ظہر کا وقت مثلین تک ہے اور عصر کا وقت مثلین کے بعد شروع ہوتا ہے۔

دلیل: "اذا اشتد الحر فابردوا بالصلوۃ" عرب میں "ابراد" مثل اول کے بعد ہوتا ہے، معلوم ہوا کہ ظہر کا وقت مثل اول کے بعد بھی رہتا ہے۔

جمہور کا مذہب: ائمہ ثلاثہؒ اور صاحبینؒ کے نزدیک ظہر کا وقت ایک مثل تک باقی رہتا ہے، ایک مثل کے بعد عصر کا وقت شروع ہوجاتا ہے۔

جمہور کی دلیل: ان حضرات کی دلیل حدیث باب ہے، جس میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:"وقت الظهر اذا زالت الشمس وكان ظل الرجل كطوله مالم يحضر العصر" اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مثل اول پر ظہر کا وقت ختم ہوجاتا ہے۔

جواب: حدیث باب اس جزء میں منسوخ ہے، یا پھر بیانِ اولویت پر محمول ہے، ناسخ "ابراد" والی روایات ہیں۔

طریقۂ احوط

احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ ظہر کی نماز ایک مثل سایہ ہونے سے پہلے ادا کر لی جائے اور عصر مثلین کے بعد پڑھی جائے تاکہ نماز بالاجماع ہو جائے۔(البحر الرائق:۱/۲۴۵)

وقت العصر: یہاں سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عصر کے وقت کی وضاحت فرمارہے ہیں۔

وقت عصر اور مذاہب ائمہ

ابتدائے وقت میں وہی اختلاف ہے، جو انتہائے وقت ظہر میں ہے، ائمہ ثلاثہ وغیرہ کے نزدیک مثل اول کے بعد عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے، جب کہ امام اعظمؒ کے نزدیک مثلین کے بعد وقت عصر شروع ہوتا ہے، ابتداء عصر کا اختلاف انتہائے ظہر پر موقوف ہے، اور انتہائے ظہر کے متعلق دلائل گذر چکے ہیں؛ لہذا اعادہ کی کوئی حاجت نہیں ہے، البتہ انتہائے عصر کے وقت میں کچھ اختلاف ہے۔

جمہور کا مذہب: انتہائے عصر جمہور کے نزدیک غروب شمس پر ہے؛ البتہ اصفرار شمس سے پہلے تک وقت مستحب ہے، پھر جائز مع الکراہت ہے؛ مگر فی نفسہ سارا وقت جواز کے حکم میں ہے۔

دلیل: (۱)......"ومن ادرک رکعة من العصر قبل ان تغرب الشمس فقد ادرک العصر" (۲)......وقت العصر مالم تغرب الشمس"

حسن بن زیادؒ کا مذہب: عصر کا وقت اصفرار شمس پر ختم ہو جاتا ہے، اس مذہب کی نسبت امام شافعیؒ کی طرف بھی کی جاتی ہے۔

دلیل: ان حضرات کا استدلال وہ روایات ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "وقت العصر مالم تصفر الشمس"

جواب: یہ روایات استحباب پر محمول ہیں، یعنی عصر کا مستحب وقت یہ ہے کہ نماز عصر اصفرار شمس سے پہلے ادا کر لی جائے، اگر چہ اس کا حقیقی وقت کہ جس میں نماز ادا کرنے کی گنجائش رہتی ہے، غروب شمس تک ہے۔

وقت صلوۃ المغرب: یہاں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کی نماز کے وقت کو بیان فرما رہے ہیں۔

وقت مغرب اور اختلاف ائمہ

مغرب کے وقت کی ابتداء بالاتفاق غروب شمس کے معاً بعد ہے، لیکن مغرب کے انتہاء وقت کے بارے میں دو طرح کا اختلاف ہے، جس کی بنا پر یہاں دو مسئلے وضاحت طلب ہیں۔

مسئلہ اولیٰ کی وضاحت

مغرب کی نماز کا وقت وسیع ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔

جمہور کا مذہب: مغرب کا وقت غروب شفق تک وسیع ہے۔

دلیل: (۱)......حدیث باب ہے، اس میں صاف طور پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "مالم یغیب الشفق"

(۲)......حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے: "وصلی المغرب قبل ان یغیب

الشفق"

امام شافعیؒ کا مذہب: امام شافعیؒ وامام مالکؒ کے نزدیک ایک قول کے مطابق مغرب کا وقت صرف وضو اور تین یا پانچ رکعت کے بقدر ہے، اس کے بعد مغرب قضا ہو جائے گی، تو گویا ان کے یہاں مغرب کا وقت ضیق ہوا۔

دلیل: ان حضرات کی دلیل امامت جبرئیل علیہ السلام والی حدیث ہے، کیونکہ اس میں دونوں دنوں میں ایک ہی وقت میں نماز مغرب پڑھائی گئی، حالانکہ حضرت جبرئیل علیہ السلام دوسرے دن انتہائے وقت کو بیان کرنے کے لئے آئے تھے، معلوم ہوا کہ مغرب کا وقت وسیع نہیں ہے۔

جواب: (۱)......حدیث جبرئیل علیہ السلام منسوخ ہے۔
(۲)...... یہ افضل پر محمول ہے۔

مسئلہ ثانیہ کی وضاحت

مغرب کا وقت غروب شفق تک ہے؛ لیکن پھر شفق کی تفسیر میں دو مذاہب ہیں۔

امام صاحبؒ کا مذہب: امام صاحب کے نزدیک شفق سے شفق ابیض مراد ہے، جو کہ غروب شفق احمر کے بعد افق پر پھیلتی ہے۔

دلیل: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: "**ثم اذن العشاء حین ذھب بیاض النھار وھو الشفق ثم امرہ فاقام الصلوٰۃ فصلی**" اس روایت میں اس بات کی صراحت ہے کہ شفق سے سفیدی مراد ہے، اسی کو شفق ابیض کہتے ہیں۔

جمہور کا مذہب: ائمہ ثلاثہ اور صاحبینؒ کے نزدیک شفق سے شفق احمر مراد ہے، جو غروب شمس کے بعد افق پر پھیلتی ہے۔

دلیل: عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "الشفق الحمرۃ فاذا غاب الشفق وجبت الصلوۃ" اس روایت میں صراحت ہے کہ شفق سے شفق احمر مراد ہے۔

جواب: یہ حدیث عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر موقوف ہے، لہٰذا اس کو مرفوع روایت کے مقابلہ میں پیش کر کے اس سے استدلال درست نہیں ہے۔ (فتح القدیر: ۱۹٦)

طریقۂ احوط

چونکہ ائمہ ثلاثہؒ اور صاحبینؒ کے نزدیک شفق سے شفق احمر مراد ہے، اس لئے اختلاف ائمہ سے بچنے کے لئے احتیاط اس میں ہے کہ مغرب کو شفق احمر کے غروب سے پہلے ادا کر لیا جائے، اور عشاء کو شفق ابیض کے غائب ہونے کے بعد ادا کیا جائے۔

وقت صلوۃ العشاء: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہاں سے عشاء کے وقت کی وضاحت فرما رہے ہیں۔

وقت عشاء اور مذاہب ائمہ

ابتدائے وقت عشاء میں وہی اختلاف ہے جس کی تفصیل انتہائے وقت مغرب کے تحت گذر چکی، امام صاحبؒ کے نزدیک شفق ابیض کے غائب ہونے کے بعد وقت عشاء شروع ہوتا ہے، دیگر ائمہ کے نزدیک شفق احمر کے غروب ہونے کے بعد وقت عشاء کی ابتداء ہو جاتی ہے، انتہائے وقت عشاء میں بھی کچھ اختلاف ہے۔

امام صاحب کا مذہب: امام صاحبؒ کے نزدیک وقت عشاء صبح صادق کے طلوع تک ہے۔

دلیل: (۱)......حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا: "**قالت اعتم النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذات لیلۃ حتی ذھب عامۃ اللیل وحتی نام اھل المسجد ثم خرج فصلی بھم**" (مسلم)

(۲)......حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حضرت عبید بن جریج نے پوچھا: "**ما افراط حد صلوٰۃ العشاء**" جواب دیا: "**طلوع الفجر**" (طحاوی) ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عشاء کا وقت طلوع فجر تک باقی رہتا ہے، البتہ ثلث لیل تک کی تاخیر مستحب ہے، اور نصف لیل تک کی تاخیر جائز بلا کراہت ہے، اور طلوع فجر تک تاخیر جائز مع الکراہت ہے۔

امام شافعیؒ کا مذہب: امام شافعی کے ایک قول میں عشاء کا وقت نصف لیل تک اور ایک قول کے مطابق ثلث لیل تک ہے۔

دلیل: ثلث لیل کی دلیل حدیث جبرئیل علیہ السلام ہے، جس میں یہ الفاظ ہیں: "**وصلی بی العشاء الی ثلث اللیل**" نصف لیل کی دلیل ترمذی کی روایت ہے، جس کے الفاظ ہیں: "**وانَّ آخر وقتھا حین ینتصف اللیل**"

جواب: ثلث لیل پر دلالت کرنے والی روایت میں وقت استحباب کا بیان ہے، اور نصف لیل کو عشاء کا آخیر وقت بتانے والی روایات کا مطلب یہ ہے کہ بلا کراہت عشاء کی نماز کا آخیر وقت نصف لیل تک ہے اور اس کے بعد عشاء کی نماز کا وقت ہے لیکن کراہت کے ساتھ ہے اس توجیہ کے بعد یہ روایت ہمارے مخالف نہ ہوں گی، بلکہ ہمارے موافق ہوں گی۔

وقت صلوٰۃ الصبح: یہاں سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فجر کے وقت کی وضاحت فرمارہے ہیں۔

وقت فجر اور مذاہب ائمہ

بعض لوگ نقل کرتے ہیں کہ وقت فجر بالاتفاق طلوع صبح صادق سے شروع ہوکر طلوع شمس تک رہتا ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، لیکن کچھ لوگ تھوڑا سا اختلاف نقل کرتے ہیں۔

امام صاحبؒ کا مذہب: امام صاحبؒ کے نزدیک انتہائے وقت فجر طلوع شمس تک ہے۔

دلیل: (۱)...... حدیث باب ہے، جس میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

"وقت صلوة الصبح من طلوع الفجر مالم تطلع الشمس الخ"

(۲)...... **"من ادرک رکعة من الصبح قبل ان تطلع الشمس فقد ادرک الصبح"** ان احادیث سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ فجر کی نماز کا وقت طلوع شمس تک ہے۔

امام شافعیؒ کا مذہب: ایک قول کے مطابق امام شافعیؒ کے نزدیک فجر کا وقت اسفار تک ہے۔

دلیل: حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دوسرے دن نماز اسفار تک پڑھائی، حدیث کے الفاظ ہیں: **"وصلی بی الفجر فاسفر"** اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کی دوسرے دن آمد کا مقصد انتہائے وقت کا بیان تھا، معلوم ہوا کہ اسفار کے بعد نماز فجر درست نہیں ہے۔

جواب: (۱)...... یہ افضل وقت پر محمول ہے۔

(۲)...... یہ حدث منسوخ ہے۔

فانها تطلع بین قرنی الشیطان: اس جملے کی مختلف تشریحات کی گئی ہیں۔

قرنین سے کیا مراد ہے؟

اس میں مختلف اقوال ہیں:

(۱)...... شیطان کی دو جماعتیں یا دو لشکر مراد ہیں، جن کو شیطان طلوع وغروب کے وقت لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے بھیجتا ہے۔ اور وہ دونوں جماعتیں طلوع وغروب کے وقت مشرق ومغرب میں جا کر کھڑی ہو جاتی ہیں۔

(۲)...... شیطان کو دو سینگ والے جانور کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔

(۳)...... ایک خاص شیطان مراد ہے، جس کے دو سینگ ہوتے ہیں۔

(۴)...... یہ حدیث حقیقت پر محمول ہے، اور طلوع شمس اور غروب شمس کے وقت خود شیطان سورج کے پاس جا کر کھڑا ہو جاتا ہے، کیونکہ سورج کی پوجا کرنے والے ان اوقات میں سورج کی پوجا کرتے ہیں، سورج کے ساتھ شیطان اپنا سجدہ کروا کر خوش ہوتا ہے، اس لئے کہ وہ اپنے معتقدین کو یہ تاثر دیتا ہے کہ یہ سب مجھ کو سجدہ کر رہے ہیں، اس وجہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان اوقات میں نماز پڑھنے کی ممانعت فرمائی تاکہ عبادین شمس کے ساتھ شبہ نہ ہو جائے، اور شیطان کو بھی اپنے نفس کو فریب دینے کا موقعہ نہ ملے، علامہ طیبیؒ نے آخری قول کو مختار قرار دیا ہے۔ (طیبی: ۲/۱۶۰)

پنج وقتہ نمازوں کے اوقات

﴿۵۳۶﴾ وَعَنْ بُرَیْدَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ اِنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ وَقْتِ الصَّلٰوۃِ فَقَالَ لَہٗ صَلِّ مَعَنَا ھٰذَیْنِ یَعْنِی الْیَوْمَیْنِ فَلَمَّا زَالَتِ الشَّمْسُ اَمَرَ بِلَالًا فَاَذَّنَ ثُمَّ اَمَرَہٗ فَاَقَامَ الظُّھْرَ ثُمَّ اَمَرَہٗ فَاَقَامَ الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَۃٌ بَیْضَاءُ نَقِیَّۃٌ ثُمَّ اَمَرَہٗ فَاَقَامَ الْمَغْرِبَ حِیْنَ غَابَتِ الشَّمْسُ ثُمَّ اَمَرَہٗ فَاَقَامَ الْعِشَاءَ حِیْنَ غَابَ الشَّفَقُ ثُمَّ اَمَرَہٗ فَاَقَامَ الْفَجْرَ حِیْنَ طَلَعَ الْفَجْرُ فَلَمَّا اَنْ کَانَ الْیَوْمُ الثَّانِیْ اَمَرَہٗ فَاَبْرِدْ بِالظُّھْرِ فَاَبْرَدَ بِھَا فَاَنْعَمَ اَنْ یُبْرِدَ بِھَا وَصَلَّی الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَۃٌ اٰخِرَھَا فَوْقَ الَّذِیْ کَانَ وَصَلَّی الْمَغْرِبَ قَبْلَ اَنْ یَغِیْبَ الشَّفَقُ وَصَلَّی الْعِشَاءَ بَعْدَ مَا ذَھَبَ ثُلُثُ اللَّیْلِ وَصَلَّی الْفَجْرَ فَاَسْفَرَ بِھَا ثُمَّ قَالَ اَیْنَ السَّائِلُ عَنْ وَقْتِ الصَّلٰوۃِ فَقَالَ الرَّجُلُ اَنَا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! قَالَ وَقْتُ صَلٰوتِکُمْ بَیْنَ مَارَأَیْتُمْ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۲۲۳/ ۱، باب اوقات الصلوات الخمس، کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ، حدیث نمبر: ۶۱۳۔

ترجمہ: حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایک شخص نے نماز کے وقت کے بارے میں دریافت کیا، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تم ان دو دنوں میں ہمارے ساتھ نمازیں پڑھو، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جونہی سورج ڈھلا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا، چنانچہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

ان کو حکم دیا، چنانچہ انہوں نے ظہر کی تکبیر کہی، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو (حضرت بلال رضی اللہ عنہ) حکم دیا اور انہوں نے عصر کی نماز کھڑی کی، درانحالیکہ سورج اس وقت بلند صاف چمکدار تھا، پھر جیسے ہی سورج غروب ہوا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا اور انہوں نے مغرب کی نماز کے لئے اقامت کہی، پھر شفق کے غائب ہوتے ہی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا چنانچہ انہوں نے عشاء کی نماز کے لئے اقامت کہی، اور پھر جب کہ فجر طلوع ہوئی، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا؛ چنانچہ انہوں نے فجر کی نماز کے لئے اقامت کہی، پھر جب دوسرا دن آیا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ ظہر کو ٹھنڈا کریں، چنانچہ انہوں نے ظہر کو ٹھنڈا کیا اور بہت ٹھنڈا کیا، پھر عصر کی نماز اس وقت پڑھی جب کہ سورج بلند تھا، عصر کی نماز اس سے بھی زیادہ دیر کر کے پڑھی جتنی دیر کر کے کل پڑھی تھی، اور مغرب کی نماز شفق غائب ہونے سے پہلے پڑھی، اور عشاء کی نماز تہائی رات گذرنے کے بعد پڑھی، اور فجر کی نماز پڑھی، اس وقت صبح صادق کی روشنی خوب پھیل گئی تھی، اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: نماز کے وقت کے بارے میں دریافت کرنے والا کہاں ہے، وہ شخص بولا اے اللہ کے رسول میں حاضر ہوں، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تمہاری نماز کا وقت اس کے درمیان ہے جو تم نے دیکھا ہے۔

تشریح: ایک سائل نے نماز کے اوقات کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عملی طور پر اس کو نماز کے اوقات کی تفصیل بتائی، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک دن ہر نماز کو اس کے شروع وقت میں اور دوسرے دن ہر نماز کو اس کے آخیر وقت میں ادا کیا، اس کے بعد سائل کو بتایا کہ دیکھو شروع اور آخیر کے درمیان جو وقت ہے اس پورے وقت میں تم نماز ادا کر سکتے

ہو، اور یہی ہر نماز کا مستحب وقت ہے۔

سوال وجواب

سوال: حدیث پاک میں صرف ظہر کے وقت اذان کا ذکر آیا ہے، عصر کی نماز اسی طرح دیگر نمازوں کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کا حکم کیوں نہیں دیا؟

جواب: اس کی وجہ یہ ہے کہ جب پہلی مرتبہ اذان کا ذکر آ گیا، تو بعد کی نمازوں میں اذان خود بخود شامل ہوگئی، اسی بناء پر ہر نماز کے ساتھ صراحتاً اذان کا ذکر نہیں کیا۔

بیضاء: عصر کی نماز کے وقت سورج بالکل سفید تھا، زردی اس میں نہیں تھی۔

اخرها فوق الذی کان: عصر کی نماز پہلے دن جتنی تاخیر کر کے پڑھی تھی دوسرے دن اس سے زیادہ تاخیر کر کے پڑھی، یعنی جب ہر چیز کا سایہ دو مثل ہوگیا اس کے بعد نماز پڑھی۔

وصلی المغرب قبل ان یغیب: مغرب کی نماز کو اس کے آخیر وقت میں پڑھا، یہ حدیث امام مالکؒ وشافعیؒ کے خلاف حجت ہے، جو کہتے ہیں مغرب کا وقت تنگ ہے وسیع نہیں ہے۔

وصلی العشاء: ثلث لیل گذرنے کے بعد عشاء کی نماز ادا کی، عشاء کا انتہائے وقت اگر چہ صبح صادق تک ہے، لیکن مستحب وقت ثلث لیل ہے، اور نصف رات تک جائز بلا کراہت ہے، اس کے بعد سے صبح صادق تک جائز مع الکراہت ہے، اگر آخیر رات میں عشاء کی نماز ادا کی جائے اور درمیان میں سویا نہ جائے تو تمام رات جاگنے کی وجہ سے مشقت میں پڑنا لازم آئے گا، اور اگر کچھ دیر سونے کے بعد نماز ادا کی جائے تو عشاء کی نماز

سے پہلے سونے کی کراہت لازم آئے گی، اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دوسرے دن ثلث رات کے فوراً بعد نماز پڑھ لی، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ثلث رات کے بعد عشاء کا وقت نہیں رہتا۔

وصلى الفجر فاسفر: دوسرے دن کی فجر اسفار میں واقع ہوئی۔

وقت صلوتکم بین مار أیتم: ان الفاظ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ تم لوگوں نے میرے ساتھ شروع و آخیر وقت میں دو دن نمازیں پڑھیں، اس سے تم کو ہر نماز کا اول و آخیر وقت معلوم ہوگیا، جو درمیانی وقت ہے، اس میں بھی تم نماز پڑھ سکتے ہو، لیکن یہ بات ذہن میں رہے کہ اس حدیث میں جو آخیر وقت ہے اس سے وقت مستحب کا آخیر مراد ہے، وقت جواز کا آخیر مراد نہیں، اس وجہ سے کہ ظہر کی نماز ابرادتام کے بعد جب تک کہ عصر کا وقت نہ آجائے جائز ہے، دوسرے دن کی عصر کی نماز میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس قدر تاخیر فرمائی تھی اس سے بھی زیادہ تاخیر کی گنجائش ہے، اس لئے کہ سورج غروب ہونے تک عصر کا وقت جواز ہے، اور مغرب کا وقت جواز اس وقت تک ہے جب تک کہ شفق غائب نہ ہوجائے اور عشاء کا وقت جواز اس وقت تک ہے جب تک کہ فجر طلوع نہ ہوجائے، یعنی صبح صادق تک ہے، اور فجر کا وقت اس وقت تک ہے جب تک کہ سورج طلوع نہ ہوجائے۔ (تلخیص مرقاۃ: ۱۲۱/۲/۱۲۲، وفتح الملہم: ۱۹۶/۲/۹۷)

﴿الفصل الثانی﴾

امامت جبرئیل علیہ السلام

﴿۵۳۷﴾ وَعَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَمَّنِیْ جِبْرَئِیْلُ عِنْدَ الْبَیْتِ مَرَّتَیْنِ فَصَلّٰی بِیَ الظُّھْرَ حِیْنَ زَالَتِ الشَّمْسُ وَکَانَ قَدْرَ الشِّرَاکِ وَصَلّٰی بِیَ الْعَصْرَ حِیْنَ صَارَ ظِلُّ کُلِّ شَیْءٍ مِثْلَہٗ وَصَلّٰی بِیَ الْمَغْرِبَ حِیْنَ اَفْطَرَ الصَّائِمُ وَصَلّٰی بِیَ الْعِشَاءَ حِیْنَ غَابَ الشَّفَقُ وَصَلّٰی بِیَ الْفَجْرَ حِیْنَ حَرُمَ الطَّعَامُ وَالشَّرَابُ عَلَی الصَّائِمِ فَلَمَّا کَانَ الْغَدُ صَلّٰی بِیَ الظُّھْرَ حِیْنَ کَانَ ظِلُّہٗ مِثْلَہٗ وَصَلّٰی بِیَ الْعَصْرَ حِیْنَ کَانَ ظِلُّہٗ مِثْلَیْہِ وَصَلّٰی بِیَ الْمَغْرِبَ حِیْنَ اَفْطَرَ الصَّائِمُ وَصَلّٰی بِیَ الْعِشَاءَ اِلٰی ثُلُثِ اللَّیْلِ وَصَلّٰی بِیَ الْفَجْرَ فَاَسْفَرَ ثُمَّ الْتَفَتَ اِلَیَّ فَقَالَ یَا مُحَمَّدُ ھٰذَا وَقْتُ الْاَنْبِیَاءِ مِنْ قَبْلِکَ وَالْوَقْتُ مَابَیْنَ ھٰذَیْنِ الْوَقْتَیْنِ۔ (رواہ ابوداؤد والترمذی)

حوالہ: ابوداؤد شریف:۵٦/۱، باب فی المواقیت، کتاب الصلوٰۃ، حدیث نمبر:۳۹۳۔ترمذی شریف:۳۸/۱، باب مواقیت الصلوۃ، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر:۱۴۹۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دوبار خانہ کعبہ کے قریب مجھے نماز پڑھائی، مجھے ظہر کی نماز پڑھائی درانحالیکہ سورج کا سایہ تسمہ کے برابر تھا، اور عصر کی نماز اس وقت پڑھائی جب کہ ہر چیز کا سایہ اس کے مانند ہوگیا اور مغرب کی نماز اس وقت پڑھائی جب کہ روزے دار افطار کرتا ہے، اور مجھے عشاء کی نماز اس وقت پڑھائی جب شفق غائب ہوگئی، اور فجر کی نماز مجھے اس وقت پڑھائی جب کھانا اور پینا روزے دار پر حرام ہوتا ہے۔ جب دوسرا دن ہوا تو مجھے ظہر کی نماز پڑھائی جس وقت کہ اس کا سایہ ایک مثل (کے

قریب)ہوا اور عصر کی نماز مجھ کو اس وقت پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ دو مثل ہو گیا، اور مغرب کی نماز مجھے اس وقت پڑھائی جس وقت روزے دار افطار کرتا ہے، اور مجھے عشاء کی نماز ایک تہائی رات گذرنے پر پڑھائی اور مجھے فجر کی نماز پڑھائی جب کہ روشنی اچھی طرح ہو گئی، پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام میری طرف متوجہ ہوئے اور کہا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ وقت آپ سے پہلے نبیوں کا ہے۔ اور (ہر نماز کا) وقت ان دونوں وقتوں کے درمیان ہے۔

تشـــریح: اس حدیث میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کی امامت کا تذکرہ ہے، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے شب معراج کے بعد والے دن ظہر کی نماز سے امامت کی ابتداء کی، اور انہوں نے دو دن میں دس نمازوں کی امامت فرمائی، اس واقعہ سے جہاں ایک طرف نماز کی اہمیت ثابت ہو رہی ہے، وہیں نمازوں کو ان کے مقررہ اوقات پر ادا کرنے کی ضرورت بھی ثابت ہو رہی ہے۔

اللہ جل شانہ نے نماز کے اوقات کو عملی طور پر سکھانے کے لئے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بھیجا، چنانچہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دو دن امامت فرمائی، پہلے دن ہر نماز کو اس کے ابتدائی وقت میں ادا کیا، جب کہ دوسرے دن ہر نماز کو اس کے آخیر وقت میں ادا کیا، اور پھر یہ بتادیا کہ ان دونوں کے درمیان جو وقت ہے وہ ان نمازوں کا وقت مستحب ہے۔

امنی جبرئیل: حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دو دن نماز پڑھائی "مرتین" مراد دو دن ہیں دو دن نماز پڑھائی تا کہ نماز کی کیفیت اور ان کے اوقات کا اچھی طرح علم ہو جائے۔

عند البیت: سے مراد خانہ کعبہ ہے، اس لفظ سے ان لوگوں کی تردید ہو گئی جو کہ امامت جبرئیل علیہ السلام کے واقعہ کو مدنی قرار دیتے ہیں۔

امامت مفضول

اشکال: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم افضل ہیں، جبرئیل علیہ السلام مفضول، پھر جبرئیل علیہ السلام کی امامت کیوں کر صحیح ہوئی۔

جواب: اس کے متعدد جوابات ہیں:

(۱)...... "اَمَّنِیْ" کے معنی امامت کرنے کے نہیں ہیں، جس سے اشکال لازم آتا ہے، بلکہ معنی یہاں یہ ہے کہ جبرئیل نے مجھ کو امام بنایا اور جبرئیل مقتدی ہو کر لقمہ دیتے رہے، حاصل یہ ہے کہ امامت سے اصطلاحی امامت مراد نہیں ہے۔

(۲)...... یہاں حقیقۃً امامت مراد نہیں بلکہ ہدایت ورہنمائی مراد ہے، کہ جبرئیل علیہ السلام سامنے جا کر دکھاتے رہے چونکہ صورۃً امامت تھی اس لئے "امنی" سے تعبیر کر دیا۔

(۳)...... یہاں حضرت جبرئیل علیہ السلام کے لئے فضیلت جزئیہ ثابت ہے، کیونکہ ان کو اوقات صلوۃ کا علم تھا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نہ تھا، اسی لحاظ سے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو امام بنایا گیا ہے۔

(۴)......مفضول کا امام بننا اور افضل کا مقتدی بننا جائز ہے، امامت مفضول للافضل سے نماز میں کوئی خلل نہیں پڑتا، یہی وجہ ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اقتداء میں نماز پڑھی۔

اقتداء المفترض خلف المتنفل

اشکال: حنفیہ کے یہاں ضابطہ یہ ہے کہ "اقتداء المفترض خلف المتنفل" جائز

نہیں ہے، امام مالکؒ کا مذہب بھی یہی ہے، اور امام احمدؒ کی ایک روایت بھی یہی ہے۔ (معارف السنن: ۲/۳) اور یہاں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز فرض تھی، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکلّف تھے، جب کہ جبرئیل علیہ السلام کی نماز نفل تھی، کیونکہ وہ غیر مکلّف تھے، تو یہ اقتدائے مفترض خلف المتنفل کیسے صحیح ہوئی؟ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک اقتداء المفترض خلف المتنفل جائز ہے، یہی ایک روایت امام احمد کی ہے، امام شافعیؒ اس واقعہ سے استدلال کرتے ہیں۔

جوابات: احناف کی طرف سے اس کے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں:

(۱)...... جب تک آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نماز کی تعلیم جبرئیل علیہ السلام نے نہیں دی تھی، اس وقت تک نماز آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر فرض نہیں تھی، لہٰذا جبرئیل علیہ السلام کی طرح آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی نفل ہی ادا فرمارہے تھے، ایسی صورت میں یہ اقتدائے متنفل خلف المتنفل ہوئی جو کہ صحیح ہے۔

(۲)...... جب جبرئیل علیہ السلام کو نماز کی تعلیم کا حکم ہوا تو وہ بھی نماز کے مکلّف ہوئے، لہٰذا جبرئیل علیہ السلام پر بھی نماز فرض ہوگئی تھی، اور وہ مامور من اللہ ہونے کی وجہ سے متنفل نہیں رہے تھے، اس صورت میں اقتدائے مفترض خلف المفترض ہوئی جو کہ صحیح ہے۔

(۳)...... یہ ابتدائے اسلام کا واقعہ ہے، اس وقت اقتدائے مفترض خلف المتنفل جائز تھی، بعد میں اس کو منسوخ کردیا گیا۔

(۴)...... جبرئیل علیہ السلام کا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے امام بننا یہ عالم مثال میں تھا، جسے صرف آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دیکھ رہے تھے، باقی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے لئے یہ بات محسوس نہیں تھی، عالم الحس میں حضور

اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امام تھے، اور حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین مقتدی تھے، اس لئے حضرت جبرئیل علیہ السلام کی امامت عالم الحس اور عالم الشہادت کی نہیں، اور نظام تشریعی میں ان ہی واقعات کا اعتبار ہے جن کا تعلق عالم الحس سے ہو، عالم مثال کے واقعات سے استدلال درست نہیں، بہر کیف جبرئیل علیہ السلام کی امامت کسی نہج پر بھی ہو یہ ایک واقعہ جزئیہ خاصہ ہے، اس سے شریعت کا نظام عام اور ضابطہ کلیہ نہیں نکالا جا سکتا۔ فقط (اشرف التوضیح: ۱/۴۸۳)

امامت جبرئیل کی وجہ

اشکال: حضرت جبرئیل علیہ السلام کی امامت کی کیا ضرورت تھی، اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کے واسطے سے نماز کے اوقات کی زبانی تعلیم کیوں نہیں دی؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ عملی تعلیم کو اس واسطے اختیار کیا کہ یہ **اوقع فی الذھن** ہوتی ہے۔

حین زالت الشمس: ظہر کی نماز میں تاخیر نہیں کی، بلکہ زوال شمس کے بعد فوراً پڑھی۔

وکان قدر الشراک: اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر چیز کا سایہ اصلی جو نصف نہار کے وقت ہوتا ہے، جب اس میں شرقی جانب اضافہ شروع ہو جائے، تب ظہر کے وقت کی ابتداء ہوتی ہے، خواہ وہ اضافہ "**شراک**" کے بقدر ہی کیوں نہ ہو، "**شراک**" (جوتے کا تسمہ) سے مراد مقدار قلیل ہے، حاصل یہ نکلا کہ ظہر کی نماز پہلے دن اس وقت ہوئی جب کہ "سایہ اصلی" اتنا تھوڑا تھا کہ وہ نہ ہونے کے برابر تھا۔

ابتداء بالظہر کی وجہ

یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ سلسلہ امامت ظہر سے کیوں شروع فرمایا، فجر کی نماز میں امامت کے لئے کیوں نہیں آئے؟

اس کے متعدد جوابات دئے گئے ہیں:

(۱)......حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو بھی تعلیم دینا مقصود تھا، اور فجر کے وقت لیلۃ المعراج میں صلوات خمسہ کی فرضیت کا حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو علم نہ تھا، اس لئے وہ جمع نہیں ہوسکتے تھے، اس لئے فجر کے بجائے ظہر سے ابتداء فرمائی۔

(۲)......فجر کی نماز لیلۃ المعراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس میں حضرات انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ادا فرما کر آئے تھے، اس لئے ظہر سے ابتداء فرمائی۔

(۳)...... تفاؤلاً ظہر سے ابتدا فرمائی، اسلئے کہ ظہر کے معنی ظہور اور غلبہ کے ہیں، اور اسمیں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ دین تمام ادیان پر غالب آجائیگا۔(نفحات التنقیح: ۲/۲۲۹)

(۴)......حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ فجر اور عصر کی نماز آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم معراج سے پہلے بھی پڑھا کرتے تھے، خواہ وجوباً خواہ استحباباً اس لئے زیادہ اہمیت نئی نمازوں کی ہے، اور نئی نمازوں میں سب سے پہلی ظہر کی نماز ہے، اس لئے ظہر سے آغاز کیا۔(اشرف التوضیح: ۱/۴۸۳)

وصلی بی العصر حین صار ظل کل شیء مثلہ: پہلے دن کی عصر کی نماز ایک مثل پر پڑھائی یہ حدیث ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کی دلیل ہے، امام

صاحب سے بھی اس سلسلے میں ایک روایت ہے، جس کو حضرت گنگوہیؒ نے ''الکوکب الدری'' میں من حیث الدلیل راجح قرار دیا ہے۔

وصلی بی العشاء حین غاب الشفق: عشاء کی نماز شفق غائب ہونے کے بعد پڑھائی، صاحبین رحمہما اللہ وغیرہ کے نزدیک شفق سے مراد شفق احمر ہے، جب کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شفق ابیض مراد ہے، جو کہ شفق احمر کے زائل ہونے کے بعد ظاہر ہوتی ہے۔

وقت مشترک پر استدلال

فلما کان الغد صلی بی الظهر حین کان ظله مثله: حدیث کے اسی جملہ سے استدلال کرتے ہوئے امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ظہر اور عصر کے درمیان چار رکعت کے بقدر وقت مشترک ہے، اس وقت میں ظہر اور عصر دونوں نمازیں ادا کی جاسکتی ہیں، اس وجہ سے کہ اس حدیث میں گذشتہ سطور میں مذکور ہوا کہ پہلے روز عصر کی نماز ایک مثل پر پڑھائی، حدیث کے الفاظ ہیں: ''صار ظل کل شیء مثله'' اور یہاں یہ کہا گیا ہے دوسرے دن ظہر کی نماز ایک مثل پر پڑھائی، حدیث کے الفاظ ہیں: ''کان ظله مثله'' معلوم ہوا کہ دونوں نمازوں کے لئے کچھ وقت مشترک ہے، جس میں دونوں نمازیں ادا کی جاسکتی ہیں۔

جمہور کی طرف سے جواب

جمہور وقت مشترک کے قائل نہیں ہیں، اس لئے جواب دیتے ہیں کہ پہلی جگہ مراد یہ ہے کہ عصر کی نماز ایک مثل پر پڑھنی شروع کی اور دوسری جگہ مراد یہ ہے کہ ایک مثل پر ظہر کی نماز

پڑھ کر فارغ ہوئے، ایک جگہ شروع کرنا مراد ہے، اور ایک جگہ فراغ مراد ہے، نیز یہاں مثل پر کا مطلب مثل کے قریب ہے۔

فقال یا محمد: حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہو کر ان کا نام لے کر پکارا۔

نام کے ساتھ پکارنے کی وجہ

اشکال: قرآن مجید کی آیت ہے، "لاتجعلو دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضاً" حضرت جبرئیل علیہ السلام کا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام لے کر پکارنا بظاہر اس آیت کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔

جواب: (۱)...... ممکن ہے کہ ملائکہ اس حکم کے مخاطب نہ ہوں۔

(۲)...... یہ بھی ممکن ہے کہ آیت مذکورہ کا نزول اس واقعہ کے بعد ہوا ہو۔

ھذا وقت الانبیاء: اس جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ صلوات خمسہ انبیاء سابقین اور سابقہ امتوں پر بھی فرض تھیں، حالانکہ صلوات خمسہ گذشتہ کسی امت پر فرض نہیں تھیں، پھر انبیاء کا وقت کیوں قرار دیا گیا، اس کے متعلق بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ

(۱)...... حضرات انبیاء کرام علیہم السلام پر اگر چہ پانچ نمازیں فرض نہیں تھیں، لیکن وہ ان پانچوں اوقات میں نفل نمازیں پڑھتے رہے ہونگے، اسی وجہ سے ان اوقات کو وقت الانبیاء کہا گیا ہے۔

(۲)...... یا پھر یہاں ہذا کا اشارہ اوقات خمسہ کی طرف نہیں بلکہ اس سے پہلے جو وقت اسفار کا ذکر ہے، اس کی طرف اشارہ ہے، اور اس وقت میں انبیاء سابقین بھی عبادت

کرتے تھے۔(بذل:۱/۲۲۷)

(۳)......بعض حضرات نے کہا ہے کہ اگرچہ مجموعہ صلوات خمسہ پہلے کسی نبی پر فرض نہ تھا، لیکن ایک ایک کر کے مختلف انبیاء پر یہ نمازیں فرض رہی ہیں، یعنی اگر ایک امت کے لئے ظہر کی نماز تھی تو دوسری کے لئے عصر کی اور مطلب یہ ہے کہ جن کے یہاں فجر کی نماز فرض تھی ان کے یہاں فجر کا وقت یہ تھا، جن کے یہاں ظہر فرض تھی، ان کے یہاں ظہر کا وقت یہ تھا، یہی حال بقیہ نمازوں کا بھی ہے، ماسواء عشاء کے کہ وہ اسی امت کے ساتھ خاص ہے، پس حدیث پاک کا مطلب یہ ہوا کہ جن پر جو نماز تھی وقت یہی تھا، تو یہاں انبیاء علیہم السلام کے طرف نسبت مجموع من حیث المجموع کے اعتبار سے ہے، ہر ہر فرد کے اعتبار سے نہیں۔فلا اشکال.

الوقت مابین الوقتین: اس جملہ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جو وقت ان دونوں کے درمیان ہے، اسی وقت میں نماز کی ادائیگی درست ہوگی، اس کے علاوہ میں درست نہیں ہوگی، بلکہ مطلب یہ ہے کہ وقت مستحب ان دونوں کے درمیان ہے، اصل میں ہر نماز کے دو حصے ہیں، ایک ابتدائی حصہ اور ایک آخری حصہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی امامت سے ان دونوں حصوں کا وقت صلوۃ ہونا ثابت ہو گیا، اور درمیان حصے کا وقت ہونا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مذکورہ فرمان: ''الوقت ما بین الوقتین'' سے ثابت ہوا، چنانچہ بعض اوقات کا ثبوت قول سے ہوا اور بعض کا عمل سے۔(مرقاۃ:۲/۱۲۵،۱۲۱)

﴿الفصل الثالث﴾

نماز کب پڑھنا افضل ہے؟

﴿۵۳۸﴾ وَعَنْ اِبْنِ شِهَابٍ اَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيْزِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَخَّرَ الْعَصْرَ شَيْئًا فَقَالَ لَهٗ عُرْوَةُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَمَا اَنَّ جِبْرَئِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامَ قَدْ نَزَلَ فَصَلّٰى اَمَامَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهٗ عُمَرُ اِعْلَمْ مَا تَقُوْلُ يَا عُرْوَةُ فَقَالَ سَمِعْتُ بَشِيْرَ بْنَ اَبِىْ مَسْعُوْدٍ يَقُوْلُ سَمِعْتُ اَبَا مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ نَزَلَ جِبْرَئِيْلُ فَاَمَّنِىْ فَصَلَّيْتُ مَعَهٗ ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهٗ ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهٗ ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهٗ ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهٗ يَحْسِبُ بِاَصَابِعِهٖ خَمْسَ صَلَوَاتٍ۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۴۵۷/ ۱، باب ذکر الملائکة، کتاب بدء الخلق، حدیث نمبر:۳۲۲۱۔ مسلم شریف: ۲۲۱/ ۱، باب اوقات الصلوات الخمس، کتاب المساجد ومواضع الصلوٰة، حدیث نمبر:۶۱۰۔

ترجمه: حضرت ابن شہابؒ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عصر کی نماز میں کچھ تاخیر کی، تو ان سے حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: کہ آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آسمان سے اترے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نماز پڑھائی، حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا: تم خوب سمجھ لو کیا کہہ رہے ہو اے عروہ!؟ اس کے بعد حضرت عروہ رضی

اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ میں نے حضرت بشیر بن ابی مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا وہ کہتے تھے کہ میں نے حضرت ابو مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا وہ کہتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آسمان سے اترے، تو انہوں نے مجھے نماز پڑھائی، اور میں نے ان کے ساتھ نماز پڑھی، پھر میں نے نماز پڑھی، پھر میں نے نماز پڑھی، پھر میں نے نماز پڑھی، پھر میں نے نماز پڑھی، اپنی انگلیوں پر پانچوں نمازیں گن کر بتائیں۔

تشریح: اخر: عصر میں تھوڑی تاخیر کی، یہ بھی ممکن ہے کہ وقت مستحب سے تاخیر کی ہو۔

اما ان جبرئیل: حضرت عروہ کا مقصد حضرت جبرئیل علیہ السلام کی امامت والے واقعہ کو یاد دلا کر حضرت عمر بن عبدالعزیز کو تنبیہ کرنا تھا، یہیں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ نماز کو اول وقت میں ادا کرنا افضل ہے، حضرت عروہ یہ کہنا چاہتے تھے کہ آپ اول وقت کو چھوڑ کر فضیلت کو کیوں فوت کر رہے ہیں؟

اعلم ماتقول: حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اول وقت کی فضیلت یا بیان وقت کا انکار نہیں کیا، کیونکہ یہ بات تو ہر ایک کے علم میں تھی، اصل میں عروہؒ نے نزول جبرئیل کی حدیث بلا سند بیان کی، اس بے احتیاطی پر ٹوکتے ہوئے عمر بن عبدالعزیزؒ نے کہا۔"اعلم ماتقول" یعنی روایت کرنے میں احتیاط سے کام لو، حضرت عروہؒ کا علم و فضل بہت بلند تھا اور ان کا مقام و مرتبہ نمایاں تھا، لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ بھی نہایت متقی اور پرہیزگار اور بااصول شخص تھے، چنانچہ انہوں نے اپنی احتیاط پسندی اور دینی حمیت کی بناء پر حضرت عروہؒ کی اس بے احتیاطی پر ان کو ٹوک دیا۔

دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو امامت جبرئیل کی حدیث نہ

پہونچی ہو، اوران کو یہ واقعہ مستبعد معلوم ہورہا ہو کہ باوجودیکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم افضل ہیں تو حضرت جبرئیل علیہ السلام امامت کیسے کرسکتے ہیں، اس پر بطور تعجب کے فرمایا: کہ ذرا سوچ کر کہو، کیا کہہ رہے ہو، اور حضرت عروہؒ نے جب سند بیان فرمادی پھر سکوت فرمایا۔

یہ سب تفصیل اس وقت ہے جبکہ "اِعْلَمْ" صیغہ امر حاضر باب سمع سے ہو، اس میں دوسری صورت یہ بھی ہے کہ اس کو باب انفعال سے امر مانا جائے، "اَعْلِمْ" اس وقت اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اپنی بات پر نشان لگادو، یعنی اس کی سند بیان کردو کہ اتنی اہم بات بلاسند بیان نہیں کرنا چاہئے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ یہ "اَعْلَمُ" صیغہ متکلم ہے، اس صورت میں اس کا مطلب یہ ہے کہ جو تم بیان کررہے ہو اس کو میں بھی جانتا ہوں۔

فقال سمعت: یہاں سے حضرت عروہؒ اسی نزول جبرئیل علیہ السلام والی حدیث کی سند ذکر کررہے ہیں، اور اس بات کی وضاحت کررہے ہیں، کہ میں نے جو روایت کی ہے وہ بلاسند نہیں ہے۔

نزل جبرئیل: نزول اور امامت جبرئیل نیز اوقات صلاۃ کی تفصیل کا سب کو علم تھا، اس لئے اس کو اختصار سے ذکر کیا۔

فوائد

(۱)...... حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی بات بیان کرنے میں پوری احتیاط سے کام لینا چاہئے۔

(۲)...... اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ نماز کو اگر کوئی مانع درپیش نہ ہو تو ابتدائی اوقات میں ادا کرنا افضل ہے۔

مکتوب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

﴿۵۳۹﴾ وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّهُ كَتَبَ اِلٰى عُمَّالِهٖ اَنَّ اَهَمَّ اُمُوْرِكُمْ عِنْدِيَ الصَّلٰوةُ مَنْ حَفِظَهَا وَحَافَظَ عَلَيْهَا حَفِظَ دِيْنَهٗ وَمَنْ ضَيَّعَهَا فَهُوَ لِمَا سِوَاهَا اَضْيَعُ ثُمَّ كَتَبَ اَنْ صَلُّوا الظُّهْرَ اِنْ كَانَ الْفَيْءُ ذِرَاعًا اِلٰى اَنْ يَكُوْنَ ظِلُّ اَحَدِكُمْ مِثْلَهٗ وَالْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ بَيْضَاءُ نَقِيَّةٌ قَدْرَ مَا يَسِيْرُ الرَّاكِبُ فَرْسَخَيْنِ اَوْ ثَلَاثَةً قَبْلَ مَغِيْبِ الشَّمْسِ وَالْمَغْرِبَ اِذَا غَابَتِ الشَّمْسُ وَالْعِشَاءَ اِذَا غَابَ الشَّفَقُ اِلٰى ثُلُثِ اللَّيْلِ فَمَنْ نَامَ فَلَا نَامَتْ عَيْنُهٗ فَمَنْ نَامَ فَلَا نَامَتْ عَيْنُهٗ فَمَنْ نَامَ فَلَا نَامَتْ عَيْنُهٗ وَالصُّبْحَ وَالنُّجُوْمُ بَادِيَةٌ مُشْتَبِكَةٌ۔ (رواه مالك)

حوالہ: مؤطا امام مالکؒ: ۳، باب وقوت الصلوۃ، کتاب وقوت الصلوۃ، حدیث نمبر: ۶۔

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنے عمال کو لکھا کہ تمہارے کاموں میں میرے نزدیک سب سے اہم کام نماز ہے، جس نے نماز کی محافظت کی اور اس کی نگہبانی کی اس نے دین کی محافظت کی، اور جس نے نماز کو ضائع کیا تو وہ نماز کے علاوہ دوسرے دینی امور کو بہت زیادہ ضائع کرنے والا ہے، پھر لکھا کہ ظہر کی نماز اس وقت پر پڑھو جب سایۂ زوال ایک گز ہو، یہاں تک کہ وہ ایک مثل ہو جائے اور عصر اس وقت پڑھو جب سورج بلند صاف اور سفید ہو، اور اس قدر دن باقی ہو کہ سوار دو فرسخ یا تین فرسخ (چھ

یا نو میل) سورج غروب ہونے سے پہلے سفر طے کر لے، اور مغرب کی نماز اس وقت پڑھو جب کہ سورج غروب ہو، اور عشاء کی نماز اس وقت پڑھو جب کہ شفق غائب ہو جائے، ایک تہائی رات گذرنے تک، تو جو شخص پہلے سو گیا خدا کرے اس کی آنکھیں نہ سوئیں تو جو شخص پہلے سو گیا خدا کرے اس کی آنکھیں نہ سوئیں، تو جو شخص پہلے سو گیا خدا کرے اس کی آنکھیں نہ سوئیں، اور فجر کی نماز پڑھو جب کہ ستارے ظاہر ہوں جمع ہو کر چمکنے والے ہوں۔

تشریح: نماز ایک بہت اہم اور بنیادی عبادت ہے، جو شخص نماز کی مواظبت کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو دیگر دینی امور انجام دینے کی بھی توفیق ملتی ہے، اور جو شخص نماز سے غفلت برتا ہے وہ دیگر اعمال حسنہ کی انجام دہی سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔ اس حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جہاں ایک طرف اپنے امراء کو نماز کی مواظبت کا حکم دیا ہے، وہیں دوسری طرف اوقات صلاۃ کی پابندی پر بھی متنبہ کیا ہے، اوقات صلوۃ کی مکمل بحث گذشتہ احادیث کے تحت تفصیل سے گذر چکی ہے۔ اس حدیث میں عشاء کی نماز ادا کرنے سے پہلے سونے والوں کے حق میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بد دعا کی ہے، اس لئے نماز کی ادائیگی سے پہلے سونے سے اجتناب کرنا چاہئے۔

الی عماله: عمال سے مراد امراء ہیں۔

اهم امورکم عندی الصلوة: یعنی میرے اعتقاد صحیح کے مطابق کتاب و سنت سے جو چیز سب سے اہمیت کے ساتھ ثابت ہے وہ نماز ہے۔

من حفظها: نماز کو اس کے جملہ شرائط و ارکان کے ساتھ ادا کیا۔

و حافظ علیها: خلوص دل کے ساتھ نماز پر مداومت کی۔ شہرت، ریا کاری، غرور اور عجب کے ذریعہ نماز کو باطل نہیں کیا۔

حفظ دینه: نماز پر مداومت کی وجہ سے بقیہ دینی امور کی ادائیگی بھی آسان

ہو جاتی ہے، نماز میں بندہ اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے اور یہ مومن کی معراج ہے۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں: کہ محافظت صلوۃ کا مطلب یہ ہے کہ نماز سے ذرہ برابر غفلت نہ ہو، اس کو اس کے اوقات مقررہ پر ادا کیا جائے، اس کے ارکان، اس کے رکوع وسجود کو اچھی طرح مکمل کیا جائے، اور نفس کو اس کے اہتمام کی تاکید کی جائے، اور اس پر استقامت ودوام اختیار کیا جائے۔

ومن ضیعھا: یعنی جس نے نماز کو بالکلیہ ترک کردیا یا نماز کے بعض واجبات کو ترک کردیا۔

فھو لما سواھا: جو شخص نماز سے غفلت کرتا ہے وہ دیگر امور دینی کو اور بڑھ چڑھ کر ترک کرتا ہے، کیوں کہ نماز ام العبادات رأس الطاعات اور ہر برائیوں کو ختم کرنے والی ہے، جو شخص اس کی مواظبت نہیں کریگا وہ دیگر امور دینی کی کیا مواظبت کریگا؟

صلوا الظھر ان کان الفیء ذراعا: یہ مطلب نہیں کہ بالکل اس سایہ کے وقت میں پڑھو، کیونکہ وہ تو عین زوال کا وقت ہوگا، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ سایہ جیسے ہی بڑھے (یعنی زوال کے فوراً بعد) ظہر کی نماز پڑھ لو۔

فمن نام فلا نامت عینہ: خدا کرے جو عشاء کی نماز سے پہلے سوئے، اس کی آنکھیں نہ لگیں، یعنی وہ بے قراری اور بے آرامی میں مبتلا رہے، آپ رضی اللہ عنہ کی یہ بد دعا اس شخص کے لئے ہے جو عشاء کی نماز سے غفلت برتے اور بغیر پڑھے سو جائے۔

اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز عشاء سے پہلے سونا مطلقاً حرام ہے، لیکن ہمارے علماء نے اس کی تفصیل کی ہے، اور وہ تفصیل یہ ہے کہ نماز کا وقت شروع ہو جانے کے بعد اگر کوئی شخص سونے کا ارادہ کرتا ہے اور گمان یہ ہو کہ نماز کا وقت ختم ہو جانے تک سویا رہوں گا، تو نماز سے پہلے اس کے لئے سونا جائز نہ ہوگا، اور اگر اس کو اپنے اوپر اعتماد ہے کہ نماز

کا وقت ختم ہونے سے پہلے اٹھ کر نماز ادا کرلوں گا، تو اس کے لئے سونا جائز ہوگا، رہ گئی یہ بات کہ نماز کا وقت شروع ہونے سے پہلے سونے کا کیا حکم ہے؟ تو اس کے بارے میں بعض لوگ وہی تفصیل کرتے ہیں جو نماز کے شروع ہو جانے کے بعد کی صورت میں ہے اور بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ نماز کا وقت آنے سے پہلے سونا کسی بھی طرح حرام و ناجائز نہیں، کیونکہ وقت شروع ہونے سے پہلے بندہ نماز کا مکلّف نہیں ہوتا۔ (مرقاۃ: باب المواقیت) البتہ مکروہ ہے، جب کہ دوسری روایت میں کراہت کی تصریح ہے۔ فقط

فائدہ: حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ حکام کو اپنے ماتحتوں کے دین کی فکر کرنا ان کو تنبیہ کرتے رہنا بھی ضروری ہے۔

گرمی کے دنوں میں ظہر کی نماز کا وقت

﴿۵۴۰﴾ وَعَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كَانَ قَدْرُ صَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ فِي الصَّيْفِ ثَلَاثَةَ اَقْدَامٍ اِلٰى خَمْسَةِ اَقْدَامٍ وَفِي الشِّتَاءِ خَمْسَةَ اَقْدَامٍ اِلٰى سَبْعَةِ اَقْدَامٍ۔ (رواه ابو داؤد والنسائی)

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۵۸/ ۱، باب فی وقت الظهر، کتاب الصلوٰۃ، حدیث نمبر: ۴۰۰۔ نسائی شریف: ۸۸/ ۱، باب آخر وقت الظهر، کتاب المواقیت، حدیث نمبر: ۵۰۲۔

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گرمی کے دنوں میں ظہر کی نماز تین سے پانچ قدم تک کے دوران پڑھتے

تھے،اور سردی کے دنوں میں پانچ سے سات قدم تک کے دوران پڑھتے تھے۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں گھڑیاں نہ ہونے کی وجہ سے نماز کے اوقات کا حساب طلوع وغروب اور دھوپ وسایہ کے لحاظ سے کیا جاتا تھا، اس حدیث میں بھی ظہر کی نماز کے وقت کو سایہ کی مقدار سے سمجھایا جارہا ہے۔

الظھر فی الصیف: سایہ اصلی ہر مقام کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے، کسی مقام پر بڑا ہوتا ہے، اور کسی مقام پر چھوٹا ہوتا ہے، چونکہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں سردی کے دنوں میں سایہ اصلی لمبا پڑتا ہے، اور گرمی کے دنوں میں چھوٹا پڑتا ہے، اور اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دونوں موسموں میں نماز کے وقت کے لئے سایہ کی لمبائی اور چھوٹائی کا خاص خیال فرماتے تھے، اور اسی کے ذریعے سے نماز کا وقت متعین فرماتے تھے، جہاں تک ظہر کے وقت اصلی کا تعلق ہے تو وہ دونوں موسموں میں یکساں ہے، یعنی زوال آفتاب کے بعد ہے، خواہ سایہ اصلی لمبا پڑے یا چھوٹا۔

سایہ کی تحقیق

ظل: (سایہ) کی دو قسمیں ہیں۔

(۱)......ظل اصلی۔

(۲)......ظل زائد۔

عین نصف نہار کے وقت جو سایہ ہوتا ہے وہ ظل اصلی کہلاتا ہے، اور زوال شمس کے بعد جو سایہ بڑھنا شروع ہوتا ہے وہ ظل زائد کہلاتا ہے، اصل میں تعجیل وتاخیر کا مدار اسی ظل زائد پر ہے، اس کا زائد ہونا تاخیر پر دلالت کرتا ہے اور کم ہونا تعجیل پر، لیکن اس حدیث میں جو ظل مذکور ہے وہ مطلقاً ہے اس میں زائد یا اصلی کی قید نہیں، بلکہ مجموعہ ظل مراد ہے۔

کچھ لوگ سایہ کو یوں بھی سمجھاتے ہیں کہ نصف النہار سے قبل ہر چیز کا سایہ مغرب کی سمت میں پڑتا ہے، اور سورج کے وسط سماء سے ڈھلنے کے وقت جس کو زوال کہتے ہیں سایہ اصلی مشرق کی سمت میں بڑھتا ہے اسی ظل اصلی میں اضافہ سے ظہر کے وقت کی ابتداء ہوتی ہے۔(مرقاۃ:الدر المنضود)

قـــدم: حساب دانوں کی اصطلاح میں قدم ہر چیز کے قد کے ساتویں حصہ کو کہتے ہیں۔(اشرف التوضیح:١/٤٨٤)

سایہ کی مقدار علاقوں کے بدلنے سے بدلتی رہتی ہے۔

حجاز جو اقلیم ثانی میں ہے وہاں کا حال حدیث پاک میں مذکور ہے، یہ ضروری نہیں کہ ہر جگہ یہی اندازہ ہو۔(شرح الطیبی:٢/٦٦)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب تعجیل الصلوة

رقم الحدیث:...... ۵۴۱ تا ۵۷۴۔

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

باب تعجیل الصلوۃ

(نماز کو جلدی کر کے پڑھنے کا بیان)

اوقات مستحبہ

یہاں سے اوقات مستحبہ کا ذکر کیا جارہا ہے، مغرب اور عشاء میں کوئی اختلاف نہیں ہے، صلوۃ المغرب میں بالاتفاق تعجیل مستحب ہے، اور صلوۃ العشاء میں بالاتفاق تاخیر الی ثلث اللیل مستحب ہے، البتہ فجر، ظہر اور عصر میں اختلاف ہے۔

وقت الفجر: چنانچہ حضرات حنفیہ اور سفیان ثوریؒ کے نزدیک فجر میں اسفار اولی ہے، جب کہ امام شافعیؒ امام مالکؒ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہم تغلیس کو افضل کہتے ہیں البتہ حنفیہ میں امام طحاویؒ کا مسلک یہ ہے کہ ابتداء فی الغلس اور انتہاء فی الاسفار اولی ہے۔

حنفیہ کے دلائل: (۱)...... حنفیہ کا استدلال حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اسفروا بالفجر فانه اعظم للاجر"

(۲)...... بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے، اس میں ہے

"وکان (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ینفتل من صلوٰۃ الغداۃ حین یعرف الرجل جلیسہ" آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد میں چوں کہ مسجد نبوی کی دیواریں چھوٹی تھیں اور چھت بہت نیچی تھی، اس لئے اس میں جلیس کو پہنچانا اسی وقت ممکن تھا جب کہ خوب اسفار ہو چکا ہو۔

(۳)......ایسے ہی بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے:"قال ما رأیت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صلی صلوٰۃ لغیر میقاتھا الا صلوتین جمع بین المغرب والعشاء وصلی الفجر قبل میقاتھا" یہاں بالاتفاق"قبل میقاتھا" سے مراد"قبل میقاتھا المعتاد" ہے،اور چوں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مزدلفہ میں فجر کی نماز غلس میں پڑھی تھی،اس لئے کہا جائے گا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت تو اسفار میں پڑھنے کی تھی،مگر آج عادت کے برخلاف غلس میں پڑھی۔

(۴)......طحاوی میں ابراہیم نخعی کا یہ قول نقل کیا گیا ہے:"ما اجتمع اصحاب محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علی شیء ما اجتمعوا علی التنویر"

(۵)......نیز اوقات صلوٰۃ میں ادائے صلوٰۃ کے لئے بالعموم اس کی رعایت کی گئی ہے کہ تکثیر جماعت ہو اور تکثیر جماعت جس میں ہوتا ہے وہ اسفار میں ہے،غلس میں نہیں ہے۔

ائمہ ثلاثہ کے دلائل: (۱)......ائمہ ثلاثہ کا استدلال حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے ہے،جس میں فرمایا گیا ہے:"کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یصلی الظھر بالھجارۃ (الی ان قال) والصبح کانوا او قال کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یصلیھا بغلس"

(۲)......عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا قالت: ان کان رسول اللہ صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم یصلی الصبح فینصرف النساء متلفعات بمروطھن مایعرفن من الغلس۔

(۳)......عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان نبی اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و زید بن ثابت تسحرا فلما فرغا من سحور قام نبی اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الی الصلوۃ فصلی قلنا لانس کم کان بین فراغھما من سحورھما ولھا فی الصلوۃ قال قدر مایقرأ الرجل خمسین آیۃ۔

(۴)......عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الوقت الاول من صلوۃ رضوان اللہ و الوقت الآخر عفو اللہ۔

(۵)......عن ام فروۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا قالت سئل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ای الاعمال افضل؟ قال الصلوۃ فی اول وقتھا۔ ان پانچ روایتوں میں سے پہلی تین روایتیں خاص طور پر فجر کی تعجیل کے لئے دلیل ہیں اور آخری دو روایتیں مطلق نماز کی تعجیل کے لئے دلیل ہیں، لہٰذا معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فجر کی نماز غلس میں پڑھتے تھے۔

ائمہ ثلاثہ کے دلائل کا جواب: (۱)......حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کا جواب یہ ہے کہ اول تو یہ کہا جا سکتا ہے چونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بالعموم تہجد کے پابند تھے، اس لئے وہاں تکثیر جماعت غلس میں ہوتی تھی، اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اختیار فرمایا، باقی آخر میں پھر یہ حالت نہ رہی اور تکثیر جماعت اسفار میں ہوتی

تھی، اس لئے اسفار کو افضل کہا جائے گا، اگرچہ ذاتی فضیلت غلس میں ہے۔

(۲)...... اور یا یہ کہا جائیگا کہ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی روایت قولی ہے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت فعلی ہے، اسلئے ترجیح ظاہر ہے کہ قولی کو ہوگی۔

(۳)...... نیز یہ بھی کہا جا سکتا ہے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ یہ غلس میں نماز ادا کرنے کا واقعہ ابتدائے اسلام کا ہو اور بعد میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عام عادت اسفار کی رہی ہو۔

(۴)...... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت کا جواب یہ ہے کہ "یعرفن من الغلس" سے مراد یا تو معرفت شخصی کی نفی ہے، اور یا معرفت نوعی کی، اگر معرفت شخصی کی نفی مراد ہو تو اس کا سبب چادر میں لپٹا ہوا ہونا ہے، نہ کہ غلس، اور اگر معرفت نوعی کی نفی مراد ہے تو پھر یہ کہا جائے گا کہ یہ غلس مکانی تھا نہ زمانی، چوں کہ مسجد نبوی تعمیر اول میں تو وسیع اور کشادہ نہ تھی، اور اس کی چھت بہت نیچی تھی، پھر چوں کہ قبلہ جانب جنوب میں تھا، اور مسجد کے دروازہ شمال جانب میں تھے، اس لئے مشرق کی طرف سے نور صبح کے اندر آنے کا راستہ نہ تھا، اس وجہ سے یہ غلس پایا جاتا تھا، لہٰذا اس روایت سے غلس زمانہ پر استدلال کرنا درست نہ ہوگا۔

(۵)...... اور یا یہ کہا جائے گا کہ یہ اس حدیث میں "من الغلس" کا اضافہ مدرج من الراوی ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول نہیں ہے، ان کا کلام "مایعرفن" پر ختم ہوگیا، لیکن راوی نے یہ سمجھا کہ یہ نہ پہچاننے کا سبب اندھیرا تھا، اس لئے انہوں نے "من الغلس" کا اضافہ کر دیا، اس پر قرینہ یہ ہے کہ یہی روایت ابن ماجہ میں بسند صحیح مذکور ہے: "عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت کان نساء المؤمنات یصلین مع النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم صلوة

الصبح ثم یرجعن الی اھلھن فلایعرفھن احد، تعنی من الغلس" اس روایت میں "**تعنی**" کے لفظ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ "**من الغلس**" حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول نہیں ہے، بلکہ راوی کا خود اپنا زعم ہے، لہٰذا اس سے استدلال درست نہ ہوگا۔

(٦)......حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کا جواب یہ کہ یہ واقعہ رمضان کا ہے، اور رمضان میں بالعموم آسانی اور سہولت اسی میں ہوتی ہے کہ نماز فجر غلس میں ادا کی جائے، اور تکثیر جماعت بھی غلس میں ہوتی ہے، لہٰذا اس سے عام احوال کے لئے استدلال درست نہ ہوگا۔

(٧)......حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت کا جواب یہ ہے کہ اس میں وقت اول سے مراد وقت مختار کا اول ہے، اور وقت آخر سے مراد یا تو وقت مکروہ ہے یا وقت کا وہ حصہ ہے جس پر وقت کا جواز ختم ہو جاتا ہے، اس لئے یہ حدیث بھی ہمارے خلاف نہ ہوگی، اسی طرح ام فروہ کی روایت میں "**الصلوۃ فی اول وقتھا**" سے مراد وقت مختار کا اول لیا جائے گا، چنانچہ خود حضرات شافعیہ عشاء کے بارے میں یہی معنی مراد لیتے ہیں۔

(٨)......تمام روایتوں کا ایک مجموعی جواب یہ ہے کہ فجر میں **تغلیس** کا حکم ایک عارض کی وجہ سے تھا وہ یہ کہ چوں کہ ابتدائے اسلام میں عورتیں جماعت میں شریک ہوتی تھیں، اس لئے "تستر" کی خاطر نماز غلس میں پڑھی جاتی تھی، لیکن جب عورتوں کو **قرار فی البیوت** کا حکم دیا گیا اور گھر سے نکلنے کی ممانعت آئی تو وہ عارض زائل ہو گیا، اس لئے حکم اپنی اصل یعنی اسفار کی طرف لوٹ آیا۔

نیز یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ

کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے جو احادیث فعلیہ مروی ہیں وہ آپس میں متعارض ہیں، برخلاف احادیث قولیہ کے جو اسفار سے متعلق ہیں جیسے: "اسفروا بالفجر فانه اعظم للاجر" اسی طرح حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو یہ روایت مروی ہے: "ان رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال لبلال نور بصلوة الصبح حتی یبصر القوم مواقع نبلهم من الاسفار" ان کے لئے کوئی معارض قولی حدیث موجود نہیں ہے، لہٰذا احادیث قولیہ کو ترجیح دی جائے گا، اور انہی پر عمل کیا جائیگا۔

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے، "اسفروا بالفجر فانه اعظم للاجر" فرمایا گیا ہے، اور ظاہر ہے کہ اگر فجر کی وضاحت اور اس کا غیر مبہم ہونا مراد لیا جائے تو لازم آئے گا کہ فجر کے غیر واضح ہونے کی صورت میں جب کہ طلوع صبح صادق مشکوک ہو اس وقت بھی نفس اجر حاصل ہو اور جب یہ شک اور ابہام ختم ہو جائے تو "اعظم للاجر" کا ترتب ہو، حالانکہ فجر کے مشکوک اور مشبہ ہونے کی حالت میں نہ یہ کہ نفس اجر نہیں ملتا، بلکہ الٹا گناہ کا اندیشہ ہے، پھر یہ تاویل کیونکر درست ہوگی۔

نیز اس روایت کے بعض دوسرے طریق سے بھی اس تاویل کی نفی ہوتی ہے، چنانچہ نسائی شریف میں یہ روایت اس طرح مروی ہے: "ما اسفرتم بالصبح فانه اعظم بالاجر" ایک روایت میں ہے: "اصبحوا بصلوة الفجر فانکم کلما اصبحتم بها کان اعظم للاجر" طحاوی کی ایک روایت میں یوں ہے: "اصبحوا بصلوة فما اصبحتم بها فهو اعظم للاجر" نیز طحاوی ہی کی ایک روایت میں یہ الفاظ مروی ہیں: "نوروا بالفجر فانه اعظم للاجر" صحیح ابن حبان میں ہے: "اصبحوا بالصبح فانکم کلما اصبحتم بالصبح کان اعظم لاجورکم اولاجرها"

ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ فجر میں جتنا زیادہ اسفار کیا جائے اتنا ہی زیادہ اجر ہوگا، لہٰذا یہ کہنا کہ اسفار سے مراد فجر کا واضح اور غیر مبہم ہونا ہے یہ کسی طرح درست نہیں ہوسکتا۔

صلوۃ الظہر: حنفیہ اور جمہور کے نزدیک سردی کے زمانہ میں تعجیل اور گرمی کے زمانہ میں تاخیر اولیٰ ہے، جب کہ امام شافعیؒ علی الاطلاق سردی ہو یا گرمی تعجیل کو اولیٰ اور افضل کہتے ہیں، البتہ چار شرطوں کے ساتھ وہ ابرادِ ظہر کو اولیٰ قرار دیتے ہیں، وہ چار شرطیں یہ ہیں: (۱) گرمی شدید ہو، (۲) گرم ممالک ہوں، (۳) نماز جماعت کے ساتھ پڑھی جائے، (۴) جماعت کے لئے دور سے آنا پڑے۔

حنفیہ کے دلائل: حنفیہ کا استدلال مندرجہ ذیل روایات سے ہے:

(۱)......عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم انه قال اذا اشتد الحر فابردوا بالصلوة فان شدة الحر من فیح الجهنم.

(۲)......عن ابی ذر رضی الله تعالیٰ عنه قال کنا مع النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فی سفر فاراد المؤذن ان یؤذن فقال لها ابرد ثم اراد ان یؤذن فقال له ابرد ثم اراد ان یؤذن فقال له ابرد حتی ساوی الظل التلو فقال النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ان شدة الحر من فیح جهنم.

(۳)......نسائی شریف میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے: "قال کان رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم اذان کان الحر ابرد بالصلوة واذا کان البرد عجل"

(۴)......عن ابی سعید رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ابردوا بالظهر فان شدة الحر من فیح الجهنم.

امام شافعیؒ کے دلائل: امام شافعیؒ درج ذیل روایات سے استدلال کرتے ہیں:

(۱)......عن انس رضی اللہ عنہ قال کنا اذا صلینا خلف النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بالظھائر سجدنا علی ثیابنا اتقاء الحر.

(۲)......حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: ''کان یصلی الھجیر التی تدعونھا الاولیٰ حین تدحض الشمس ای تزول''

(۳)......عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یصلی الظھر بالھاجرۃ.

(۴)......عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الوقت الاول من الصلوۃ رضوان اللہ والوقت الاخر عفو اللہ.

(۵)......عن ام فروۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا قالت سئل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ای الاعمال افضل قال الصلوۃ فی اول وقتھا.

امام شافعیؒ کے دلائل کا جواب: امام طحاویؒ نے یہ ثابت کیا ہے کہ ابتداءً حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ظہر کی نماز گرمی کے زمانہ میں بھی اول وقت میں ادا کیا کرتے تھے، اس لئے پہلی تین روایتیں اور اسی طرح وہ تمام احادیث جن سے تعجیل ظہر ثابت ہوتی ہے وہ سب احادیث ابراد سے منسوخ ہیں، اور اس نسخ کو امام طحاویؒ نے حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے ثابت کیا ہے: "عن المغیرۃ بن شعبۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صلوۃ الظھر بالھاجرۃ ثم قال ان شدۃ الحر من فیح الجھنم فابردوا بالصلوۃ" اس روایت سے معلوم ہوا کہ ابراد بالظہر کا حکم تعجیل ظہر سے موخر ہے، بلکہ خلال نے تو امام احمدؒ سے ابراد کی آخر الامرین ہونے کی تصریح نقل کی ہے: "وکان آخر الامرین من رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الابراد"

نیز حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت بھی اس پر دلالت کرتی ہے، مؤذن نے وقت ہونے کے بعد اذان دینے کا ارادہ کیا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابراد کا حکم دیا، اس نے پھر اذان دینا چاہا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پھر ابراد کی تعلیم فرمائی، یہاں تک کہ تیسری دفعہ پھر یہی واقعہ پیش آیا، مؤذن کے اس عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اول وقت ہی میں نماز ادا کرنے کی عادت تھی، لیکن آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو بدلا، پھر تکثیر جماعت کا مطلب ہونا بھی اس کی تائید کرتا ہے، ظاہر ہے کہ تعجیل میں شدت حر کی وجہ سے تقلیل جماعت ہوگی، اور ابراد میں تکثیر جماعت ہوگی۔

ایسے ہی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحیحین کی روایت "**کنا اذا صلینا خلف النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بالظهائر سجدنا علی ثیابنا اتقاء الحر**" اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی نسائی کی روایت: "**کنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذان کان الحر ابرد بالصلوۃ واذا کان البرد عجل**" ان دونوں سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ پہلے شدت حر میں نماز ادا ہوتی تھی، اور پھر شدت حر میں ابراد کو اختیار کیا گیا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور حضرت ام فروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایات کا جواب یا تو یہ دیا جائے گا کہ یہ ابتداء اسلام پر محمول ہیں، یا یہ کہا جائے گا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد **مع قطع النظر عن العوارض** ہے، اور یا پھر وقت اول سے مراد یہ ہے کہ اول جواز کا مراد نہیں بلکہ وقت مختار مراد ہے۔

صلوۃ العصر: جمہور کے نزدیک صلوۃ العصر میں تعجیل مستحب ہے، حنفیہ اور سفیان ثوریؒ کے نزدیک تاخیر الی ما قبل الاصفرار مستحب ہے۔

حنفیہ کے دلائل: حنفیہ کا استدلال اول تو قرآن مجید کی آیت سے ہے:

(۱)......"**وسبح بحمد ربک قبل طلوع الشمس وقبل الغروب**" یہاں قبل

طلوع الشمس اورقبل الغروب کے الفاظ سے متبادر یہ ہے کہ فجر کی نماز طلوع شمس سے کچھ پہلے اور عصر کی نماز غروب شمس کے کچھ پہلے ادا کی جائے، لہٰذا یہ آیت فجر میں اولویت اسفار پر اور عصر میں تاخیر الی ماقبل الاصفرار پر دال ہوگی، اصفرار شمس کا زمانہ اس لئے مستثنیٰ ہوگا کہ اس کو بالاتفاق وقت مکروہ قرار دیا گیا ہے۔

(۲)......"عن ام سلمة رضی الله عنهما قالت کان رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم اشد تعجیلا للظهر منکم و انتم اشد تعجیلا للعصر منه"
حدیث کا آخری جملہ ہمارے لئے دلیل ہے کہ تم عصر میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نسبت جلدی کرتے ہو، جب کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عصر کو تاخیر سے پڑھتے تھے۔

(۳)......بخاری شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، فرماتے ہیں: "کان النبی صلی الله علیه وسلم یصلی الظهر بالهجارة و العصر و الشمس حیة"
اس روایت میں "و الشمس حیة" کا عنوان اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ تاخیر تو ہوئی لیکن الی ماقبل الاصفرار، کیونکہ "و الشمس حیة" یہ تاخیر کے وقت ہی بولا جاتا ہے، ورنہ دوپہر میں یہ کوئی نہیں کہتا "و الشمس حیة" جیسے کہ محاورے میں بھی کہا جاتا ہے کہ میں فلاں مقام پر پہنچا اچھا خاصا اونچا تھا اور اس کی روشنی پھیلی ہوئی تھی اس کا مطلب یہی ہے کہ تاخیر ہوگئی تھی۔

(۴)......حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے: "انه سمع رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم تعالیٰ علیه وسلم یقول انما بقاء کم فیما سلف قبلکم من الامم کما بین صلوة العصر الی غروب الشمس اوتی اهل التوراة التوراة فعملوا حتی اذا انتصف النهار عجزوا فاعطوا قیراطا

قیراطا ثم اوتی اهل الانجیل الانجیل فعملوا الی صلوۃ العصر ثم عجزوا فاعطوا قیراطا قیراطا ثم اوتینا القرآن فعملنا الی غروب الشمس فاعطینا قیراطین قیراطین فقال اهل الکتابین ای ربنا اعطیت هولاء قیراطین قیراطین واعطیتنا قیراطا قیراطا ونحن کنا اکثر عملا قال اللہ عز وجل هل ظلمتکم من اجرکم من شیء؟ قالوا لا قال وهو فضلی اوتیه من اشاء."

اس روایت میں ظہر سے لے کر عصر تک کے وقت کو زائد قرار دیا گیا ہے، اور صلوۃ کے بعد غروب تک کے وقت کو کم بتایا گیا ہے، اگر چہ علماء نے اس حدیث کو امام اعظم کی تائید میں پیش کیا ہے، اور اس سے یہ ثابت کیا ہے کہ ظہر کا وقت مثلین تک رہتا ہے، اور مثلین کے بعد عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے، چونکہ ظہر کے وقت کو زائد اور عصر کے وقت کو کم کہا ہے، اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ اختتام ظہر مثل اول کے بجائے مثلین پر ہو۔

لیکن ہم نے بقول شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے اس حدیث سے تاخیر عصر پر استدلال کیا ہے، چوں کہ اہل انجیل کا عمل **"فعملوا الی صلوۃ العصر"** مذکور ہے، وقت عصر کا ذکر نہیں صلوۃ عصر کا ذکر ہے، اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ وقت کے شروع ہونے کے بعد نماز دیر سے ادا کی جاتی ہے، بہر حال اہل قرآن کا **"اقل عملاً واکثر اجراً"** ہونا اسی پر دلالت کرتا ہے کہ حدیث میں ادائے صلوۃ عصر تاخیر کے ساتھ معتبر ہے۔

(٥)......امام طحاویؒ نے قیاس بیان کیا ہے کہ عصر کے بعد چوں کہ نوافل کی ممانعت ہے، اس لئے مناسب یہی ہے کہ صلوۃ عصر کی ادائیگی تاخیر سے ہوتا کہ نماز سے پہلے

نوافل کے لئے گنجائش زیادہ مل سکے۔

(۶)......ایسے ہی امام طحاویؒ نے ابو قلابہ سے نقل کیا ہے: "انہ قال انما سمیت العصر لتعصر ای لتؤخر" یعنی اس نماز کو نماز عصر اسی لئے کہا جاتا ہے کہ یہ تاخیر سے ادا کی جاتی ہے۔

جمہور کی مستدل روایات: (۱)...... بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے، فرماتے ہیں: "کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یصلی العصر والشمس مرتفعة حیة فیذهب الذاهب الی العوالی فیاتیهم والشمس مرتفعة وبعض العوالی من المدینة علی اربعة امیال او نحوه"

(۲)......ایسے ہی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "تلک صلوة المنافق یجلس یرقب الشمس حتی اذا کانت بین قرنی الشیطان قام فنقرها اربعا لایذکر اللہ فیها الا قلیلا" اس روایت میں صلوۃ عصر کی تشنیع ہے، تو معلوم ہوا کہ تعجیل اولیٰ ہے۔

(۳)...... حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، فرماتے ہیں: "کنا نصلی العصر مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم تنحر الجزور فنقسم عصر قسم ثم نطبخ فناکل لحما نضحیجا قبل مغیب الشمس"

(۴)......"عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها قال کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یصلی صلوة العصر والشمس طالعة فی حجرتی ولم یظهر الفئی بعد."

(۵)......اسی طرح ان کا استدلال حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حدیث ام فروہ رضی

اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی ہے، جن کا ذکر فجر اور ظہر میں پہلے آ چکا ہے۔

جمہور کے دلائل کا جواب: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پہلی روایت کا جواب یہ ہے کہ اس میں "الشمس مرتفعة حية" تعجیل صلوۃ عصر پر دالالت نہیں کرتا، بلکہ تاخیر پر دال ہے، کیونکہ اس عنوان کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ اگر چہ نماز کے ادا کرنے میں تاخیر کی گئی لیکن اتنی تاخیر نہ تھی کہ جرم شمس میں تغیر پیدا ہو جائے۔

رہا اس کے بعد "فيذهب الذاهب الى العوالي فياتيهم والشمس مرتفعة" یہ بھی ہمارے خلاف نہیں ہے، اس لئے کہ اول تو عوالی وہ چھوٹی چھوٹی بستیاں تھیں جو اطراف مدینہ میں آباد تھیں اور مختلف مسافت پر واقع تھیں، ممکن ہے کہ قائل کی مراد وہ عوالی ہوں جو ایک میل یا اس سے کم مسافت پر واقع تھیں۔

نیز اسکی بھی کوئی تصریح نہیں کہ نماز عصر کے بعد عوالی جانے والے لوگ پیدل جاتے تھے، یا سواری پر؟ پھر پیدل جانے والے تیز چلنے والے ہوتے تھے یا آہستہ آہستہ؟ نیز "فياتيهم والشمس مرتفعة" یہاں "مرتفعة" سے مراد "بيضاء نقية" نہیں ہے، بلکہ جب سورج کے غروب ہونے میں کچھ دیر رہتی ہو تو اس وقت بھی کہا جاتا ہے کہ ابھی سورج اونچا ہے، اسلئے کسی طرح بھی یہ حدیث حنفیہ کے خلاف نہیں ہے، چنانچہ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے فتح الملہم میں لکھا ہے کہ ہمارے ایک استاذ تھے جو دارالعلوم دیوبند میں مدرس تھے، وہ جمعرات کو مثلین کے بعد عصر کی نماز دارالعلوم دیوبند میں پڑھ کر دیوبند سے پیدل روانہ ہوتے اور منگلور جاتے، وہاں پہونچ کر مغرب کی نماز پڑھتے تھے، جب کہ دیوبند اور منگلور کا فاصلہ بارہ میل ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دوسری روایت کا جواب یہ ہے کہ اس میں مابعد الاصفرار وقت مکروہ کا ذکر ہے، اور ہم خود اسی کے قائل ہیں، اس لئے ہمارے خلاف اس حدیث سے استدلال درست نہ ہوگا۔

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کا جواب یہ ہے کہ اس میں جس واقعہ کا ذکر کیا ہے اس کا تمامتر تعلق مہارت اور چابک دستی سے ہے، عالمگیری رحمہ اللہ کے زمانہ کا یہ واقعہ ہے کہ عید الاضحیٰ کی نماز کے بعد وہیں عیدگاہ کے قریب قربانی کی جاتی تھی، اور دس پندرہ منٹ جتنی بھی دیر خطبہ میں لگی تھی، بہر حال خطبہ سے فارغ ہونے کے بعد اسی قربانی کا پکا ہوا گوشت ان کے لئے تیار رہتا تھا، اور وہ نوش فرماتے تھے، اگر چہ یہ دل اور کلیجی وغیرہ کا گوشت ہوتا تھا، لیکن اس کے لئے بھی یہ وقت بہت کم ہے، لہٰذا یہ عین ممکن ہے کہ نحر جزور اور اس کی تقسیم اور اس کو پکا لینے اور کھا لینے کا واقعہ بھی غروب شمس سے پہلے ہو جاتا ہو، اور نماز بھی حنفیہ کے مذہب کے مطابق تاخیر کے ساتھ وقت مستحب میں ادا کی جاتی ہو، اس لئے کہ صلوۃ کے بعد غروب شمس تک کم از کم ایک گھنٹہ ضرور ہوتا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت کے متعلق امام طحاویؒ نے یہ فرمایا ہے: کہ ان کے حجرے کی دیواریں چوں کہ چھوٹی چھوٹی تھیں، اس لئے دھوپ دیر تک صحن میں رہتی تھی، "والشمس فی حجرتی" سے مراد یہی ہے کہ دھوپ دیر تک باقی رہتی تھی، اس لئے اس سے تعجیل ثابت نہ ہوگی، اور اس کی تائید حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول سے ہوتی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جب میں قریب البلوغ تھا تو اس وقت حجرۂ عائشہ کی چھت میرے سر کے قریب ہوتی تھی۔

لیکن ان کا یہ اعتراض صحیح نہیں ہے اسلئے کہ اسکا مدار دیواروں کے چھوٹے اور بڑے ہونے پر ہی ہے، اگر دیواریں چھوٹی ہوں تو صحن چاہے وسیع نہ ہو تب بھی دھوپ دیر تک باقی رہتی ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ام فروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایات کا جواب وہی ہے جو صلوۃ فجر اور ظہر میں آچکا ہے، یعنی یا تو وقت مستحب کا اول مراد ہے، اور یا یہ حکم مع قطع النظر عن العوارض ہے۔(نفحات التنقیح: ۲۳۲/۲ تا ۲۴۰/۲)

﴿الفصل الاول﴾

مستحب اوقات کی وضاحت

﴿۵۴۱﴾ وَعَنْ سَيَّارِ بْنِ سَلاَمَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ قَالَ دَخَلْتُ اَنَا وَاَبِيْ عَلٰى اَبِيْ بَرْزَةَ الْاَسْلَمِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَقَالَ لَهُ اَبِيْ كَيْفَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الْمَكْتُوْبَةَ فَقَالَ كَانَ يُصَلِّي الْهَجِيْرَ الَّتِيْ تَدْعُوْنَهَا الْاُوْلٰى حِيْنَ تَدْحَضُ الشَّمْسُ وَيُصَلِّي الْعَصْرَ ثُمَّ يَرْجِعُ اَحَدُنَا اِلٰى رَحْلِهٖ فِيْ اَقْصَى الْمَدِيْنَةِ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ وَنَسِيْتُ مَاقَالَ فِي الْمَغْرِبِ وَكَانَ يَسْتَحِبُّ اَنْ يُّؤَخِّرَ الْعِشَاءَ الَّتِيْ تَدْعُوْنَهَا الْعَتَمَةَ وَكَانَ يَكْرَهُ النَّوْمَ قَبْلَهَا وَالْحَدِيْثَ بَعْدَهَا وَكَانَ يَنْفَتِلُ مِنْ صَلٰوةِ الْغَدَاةِ حِيْنَ يَعْرِفُ الرَّجُلُ جَلِيْسَهٗ وَيَقْرَأُ بِالسِّتِّيْنَ اِلَى الْمِائَةِ وَفِيْ رِوَايَةٍ وَلَايُبَالِيْ بِتَاخِيْرِ الْعِشَاءِ اِلٰى ثُلُثِ اللَّيْلِ وَلَايُحِبُّ النَّوْمَ قَبْلَهَا وَالْحَدِيْثَ بَعْدَهَا۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۷۷/ ۱، باب فی وقت الظهر عند الزوال، کتاب مواقیت الصلوة، حدیث نمبر: ۵۴۱/ مسلم شریف: ۲۳۰/ ۱، باب استحباب التبکیر بالصبح فی اول وقتها، کتاب المساجد، حدیث نمبر: ۶۴۷۔

حل لغات: الهجیرُ گرمی کی دوپہر، ج: هُجُرٌ، تدحضُ (ف) الشمس عن وسط السماء مغرب کی طرف مائل ہونا۔ حَيَّةٌ: حَيٌّ کا مؤنث ہے، زندہ۔

ترجمہ: حضرت سیار بن سلامہ رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ میں اور میرے والد حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے تو ان سے میرے والد نے کہا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرض نمازیں کیسے پڑھتے تھے؟ تو حضرت ابو برزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ظہر کی نماز جس کو تم لوگ پہلی نماز کہتے ہو، اس وقت پڑھتے تھے جب سورج ڈھل جاتا تھا، اور عصر کی نماز پڑھتے تھے پھر ہم میں کا کوئی آدمی مدینہ طیبہ کے آخری حصہ میں گھر لوٹ جاتا تھا، درانحالیکہ سورج روشن ہوتا تھا، حضرت ابو سیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ابو برزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مغرب کی نماز کے بارے میں جو کہا وہ میں بھول گیا، اور عشاء کی نماز کہ جس کو تم لوگ عتمہ کہتے ہو، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس میں تاخیر کو پسند فرماتے تھے، اور عشاء سے پہلے سونے کو اور عشاء کے بعد بات چیت کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ناپسند فرماتے تھے، اور فجر کی نماز اس وقت ادا فرماتے تھے جب کوئی شخص اپنے ہم نشین کو پہچان لیتا ہے، اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس نماز میں ساٹھ سے سو آیتوں تک قراءت فرماتے تھے، اور ایک روایت میں الفاظ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عشاء کی نماز تہائی رات تک مؤخر کرنے میں کوئی پرواہ نہیں کرتے تھے اور عشاء سے پہلے سونے کو اور عشاء کے بعد بات چیت کو پسند نہیں فرماتے تھے۔

تشریح: یصلی الهجیرة: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سورج ڈھلنے کے بعد ظہر کی نماز ادا فرماتے تھے، یہاں سردی وگرمی کے موسم کی تفریق نہیں ہے، حقیقت یہ ہے کہ شروع میں مسجد نبوی میں ظہر کی نماز اول وقت میں ہوتی تھی، کچھ عرصہ کے بعد جب اوقات ذہن نشین ہو گئے تو گرمی کے موسم میں ظہر کی نماز کے لئے ''ابراد'' کا حکم ہوا، یعنی ظہر میں تاخیر سے نماز پڑھنے کا حکم ہوا۔ (تفصیل اوپر گذر چکی)

ویصلی العصر ثم یرجع احدنا: عصر کی نماز پڑھ کر سورج میں تغیر

آنے سے پہلے یعنی اس کی سفیدی اور تیزی ختم ہونے سے پہلے اپنے گھروں کو پہونچ جاتے تھے، بعض لوگوں کے گھر مدینے کے آخری سرے پر تھے، مسجد نبوی سے اقصاء مدینہ کا فاصلہ اس وقت چار میل تھا، اور یہ فاصلہ مثل ثالث میں نماز پڑھ کر با آسانی طے کیا جا سکتا ہے۔

لہٰذا حدیث باب سے عصر کی تعجیل پر استدلال درست نہیں، اور جمہور کی دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ "الشمس مرتفعة حية" کا جملہ تعجیل صلوۃ عصر پر دلالت نہیں کرتا، بلکہ اس سے تاخیر سمجھ میں آتی ہے، کیونکہ اس عنوان کا مقصد ہی یہی ہے کہ اگر چہ نماز عصر کی ادائیگی میں تاخیر کی گئی لیکن اتنی تاخیر نہیں کی گئی کہ سورج میں تغیر پیدا ہو جاتا۔

ونسیت ماقال فی المغرب: حضرت ابو برزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سیار سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مغرب کی نماز سے متعلق معمول بھی بیان کیا تھا، لیکن حضرت سیار رحمۃ اللہ علیہ اس کو بھول گئے، مغرب کی نماز کا مستحب وقت باتفاق فقہاء سورج غروب ہونے کے فوراً بعد ہو جاتا ہے۔

وکان یستحب ان یؤخر العشاء التی تدعونها العتمة: عشاء کی نماز کو دیہاتی لوگ "عتمہ" کہتے ہیں، لیکن بعد میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس نام سے منع فرمادیا، عربی زبان میں عتمہ اس تاریکی کو کہتے ہیں جو شفق غائب ہو جانے کے بعد چھا جاتی ہے۔

عشاء کا مستحب وقت اور اختلاف ائمہ

بعض لوگ عشاء کی نماز کے وقت مستحب میں اختلاف ائمہ نقل کرتے ہیں اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ صلوۃ العشاء میں بالاتفاق تاخیر الی الثلث اللیل مستحب ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کا مذہب: امام صاحبؒ کے نزدیک ثلث لیل تک عشاء کو مؤخر

کرنا مستحب ہے۔

دلیل: ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے: "**لو لا ان اشق علی امتی لامرتھم ان یؤخروا العشاء الی ثلث اللیل او نصفہ**" (ترمذی)

شوافع کا مذہب: بقول بعض فقہائے شافعیہ امام شافعیؒ کے نزدیک تمام نمازوں میں تعجیل افضل ہے، چنانچہ عشاء میں بھی وہ تعجیل کو افضل قرار دیتے ہیں۔

دلیل: "**کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یصلیھا ای العشاء لسقوط القمر الثالثۃ**" (ابوداؤد) چونکہ تیسری رات کا چاند شفق کے ساتھ ہی غروب ہوجاتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عشاء کی نماز جلدی ادا کرتے تھے۔

جواب: تیسری رات کا چاند جلدی غروب نہیں ہوتا ہے، بلکہ کافی دیر بعد غروب ہوتا ہے لہٰذا یہ استدلال صحیح نہیں ہے۔

وکان یکرہ النوم قبلھا والحدیث بعدھا: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عشاء کی نماز سے پہلے سونے کو ناپسند فرماتے تھے۔

نوم قبل العشاء اور حدیث بعد العشاء کی تفصیل

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں اکثر اہل علم کے نزدیک نوم قبل العشاء مکروہ ہے، اور بعضوں کے نزدیک اس میں رخصت ہے، اور بعض علماء نے صرف رمضان میں اجازت دی ہے، ابن سید الناس فرماتے ہیں کہ بعض حضرات اس میں متشدد ہیں، جیسے حضرت عمر، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اسی کو اختیار کیا ہے، امام مالکؒ نے، اور بعض نے اس میں گنجائش رکھی ہے، جیسے حضرت علی، اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور یہی مذہب ہے

کوفیین کا، اور امام طحاوی وغیرہ بعض علماء نے جواز نوم کے لئے شرط لگائی ہے کہ اگر بیدار کرنے کے لئے کسی کو متعین کردے تب جائز ہے، امام نوویؒ نے امام مالک اور شافعیہ دونوں کا مسلک کراہت لکھا ہے۔

و الحدیث بعدھا: یعنی عشاء کی نماز کے بعد بات کرنے کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکروہ سمجھتے تھے، امام نوویؒ نے علماء کا حدیث بعد العشاء کی کراہت پر اتفاق نقل کیا ہے، الا یہ کہ کسی امر خیر میں ہو، سعید بن المسیب سے منقول ہے: **"لان انام عن العشاء احب الی من اللغو بعدھا"** کہ میں بغیر عشاء پڑھے سو جاؤں اس کو بہتر سمجھتا ہوں اس سے کہ نماز عشاء کے بعد فضول باتیں کروں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ **سمر بعد العشاء** پر لوگوں کی پٹائی کیا کرتے تھے، اور فرماتے تھے: **"اسمرا اول اللیل و نوما آخرہ"** کہ شروع رات میں باتیں کر رہے ہو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اخیر شب میں سوتے رہ جاؤ گے تہجد فوت ہوگا۔

لیکن واضح رہے کہ علماء نے اس کراہت کو مقید کیا ہے بیکار اور فضول بات پر، مفید بات جس میں کوئی دینی مصلحت ہو یا علمی مذاکرہ وغیرہ وہ اس میں داخل نہیں، امام ترمذیؒ نے **سمر بعد العشاء** میں علما کا اختلاف نقل کیا ہے، اور یہ بھی فرمایا ہے کہ اکثر احادیث سے رخصت معلوم ہوتی ہے، اور انہوں نے اس سلسلہ کی ایک حدیث مرفوع بھی نقل کی ہے، **"لا سمر الا لمصل او مسافر"** یعنی جو شخص نفلیں پڑھنے کے لئے جاگ رہا ہو اس کو اگر نیند آنے لگے تو اپنے ساتھی سے باتیں کر سکتا ہے، ایسے ہی مسافر حالت سفر میں قطع مسافت کی سہولت کے لئے بات کر سکتا ہے، نیز ایک روایت میں مصلی اور مسافر کے ساتھ عروس کا بھی اضافہ ہے کہ اپنی دلہن کے ساتھ اس کی دل بستگی کے لئے **سمر بعد العشاء** کی اجازت ہے، اسی طرح حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں کا **سمر بعد العشاء** روایات میں موجود ہے، امام بخاریؒ نے بھی **"باب السمر**

فی العلم" ترجمہ قائم کیا ہے، غرضیکہ منع کی روایات کو غیر مفید اور غیر ضروری بات کے ساتھ مقید ماننا پڑیگا۔ (الدر المنضود: ۲/۱۹)

ایسی گفتگو جس کا تعلق احتیاج سے ہو، اسی طرح علمی واصلاحی گفتگو نیز مہمانوں سے گفتگو مکروہ نہیں ہے، بلکہ اسکی اجازت ہے۔ نیز اپنی دلہن کے ساتھ اسکی دل بستگی کیلئے سمر بعد العشاء کی اجازت ہے۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: (مرقاۃ، بذل المجہود: ۲۳۴/۱، الدر المنضود: ۲/۱۹)

وکان ینفتل من صلوۃ الغداۃ حین یعرف الرجل جلیسہ: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فجر کی نماز ایسے وقت میں پڑھتے تھے کہ اپنے قریب بیٹھا ہوا آدمی پہچان لیا جاتا تھا، مسجد نبوی کی چھت نیچی تھی، روشنی کا کوئی نظم نہیں تھا، اس کے باوجود بغل میں بیٹھے ہوئے آدمی کی شناخت ہو جاتی تھی، معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معمول فجر کی نماز اسفار میں ادا کرنے کا تھا اور یہی ہمارا مذہب ہے۔ تفصیل اوپر گذر چکی۔

نمازیوں کی رعایت میں تعجیل وتاخیر

﴿۵۴۲﴾ وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُم قَالَ سَأَلْنَا جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنْ صَلٰوةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَانَ يُصَلِّي الظُّهْرَ بِالْهَاجِرَةِ وَالْعَصْرَ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ وَالْمَغْرِبَ إِذَا وَجَبَتْ وَالْعِشَاءَ إِذَا كَثُرَ النَّاسُ عَجَّلَ وَإِذَا قَلُّوْا اَخَّرَ وَالصُّبْحَ بِغَلَسٍ۔ (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف: ۸۰/ ۱، باب وقت العشاء اذا اجتمع الناس،

کتاب مواقیت الصلوۃ، حدیث نمبر:۵۶۵۔مسلم شریف: ۲۳۰/ ۱، باب استحباب التبکیر بالصبح فی اول وقتھا، کتاب المساجد، حدیث نمبر:۶۴۶۔

ترجمہ: حضرت محمد بن عمرو بن حضرت حسن بن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم بیان کرتے ہیں کہ ہم نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نماز کے بارے میں پوچھا، تو انہوں نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ظہر کی نماز دوپہر ڈھلتے ہی پڑھتے اوعصر کی نماز اس حال میں پڑھتے کہ سورج روشن ہوتا، اورمغرب کی نماز جوں ہی واجب ہوتی، (سورج چھپنے کے فوراًبعد) پڑھتے اورعشاء کی نماز جب لوگ زیادہ ہوتے جلدی پڑھتے، اور جب کم ہوتے تاخیر سے پڑھتے، اورصبح کی نماز تاریکی میں پڑھتے۔

تشریح: یصلی الظھر بالھاجرۃ: اس جملہ کی تشریح میں دوقول ہیں:

(۱)......ظہر نصف نہار کے بعد پڑھتے تھے۔

(۲)......اول وقت میں پڑھتے تھے۔

الشمس حیۃ: عصر کی نماز اس حال میں پڑھتے تھے کہ سورج کی روشنی باقی ہوتی تھی۔

والمغرب اذا وجبت: معلوم ہوا کہ مغرب کی نماز ہر زمانہ اور ہر موسم میں اول وقت میں پڑھنا چاہئے کہ اس کو زیادہ مؤخر کرنا درست نہیں؛ البتہ اگر کوئی مغرب اول وقت میں شروع کرے اور پھر طول قراءت کی وجہ سے دیر ہوجائے، تو شفق کے ڈوبنے تک کراہت نہیں ہے۔

والعشاء اذا کثر الناس: معلوم ہوا کہ عشاء کی نماز کے لئے اول وقت لازم نہیں ہے، بلکہ ضرورت کے وقت تقدیم وتاخیر کی جائے گی، اگر کثرت جماعت کے قصد

سے تاخیر کی جا رہی ہے تو یہ افضل ہے، امام صاحب نے نمازوں کو اول وقت میں پڑھنے کا جو التزام نہیں کیا ہے وہ اسی سبب سے ہے، یعنی حق مصلین کی رعایت کو اولیٰ قرار دیا ہے۔

والصبح بغلس: حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ فجر غلس میں پڑھتے تھے، بلکہ جب مصلین غلس میں جمع ہو جاتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غلس میں نماز ادا فرماتے تھے، یا ابتداء میں یہ معمول تھا۔ (باقی تفصیل اوپر گذر چکی)

فائدہ: حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ جہاں تک ممکن ہو امام کو مقتدیوں کی رعایت کرنا چاہئے۔

کپڑوں پر سجدہ

﴿۵۴۳﴾ وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ کُنَّا اِذَا صَلَّیْنَا خَلْفَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِالظَّهَائِرِ سَجَدْنَا عَلٰی ثِیَابِنَا اِتِّقَاءَ الْحَرِّ۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۷۷/۱، باب وقت الظهر عند الزوال، کتاب مواقیت الصلوة، حدیث نمبر: ۵۴۲۔ مسلم شریف: ۲۲۵/۱، باب استحباب تقدیم الظهر فی اول الوقت فی غیر شدة الحر، کتاب المساجد، حدیث نمبر: ۶۲۰۔

ترجمه: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ جب حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ظہر کی نماز پڑھتے تھے تو گرمی سے بچنے کے لئے ہم اپنے کپڑوں پر سجدہ کرتے تھے۔

تشـــریح: صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جب ظہر کی نماز پڑھتے تھے تو اتنی شدید گرمی ہوتی تھی کہ ان کو زمین پر سجدہ کرنے کے لئے کپڑا بچھانا پڑتا تھا، گرمی کی شدت سے بظاہر یہ مفہوم معلوم ہوتا ہے کہ نماز اول وقت میں ہوتی تھی، اس وجہ سے کہ عام طور پر یہی گرمی کی شدت کا وقت ہوتا ہے۔

یہ حدیث شوافع کا مستدل ہے، لیکن یہ احناف کے بھی خلاف نہیں ہے، اس لئے کہ سخت گرمی کے زمانہ میں ایک مثل بلکہ دو مثل پر بھی خالی پتھر اور سنگریزوں پر بلکہ کپڑا بچھائے سجدہ کرنا دشوار ہوتا ہے۔

الظھائر: "ظھر" کی جمع ہے، جمع لانے کا مقصد یہ ہے کہ ہر روز ظہر کی نماز اسی وقت میں پڑھی جاتی تھی۔

علی ثیابنا: اپنے کپڑوں پر سجدہ کرتے تھے، اکثر فقہاء کی رائے یہ ہے کہ اس سے نمازی کے اپنے پہنے ہوئے کپڑے مراد ہیں، معلوم ہوا کہ نمازی کو اپنے پہنے ہوئے کپڑے پر سجدہ کرنا درست ہے۔ احناف کا مذہب یہی ہے کہ حدیث پاک سے احناف کی تائید ہوتی ہے، اس لئے کہ حدیث پاک سے ظاہر ہوتا ہے کہ پہنے ہوئے کپڑے مراد ہیں۔

حضرات شوافع اس کپڑے پر سجدہ کرنے کو جائز نہیں سمجھتے جو نمازی کے حرکت کرنے سے ہلتا ہو، لہٰذا وہ اس عبارت کی تاویل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہاں نمازی کے پہنے ہوئے کپڑے مراد نہیں ہیں، بلکہ نمازی زمین کی گرمی سے بچنے کیلئے الگ کپڑے بچھایا کرتے تھے وہ مراد ہے۔

جہنم کی شکایت

﴿۵۴۴﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَاَبْرِدُوْا بِالصَّلٰوةِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيْ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ بِالظُّهْرِ فَاِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ وَاشْتَكَتِ النَّارُ اِلٰى رَبِّهَا فَقَالَتْ رَبِّ اَكَلَ بَعْضِيْ بَعْضًا فَاَذِنَ لَهَا بِنَفَسَيْنِ نَفَسٍ فِي الشِّتَاءِ وَنَفَسٍ فِي الصَّيْفِ اَشَدُّ مَا تَجِدُوْنَ مِنَ الْحَرِّ وَاَشَدُّ مَا تَجِدُوْنَ مِنَ الزَّمْهَرِيْرِ (متفق عليه) وَفِيْ رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ فَاَشَدُّ مَاتَجِدُوْنَ مِنَ الْحَرِّ فَمِنْ سَمُوْمِهَا وَاَشَدُّ مَاتَجِدُوْنَ مِنَ الْبَرْدِ فَمِنْ زَمْهَرِيْرِهَا۔

حوالہ: بخاری شریف:۷۷/ ۱، باب الابراد بالظهر فی شدة الحر، کتاب مواقیت الصلوة، حدیث نمبر:۵۳۶۔مسلم شریف:۲۲۴/ ۱، باب استحباب الابراد بالظهر فی شدة الحر، حدیث نمبر:۶۱۵۔

حل لغات: فیحِ فَاحَ (س)فیحًا، کشادہ ہونا، پھیلنا،(ض) الحرُّ گرمی سخت ہونا،واشتکت، شکایت(ن) شکواً فلاناً الی فلان بکذا. کسی سے کسی کی کوئی شکایت کرنا،زمهریر، سخت سردی،جہنم کے ایک شدید سردی والے طبقہ کا نام ہے۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:''کہ جب گرمی سخت ہوتو نماز ٹھنڈے وقت میں پڑھو''اور بخاری شریف کی ایک روایت جوحضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے اس میں (بالصلوٰۃ کے بجائے)بالظہر ہے،اس لئے کہ گرمی کی شدت دوزخ کے جوش کی وجہ سے ہے،اور جہنم نے اپنے رب سے شکایت کی؛ چنانچہ اس نے کہامیرے رب میرے بعض نے بعض کو کھالیا،پس اللہ تعالیٰ نے جہنم کو دو سانسیں لینے کی اجازت دے دی،ایک سانس جاڑے میں اور ایک سانس گرمی میں،تو گرمی کی وہ بہت زیادہ شدت جوتم پاتے ہو اور سردی

کی وہ بہت زیادہ شدت جو تم پاتے ہو (انہیں دونوں سانسوں کی وجہ سے ہے) (بخاری ومسلم) اور بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ گرمی کی وہ بہت زیادہ شدت جو تم پاتے ہو وہ دوزخ کی گرم سانس کی وجہ سے اور جاڑے کی وہ بہت زیادہ شدت جو تم پاتے ہو وہ دوزخ کی ٹھنڈی سانس کی وجہ سے ہے۔

تشریح: فابردوا بالصلوۃ: ''ابراد بالصلوۃ'' کا مطلب یہ ہے کہ جب گرمی کی شدت ہو تو ظہر کی نماز وقت اخیر میں ادا کی جائے، کیونکہ وقت اخیر میں گرمی کی شدت میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔

اشکال مع جواب

اشکال: بعض لوگ حنفیہ پر اشکال کرتے ہیں کہ "ابراد بالصلوٰۃ" کا حکم عام نہیں ہے، بلکہ یہ ان لوگوں کے لئے رخصت ہے جو دور دراز سے سفر طے کر کے مسجد آتے تھے، جو شخص تنہا نماز ادا کرے یا اپنے محلے کی قریبی مسجد میں نماز ادا کرے تو اس کے لئے یہ حکم نہیں ہے، وہ تو اول وقت میں ہی نماز ادا کرے، حنفیہ ایک خاص حکم کو عام کیوں کر رہے ہیں؟

جواب: "ابراد بالصلوٰۃ" کا حکم خاص نہیں ہے اور اس کو بعض لوگوں کے حق میں رخصت قرار دینا درست نہیں ہے؛ بلکہ یہ حکم عام ہے، امام ترمذیؒ نے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوران سفر باوجودیکہ سب لوگ یکجا ہوتے کسی کو دور دراز سے نہ آنا ہوتا، ابراد کا حکم فرماتے تھے، معلوم ہوا کہ ابراد کا حکم دور دراز سے مسجد میں آنے والوں کے لئے خاص نہیں ہے، امام ترمذیؒ مزید لکھتے ہیں کہ جو حضرات گرمی کی شدت میں ظہر میں تاخیر کے قائل ہیں ان کا مذہب اقرب الی الصواب ہے۔

ابراد بالصلوۃ کی حکمت

سوال: ابراد بالصلوٰۃ کی تاکید اتنی کیوں ہے؟

جواب: ابراد کا حکم کئی وجہوں سے ہے۔

(۱)......نماز درحقیقت پروردگار عالم کے ساتھ مناجات اور سرگوشی ہے، شدت گرمی میں سکون قلب میسر نہ ہونے کی وجہ سے ٹھیک طرح سے مناجات نہیں ہو پائیگی، لہٰذا ابراد کا حکم دیا گیا۔ اسلئے کہ محبوب سے ملاقات کیلئے معتدل وقت زیادہ مناسب ہوتا ہے۔

(۲)......شدت گرمی غضب خداوندی کے مظاہرہ کا وقت ہے اس لئے اس وقت سے مؤخر کر کے ٹھنڈے وقت میں ظہر کی ادائیگی کو مستحب قرار دیا ہے۔ اس لئے کہ بادشاہ کے غصہ اور ناراضگی کے وقت اس کے سامنے حاضری مناسب نہیں ہوتی۔

من فیح جھنم: فیح کے معنی کشادگی کے ہیں، اور مراد گرم سانس، گرم جھونکا، لپیٹ وغیرہ۔

و اشتکت النار: جہنم نے پروردگار عالم سے شکایت کی، یہ شکایت حقیقت ہے یا مجاز یعنی جہنم نے زبان قال سے شکایت کی یا زبان حال سے، اس سلسلہ میں دونوں طرح کے اقوال ہیں، چونکہ معنی حقیقی مراد لینا عقلاً ممکن ہے عقلاً اور شرعاً کوئی مانع موجود نہیں ہے، اللہ تعالیٰ جس چیز کو چاہے بولنے کی طاقت دے سکتے ہیں، اس لئے اس کو حقیقت پر محمول کرنا زیادہ بہتر ہے۔

جہنم کی شکایت کی وجہ

سوال: جہنم نے شکایت کیوں کی؟

جــواب: یہ بات تو حق تعالیٰ ہی زیادہ بہتر جانتے ہیں کہ جہنم نے کیوں شکایت کی، البتہ لوگوں کے سامنے اس کو اس واسطے بیان کر دیا، تا کہ لوگوں کو جہنم کی شدت معلوم ہو جائے اور وہ اعمال بد سے توبہ کریں اور اعمال صالحہ اختیار کریں۔

اکل بعضی بعضا: جہنم کے بعض اجزاء بعض اجزاء کو کھا رہے ہیں، یہ جملہ آگ کی شدت سے کنایہ ہے، اس لئے کہ آگ کا خاصہ ہے کہ دوسری چیز کو کھا جاتی ہے، اور جب اس کو کوئی دوسری چیز نہیں ملتی تو اپنے آپ کو کھانا شروع کر دیتی ہے۔

فاذن لھا نفسین: اللہ تعالیٰ نے جہنم کو دو سانسیں لینے کی اجازت دی، جہنم کے دو طبقے ہیں۔(۱)......طبقۂ نار۔(۲)......طبقۂ زمہریر۔

طبقۂ نار کی سانس سے جہنم گرمی پھینکتی ہے، جب کہ طبقۂ زمہریر کی سانس سے سردی پھیلتی ہے، یہاں صرف طبقۂ نار کی شکایت کا ذکر ہے، لیکن بخاری شریف کی جس روایت کا صاحب مشکوۃ نے ذکر کیا ہے اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ جس طرح طبقۂ نار کو شدت گرمی کی شکایت ہوگئی تھی، اس طرح زمہریر کو شدت سردی کی شکایت ہوگئی تھی، اللہ تعالیٰ نے دونوں کو ایک ایک سانس لینے کی اجازت دے دی، دنیا میں شدت گرمی طبقۂ نار کی سانس کا اثر ہے جب کہ شدت سردی طبقۂ زمہریر کی سانس کا اثر ہے۔

اشکال مع جواب

اشــکــال: تجربہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ دنیا میں گرمی اور سردی نظام شمس کے تحت ہے، سورج کا قرب اور بعد گرمی اور سردی کا سبب ہے، لہٰذا گرمی اور سردی کا سبب جہنم کی سانسوں کو قرار دینا بظاہر سمجھ میں نہیں آتا۔

جــواب: (۱)......اسباب میں کوئی جھگڑا نہیں ہوتا، ایک چیز کے کئی سبب ہو سکتے ہیں،

گرمی اور سردی پڑنے کا ایک سبب قرب شمس اور بعد شمس ہے، جس کو ہمارے تجربات نے متعین کیا ہے، اور یہ صحیح بھی ہے اور ایک دوسرا سبب جہنم کا سانس لینا ہے، جس کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیان کیا ہے، وہ بھی برحق ہے۔

(۲)......گرمی اور سردی کی شدت کا اصلی اور حقیقی سبب تو وہی ہے جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، کیونکہ سردی اور گرمی کا اصلی خزانہ جہنم ہی ہے، لیکن دنیا میں اس کی تقسیم سورج کے ذریعہ کی گئی ہے، چنانچہ قرب شمس اور بعد گرمی اور سردی پھیلانے کے لئے واسطہ ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حقیقی سبب کی طرف اشارہ کیا ہے، وہ بھی صحیح ہے، اور ہم واسطے کو سبب کہتے ہیں وہ بھی صحیح ہے۔

دوسرا اشکال: اب سوال یہ پیدا ہوا کہ اگر یہ بات ہے کہ سورج میں گرمی "فیح جہنم" سے آرہی ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ ایک علاقہ میں سردی اور دوسرے علاقے میں گرمی ہوتی ہے؟

حضرت شاہ صاحبؒ کی توجیہ

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی یہ توجیہ فرمائی کہ جہنم کو اللہ تعالیٰ نے دو سانس لینے کی اجازت دی، ایک سردی میں اور ایک گرمی میں، تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی یہ توجیہ فرمائی کہ یہ دونوں سانس صرف باہر کی طرف نہیں ہیں، بلکہ ایک اندر کی طرف ہے اور دوسرا باہر کی طرف، تو جب اندر کی طرف سانس لیا تو اس نے ایک علاقہ سے گرمی کھینچی اسلئے وہاں سردی ہوگئی اور جب باہر کی طرف سانس لیا تو جہاں پھینکا وہاں گرمی ہوگئی۔

بعض حضرات نے فرمایا: کہ "من فیح جھنم" میں "من" نہ تبعیض کے لئے ہے، نہ سببیت کے لئے، بلکہ یہ تشبیہ کے لئے ہے، اور مطلب یہ ہے کہ گرمی **فیح جھنم** کا مشابہ

ہے، لہٰذا مذکورہ اشکال وارد ہی نہیں ہوتا۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم کا ارشاد

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم انعام الباری میں ارشاد فرماتے ہیں: لیکن مجھے یوں معلوم ہوتا ہے واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم کہ ان سب تکلفات کی چنداں حاجت نہیں، یہ ساری کوششیں اس بات کی ہورہی ہیں کہ حدیث میں جو بات کہی گئی ہے اس کو سائنٹیفک حقائق پر منطبق کردیا جائے اور اس انطباق میں تکلفات سے کام لیا جارہا ہے۔

مجھے یوں معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جو یہ ارشاد ہے: "**فان شدة الحر من فيح جهنم**" اسکا تعلق عالم غیب سے ہے، اور ہمیں یہاں جو اسباب نظر آتے ہیں وہ عالم مشاہدہ کے ہیں، ہم اپنی ظاہری نظروں سے جن اسباب کا ادراک کرپاتے ہیں وہی ہمارے مشاہدہ میں آتے ہیں اور ہمارا علم ہماری تحقیقات ہماری سائنس اسی کے اندر محدود ہے۔

اور قرآن کریم یا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادات وہ عالم غیب سے متعلق ہیں، اور عالم غیب کی کنہ اور حقیقت ہم اپنی اس محدود عقل سے نہیں پاسکتے، اس کی حقیقت ہماری سمجھ سے باہر ہے، جیسے جنت اور نار کی حقیقت ہماری سمجھ سے باہر ہے، جبکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "**ماخطر علی قلب بشر**" کسی بشر کے دل پر اس کا واہمہ بھی نہیں گذرا، تو جس چیز کا واہمہ ہی نہیں گذرا اس کا تصور کیسے کرسکتے ہیں، اور اس کی حقیقت کیسے پاسکتے ہیں، یہ سب عالم غیب ہے، اور اس عالم غیب کے حقائق کو ہم اپنے دنیاوی مشاہدات پر منطبق کریں گے تو وہ نہیں منطبق ہوں گے، اس کو منطبق کرنے کے لئے جتنی توجیہات کریں بعض اوقات وہ توجیہات اتنی آگے بڑھ جاتی ہیں کہ اس پر دل

مطمئن نہیں ہوتا اور بعض اوقات مضحکہ خیز معلوم ہوتی ہیں۔

وہ اس وجہ سے نہیں کہ معاذ اللہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کلام میں کوئی بات قابل اعتراض ہوتی ہے، بلکہ اس وجہ سے کہ ہم عالم غیب کے نا قابل ادراک حقائق کو اس عالم مشاہدہ کے محدود علم پر منطبق کرنا چاہ رہے ہیں، اس سے ساری گڑبڑ اور سارے اشکالات پیدا ہوتے ہیں۔

خلاصۂ کلام

سیدھی سی بات یہ ہے کہ جو حقیقت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے وہ ہماری اس عقل محدود سے بالاتر ہے، اس کی کنہ اور حقیقت ہم پہچان ہی نہیں سکتے، حدیث میں جتنی عالم غیب کی باتیں آئی ہیں ان عالم غیب کی باتوں کو تم اپنے سائنسی تجربات پر منطبق کرنا چاہو گے تو یہ اشکال پیدا ہوگا۔

یہ حقیقت عالم الغیب کی ہے، اور اس کی حقیقت اللہ جل شانہ یا اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جانتے ہیں اور یہ بات کہ کوئی کہے ہم اس کی تشریح اس لئے کرنا چاہتے ہیں تا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر سے یہ اشکال رفع ہو جائے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک غیر سائنٹیفک بات کہہ دی، یا ایسی بات کہہ دی جو سائنس کے نظریوں کے خلاف ہے، تو یہ حماقت کی بات ہے۔

اس واسطے یہ بات کہ ظاہری اعتبار سے گرمی سورج کے ذریعہ آتی ہے یہ وہ بات ہے جو بچہ بھی جانتا ہے یہ بدیہیات میں سے ہے، کیا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر یہ حقیقت واضح نہیں تھی کہ گرمی سورج سے ہوتی ہے، اور شام کو جب سورج غروب ہوتا ہے تو ٹھنڈک ہو جاتی ہے اور سورج قریب آتا ہے تو گرمی ہو جاتی ہے، اس کے باوجود حضور اکرم

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کو برقرار رکھ کر ہتلا رہے ہیں کہ تمہاری نظریں اس چھوٹے سے دائرہ کے اندر دیکھ رہی ہیں اور شروع سے آخر تک سب کچھ نظر آ رہا ہے، لیکن عالم غیب کی حقیقت حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو دو سانسوں کی اجازت دی ہے، ایک گرمی میں لیتی ہے، اور ایک سردی میں لیتی ہے۔

اب یہ کہ اس سانس کی کیفیت اور کنہ کیا ہے؟ ہم اور آپ کیسے پہچان سکتے ہیں؟ جب کہ ہمیں جنت کی حقیقت اور نار کی حقیقت معلوم نہیں، اگر ہم میں سے کوئی کہے کہ جہنم کا نقشہ کھینچو، تو نہیں کھینچ سکتے، اس لئے کہ ہمیں اس کی حقیقت اور کنہ معلوم نہیں، جب اس کی حقیقت معلوم نہیں تو اس کے سانس لینے کی کنہ کیسے معلوم ہو سکتی ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس کو جو دو سانس لینے کی اجازت دی ہے اس کا مطلب کیا ہے؟ چھ ماہ میں ایک سانس اور چھ ماہ میں دوسرا سانس، اس کی حقیقت کیا ہے؟

جتنے بھی قیاسات کے گھوڑے دوڑائے جائیں گے اس سے حقیقت تک رسائی نہیں ہو سکتی، سیدھی سی بات یہ ہے کہ نبی کریم سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو بات ارشاد فرمائی ہے وہ عالم غیب کی بات ہے، جو ہماری اس محدود عقل کے ادراک میں آ ہی نہیں سکتی، لہٰذا اس کی تفصیل، اس کی کنہ، اس کی حقیقت اور اس کی جزئیات میں غور و خوض کرنا، یہ اپنے مقام سے تجاوز کرنے کے مترادف ہے۔

مزید توضیح

اب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرما دیا کہ: **"ان یوما عند ربک کالف سنة مما تعدون"** کہ تمہاری گنتی کے حساب سے ایک دن ہزار سال کے برابر ہے، اب اس کو سائنٹیفک طریقہ پر منطبق کریں کہ ہزار سال کا دن جب کہ شمس و قمر کا دورہ چل رہا ہے، اور اس میں چوبیس

گھنٹے میں رات دن بن رہے ہیں، اس میں کہا جارہا ہے کہ ایک دن ہزار سال کے برابر ہے۔

''یوم'' سورج کے طلوع وغروب ہونے کا نام ہے،تو اس ایک ہزار سال کو سورج کے طلوع وغروب ہونے پر منطبق کریں، جو ہمیں نظر آرہا ہے،تو نہیں کر سکتے، اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ یہ عالم الغیب کی بات ہے،اوراس کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔

اس میں کوئی شک وشبہ کی بات نہیں کہ یہ حق ہے کیونکہ مخبر صادق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خبر دی ہے، لیکن اس حق کی کنہ اور حقیقت و ماہیت کیا ہے؟ یہ ہمارے ادراک میں نہیں آسکتی، اگر یہ نکتہ ذہن نشین ہوجائے تو قرآن وحدیث کی بے شمار آیات جن کے بارے میں لوگ طرح طرح کی تأویلات کرتے رہتے ہیں تاکہ اس کو سائنٹیفک طریقہ پر منطبق کریں، اس کی چنداں حاجات نہ رہے۔

دعوت فکر

میں اس پر ایمان رکھتا ہوں کہ جو بات قرآن کریم نے یا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی وہ حق ہے، البتہ اس کی کنہ کا ہماری سمجھ میں آنا ضروری نہیں، اور نہ ہم اس کے مکلف ہیں، ہم سے قبر میں یہ سوال نہیں ہوگا کہ "شدة الحر من فيح جهنم" کا کیا مطلب ہے؟ یہ بتاؤ، نہ حشر میں پوچھا جائے گا نہ حساب وکتاب اس بنیاد پر ہوگا، اس پر ایمان یا عمل کا کوئی مسئلہ موقوف نہیں، لہٰذا اس کی کنہ میں پڑنا اوراس کی تحقیق میں غور وخوض کرنا اس کی چنداں حاجت نہیں،''ولا تقف ماليس لك به علم" جو بھی آیا ہے جیسا بھی آیا ہے اور اس کی جو بھی کنہ ہے وہ حق ہے، اس پر ایمان واجب ہے، لہٰذا یہ توجیہات ہیں کہ یوں ہوتا ہوگا، اوراس طرح سانس لیتی ہوگی اوراس طرح اس کی گرمی اور ٹھنڈک پیدا ہوتی ہوگی، کچھ بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔(انعام الباری:٣/٢٧٨)

وقت عصر

﴿۵۴۵﴾ وَعَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ حَيَّةٌ فَيَذْهَبُ الذَّاهِبُ إِلَى الْعَوَالِيْ فَيَأْتِيْهِمْ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ وَبَعْضُ الْعَوَالِيْ مِنَ الْمَدِيْنَةِ عَلٰى اَرْبَعَةِ اَمْيَالٍ اَوْ نَحْوِهٖ۔ (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف: ۷۸/ ۱، باب وقت العصر، کتاب مواقیت الصلوٰۃ، حدیث نمبر: ۵۵۰۔ مسلم شریف: ۲۲۵/ ۱، باب استحباب التبکیر بالعصر، کتاب المساجد، حدیث نمبر: ۶۲۱۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز اس وقت پڑھتے تھے جب سورج بلند اور روشن ہوتا تھا، چنانچہ جانے والا عوالی تک جاتا (مدینے کے اطراف میں بلند گاؤں) تو وہ ایسے وقت میں پہنچ جاتا کہ آفتاب ابھی اونچا ہوتا اور بعض عوالی مدینہ سے چار میل یا اس کے قریب دوری پر واقع ہیں۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عصر کی نماز اس وقت پڑھتے تھے، جب کہ سورج کی تمازت باقی ہوتی تھی، اس روایت کو پیش کرنے کا مقصد عصر کی نماز میں تعجیل کو ثابت کرنا ہے، لیکن اس روایت سے صراحۃً تعجیل ثابت نہیں ہوتی، بلکہ آسانی کے ساتھ اس کو تاخیر پر بھی محمول کیا جا سکتا ہے۔

والشمس مرتفعة حية: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عصر کی نماز ایسے وقت میں پڑھتے تھے کہ سورج اونچا بھی ہوتا تھا اور اس میں حیات بھی ہوتی تھی، حیات کا مطلب سورج کی روشنی کا صاف ہونا ہے۔

فيذهب الذاهب: جاتے وقت بلندی اور حیات دونوں کا تذکرہ ہے۔

فیاتیهم و الشمس مرتفعة: جانے والا عوالی تک چلا جاتا اور آفتاب ابھی اونچا ہوتا، پہنچتے وقت صرف بلندی کا ذکر ہے، حیات اور زندہ ہونے کا ذکر نہیں ہے، اس کا حاصل یہ نکلا کہ نماز عصر تو اس وقت ہوتی تھی جب سورج اونچا اور روشن ہوتا تھا، لیکن چند میل کی مسافت طے کرتے کرتے اس میں تغیر اور اصفرار پیدا ہوجاتا تھا۔ معلوم ہوا کہ عصر کی نماز مثل ثالث کے بعد ہوتی تھی۔ یہی احناف کا مذہب ہے۔

وبعض العوالی من المدینة علی اربعة امیال: حدیث میں صرف عوالی کا تذکرہ ہے، عوالی کی وضاحت میں چار میل کا قول یا تو امام بخاری کا ہے، یا امام زہری کا ہے، بخاری کی روایت کے الفاظ ہیں: "کنا نصلی العصر ثم یخرج الانسان الی بنی عمرو بن عوف" اور ایک دوسری روایت میں "قبا" کا تذکرہ ہے، معلوم ہوا کہ عوالی مدینہ سے بنی عمرو بن عوف کی جگہیں مراد ہیں، اور بنی عمرو بن عوف قباء میں رہتے تھے، اور قباء کا مسجد نبوی سے فاصلہ دو میل ہے، اب اگر نماز پڑھنے والا ان عوالی میں جاتا جن کا فاصلہ دو میل تھا اور اس کے پہنچنے کے بعد سورج میں تغیر آجاتا تو اس سے خود یہ بات سمجھ میں آگئی کہ عصر مثل ثالث میں ادا کی جاتی تھی، اور جب خود بخاری کی روایت سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ قصہ بنو عمرو بن عوف کا ہے جو قباء میں رہتے تھے، تو پھر دیگر عوالی کا ذکر کرنا اور یہ کہنا کہ بعض عوالی چار میل پر تھے بے فائدہ ہے۔

عوالی جمع ہے عالیۃ کی، جس کا ترجمہ بلند گاؤں کیا گیا ہے، اور اصل میں عوالی قلب مدینہ (مسجد نبوی) کے جنوب مشرقی سمت کے اس باہری کنارے کو کہتے ہیں جو "قبا" کے مشرق میں واقع ہے اور جو بلند سطح زمین رکھتا ہے، یہاں جو لوگ آباد تھے، ان کے مکانات اور محلوں کو عوالی کہا جاتا ہے۔

نمازعصر کو زیادہ مؤخر کرنا

﴿۵۴۶﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِلْكَ صَلٰوةُ الْمُنَافِقِ يَجْلِسُ يَرْقُبُ الشَّمْسَ حَتّٰى اِذَا اِصْفَرَّتْ وَكَانَتْ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ قَامَ فَنَقَرَ اَرْبَعًا لَايَذْكُرُ اللّٰهَ فِيْهَا اِلَّا قَلِيْلًا۔

(رواہ مسلم)

حواله: مسلم شريف: ۲۲۵/ ۱، باب استحباب التبكير بالعصر، كتاب المساجد، حدیث نمبر: ۶۲۲۔

حل لغات: يَرْقُبُ رقبَ (ن) رُقوبًا. نظر رکھنا، نگرانی کرنا، اِصْفَرَّتْ زرد ہونا، زرد رنگ میں رنگ جانا، مصدر اصفرار، نَقَرَ (ن) نَقْرًا الطائِرُ الحبَّ. پرندہ کا دانا چگنا، چونچ سے اٹھانا، فی صلوته نماز میں جلدی کرنا، ہلکا اور مختصر کرنا۔

ترجمه: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”کہ یہ منافق کی نماز ہے وہ سورج کا انتظار کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ جب سورج زرد ہو جاتا ہے اور وہ شیطان کے سر کے دونوں کنارو کے درمیان ہو جاتا ہے تو وہ کھڑا ہوتا ہے اور چار چونچیں لگاتا ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت تھوڑا کرتا ہے۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس فرمان کا مقصد یہ ہے کہ نماز تو بالکل مؤخر کر کے نہ پڑھنا چاہئے، اس وجہ سے کہ جب وقت کم ہوگا تو نمازی نماز پڑھنے میں عجلت سے کام لیگا، اور سجدہ ورکوع وغیرہ میں جلد بازی کے نتیجے میں تعدیل ارکان فوت ہو جائے گا، جس کی بنیاد پر اس شخص کی نماز منافق کی نماز کے مانند ہو جائے گی، کیونکہ منافق

ریا کاری کی بنا پر نماز ادا کرتا ہے، اس کا مقصد جلد از جلد اپنے سر سے بلا ٹالنا ہوتا ہے، لہٰذا وہ بہت عجلت سے نماز پڑھتا ہے، مسلمانوں کیلئے ضروری ہے کہ وہ منافقین کی مخالفت کریں، اور نماز کو اس کے مستحب اوقات میں اچھی طرح ادا کریں۔

قام فنقر اربعا: جس طرح کوا دانہ چگنے کے لئے زمین پر جلدی جلدی چونچ مارتا ہے، اسی طرح آخیر وقت میں نماز ادا کرنے والا جلدی جلدی چار سجدے کر لیتا ہے۔ "نقر" کا مطلب نماز میں جلدی کرنا ہے، اور بعض لوگوں نے قراءت میں جلدی کرنے کو نقر کہا ہے، اس کی تائید "**لایذکرون اللہ فیھا الا قلیلا**" سے بھی ہو رہی ہے۔

لایذکر: کوئی خاص ذکر نہیں کرتا ہے، اس وجہ سے کہ منافق کا دل اعتقاد سے عاری اور اخلاص سے خالی ہوتا ہے۔

الا قلیلا: منافق دکھلانے کی غرض سے زبان سے تھوڑا بہت ذکر کرتا ہے۔

چار سجدے ذکر کرنے کی وجہ

سوال: عصر کی نماز میں چار رکعتیں ہوتی ہیں جس میں آٹھ سجدہ ہوتے ہیں، یہاں چار سجدوں کا ذکر کیوں کیا؟

جواب: (۱)...... چار رکعتوں کے اعتبار سے چار چونچیں مارنا فرما دیا ہے، ورنہ تو حقیقتاً چار رکعتوں والی نمازوں میں آٹھ سجدے ہوتے ہیں۔

(۲)...... چار اس اعتبار سے فرمایا کہ پہلے سجدہ کے بعد جب پوری طرح سر نہیں اٹھایا تو دونوں سجدہ ملا کر گویا ایک ہی سجدہ کے معنی میں ہوئے۔

(۳)...... ایک رکعت کے دو سجدوں کو ایک رکن اعتبار کر کے چار فرمایا ہے۔

(۴)...... وہ سجدے اتنے ناقص ہیں کہ دو سجدے ایک سجدہ کے برابر بھی نہیں، اس لئے چار

سے تعبیر فرمایا۔

عصر کی تخصیص کی وجہ

سوال: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہاں عصر ہی کی نماز کا خاص طور پر کیوں ذکر کیا؟ بقیہ نمازوں کا ذکر کیوں نہیں کیا؟

جواب: (۱)......عصر کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ یہ صلوۃ وسطیٰ ہے، قرآن مجید میں اس نماز کی محافظت کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے۔

(۲)......چونکہ عصر کے وقت تمام پیشے کے لوگ مشغول رہتے ہیں اس اس وجہ سے اس نماز کا خاص طور سے ذکر کیا گیا ہے۔(مرقاۃ:۲/۱۳۱)

نمازِ عصر کا فوت ہوجانا

﴿۵۴۷﴾ وَعَنْ اِبْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْھُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلَّذِیْ تَفُوْتُہٗ صَلٰوۃُ الْعَصْرِ فَکَاَنَّمَا وُتِرَ اَھْلَہٗ وَمَالَہٗ۔ (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف:۱/۷۸، باب اثم من فاتتہ العصر، کتاب مواقیت الصلوۃ، حدیث نمبر:۵۵۲۔مسلم شریف:۱/۲۲۶، باب التغلیظ فی تفویت صلوۃ العصر. حدیث نمبر:۶۲۶۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''وہ شخص کہ جس کی عصر کی نماز چھوٹ گئی تو گویا اس کا گھربار

اور مال لٹ گیا۔

تشـــریح: جس طرح آدمی اپنے گھربار اور مال ومتاع کے نقصان اور اس کے ہلاک ہوجانے سے ڈرتا ہے، اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ عصر کی نماز چھوٹ جانے سے ڈرنا چاہئے، عصر کی نماز کی پوری پوری محافظت کرنا چاہیے۔

تفوته صلوة العصر: وہ شخص کہ جس کی عصر کی نماز فوت ہوگئی، عصر کی نماز فوت ہونے کے بارے میں تین اقوال ہیں۔

(۱)......سورج غروب ہوگیا اور نماز ادا نہیں کی۔

(۲)......وقت مستحب نکل گیا اور نماز ادا نہیں کی۔ (مرقاۃ: ۲/۱۳۱)

(۳)...... جماعت چھوٹ گئی۔

ان مذکورہ اقوال میں پہلا قول راجح ہے، کیونکہ اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے، جو مصنف ابن ابی شیبہؒ میں مذکور ہے: "**عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من ترك العصر حتى تغيب الشمس من غير عذر فكانما وتر اهله وماله.**" (مصنف ابن ابی شیبة: ۱/۳۴۲)

فكانما وتر اهل وماله: یعنی جس کی نماز عصر چھوٹ گئی اس نے گھربار اور مال ومتاع کا نقصان اٹھایا، بلکہ عصر کی نماز کا فوت ہونا یا گھربار اور مال ومتاع لٹ جانے سے بھی بڑا فساد ہے، حدیث کے اس جملہ کا مقصد یہ ہے کہ عصر کی نماز چھوٹ جانے پر اتنا رنج ہونا چاہئے، جتنا مال واسباب کے لٹ جانے اور اہل وعیال کے ہلاک ہونے پر ہوتا ہے۔

نماز عصر کی تخصیص کی وجہ

سوال: عصر کی نماز کا خاص طور پر ذکر کیوں کیا گیا؟

جواب: گذشتہ حدیث میں اس کا جواب ذکر کیا گیا ہے کہ یہ نماز وسطیٰ ہے اور اس کی محافظت کی تاکید خاص طور پر آئی ہے، نیز یہ مصروفیت کا وقت ہوتا ہے، اس میں نماز چھوٹ جانے کا زیادہ خطرہ ہوتا ہے، اس بناء پر خاص طور پر اس کو ذکر کیا۔

مال اور اہل وعیال کے ذکر کی وجہ

سوال: روایت میں مال اور اہل وعیال کا ذکر خاص طور پر کیا گیا ہے؟

جواب: چونکہ نماز فوت ہونے کا سبب بالعموم یہ دو چیزیں بنتی ہیں، اس وجہ سے خاص طور پر ان کو ذکر کیا ہے، انسان مال کمانے اور اہل وعیال کی خدمت کرنے کے چکر میں پڑ کر نماز کو بھول جاتا ہے۔

وعید کا مستحق

سوال: یہ وعید اور گناہ جان بوجھ کر نماز چھوڑنے والے کے لئے ہے یا بھول کر نماز چھوڑنے والا بھی اس وعید کا مستحق ہے؟

جواب: اکثر لوگوں کے نزدیک اس وعید کا مستحق بھول کر نماز چھوڑنے والا ہے، اور جو جان بوجھ کر نماز چھوڑے اس کی سزا کا ذکر اگلی حدیث میں مذکور ہے، یہی وجہ ہے کہ امام ترمذیؒ نے اس حدیث پر جو باب قائم کیا ہے وہ یہ ہے: "**باب ماجاء فی السھو عن وقت صلوٰۃ العصر**" نیز امام بخاریؒ کا بھی اسی جانب میلان معلوم ہوتا ہے کیونکہ انہوں نے اس حدیث کو "**باب اثم من فاتته العصر**" کے عنوان کے تحت ذکر کیا ہے، اس کے بعد عنوان قائم کیا ہے: "**باب من ترک العصر**" اس کے تحت جو حدیث لائے ہیں وہ یہ ہے: "**من ترک صلوۃ العصر فقد**

حبط عمله" اس حدیث سے عامداً نماز عصر ترک کرنے والا مراد ہے، اور حدیث باب سے مراد بھول کر نماز فوت کرنے والا ہے۔

ناسی پر وعید کیوں

سوال: اگر فوت سے مراد غیر عامد ہے تو یہ غیر اختیاری عمل ہے اور فوت کرنے والا "ناسی" ہوا اور ناسی پر گناہ نہیں ہے، پھر اس حدیث میں ناسی کو اس سزا اور وعید کا مستحق کیوں قرار دیا گیا ہے؟ حدیث میں آتا ہے: "ان الله رفع عن امتی الخطا والنسیان او کما قال علیہ السلام"

جواب: فوت اگر چہ غیر اختیاری طور پر ہوا؛ لیکن جن اسباب کی بناء پر نماز فوت ہوئی وہ اسباب غیر اختیاری نہیں تھے، مال ومتاع اور اہل وعیال کی اتنی زیادہ الفت نہ ہونا چاہئے کہ ان کے چکر میں پڑ کر آدمی کی نماز عصر ہی چھوٹ جائے، چنانچہ حدیث میں انہیں دونوں اسباب جن کی وجہ سے نماز چھوٹتی ہے کا ذکر ہے، اور آدمی کا مواخذہ ان اشیاء کی الفت شدیدہ کی بنا پر ہی ہوگا۔

نماز عصر کا عمداً ترک کرنا

﴿۵۴۸﴾ وَعَنْ بُرَيْدَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ صَلوٰةَ الْعَصْرِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ۔ (رواه البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۷۸، باب من ترک العصر، کتاب

مواقیت الصلوۃ، حدیث نمبر:۵۵۳۔

ترجمہ: حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس نے نماز عصر چھوڑ دی اس کا عمل بیکار ہو گیا۔

تشریح: جس نے عصر کی نماز پڑھی تو اس کے دن بھر کے سارے اعمال خیر اکارت ہو گئے یعنی اعمال حسنہ کی تاثیر میں کمی واقع ہوگئی، یہاں یہ مطلب نہیں ہے کہ اعمال حسنہ بالکل ضائع ہو گئے، بلکہ حقیقت یہی ہے کہ اعمال حسنہ میں نقصان واقع ہوا ہے۔

من ترک صلوۃ العصر: گذشتہ میں فوت کی تعبیر تھی جس کا مفہوم غیر اختیاری طور پر نماز عصر سے محرومی لیا گیا تھا، اب جان بوجھ کر نماز عصر ترک کرنیوالے کا بیان ہے، اگر کوئی شخص دیدہ ودانستہ عصر کی نماز ترک کردے تو اسکا گناہ بھول کر نماز چھوڑنے والے سے زیادہ ہوگا، اور بھول کر نماز چھوڑنے والے کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گذر چکا، گویا اس کے اہل وعیال تباہ ہو گئے، اور ''ترک'' کے تحت جو مضمون ہے اس پر ''قد'' داخل ہے جو تحقیق کیلئے آتا ہے، یعنی جس نے عصر کی نماز ترک کردی اس کا عمل اکارت اور ضائع ہو گیا، دوسرا فرق یہ ہے کہ وہاں نقصان متعلقات کا تھا اور یہاں خود اپنا نقصان ہے، جس کا انسان پر زیادہ اور براہ راست اثر ہوتا ہے۔(ایضاح البخاری:۴۳۲،۴۳۳/۳)

فقد حبط عملہ: جان بوجھ کر نماز ترک کرنیوالے کے تمام اعمال ضائع ہو گئے۔

حبط عمل پر اشکال مع جواب

اشکال: حبط عمل تو کفر اور شرک اور ارتداد کی سزا ہے، قرآن مجید میں انہی تینوں چیزوں کی سزا کے طور پر حبط عمل کا تذکرہ کیا ہے، چنانچہ کفر کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:''**من یکفر بالایمان فقد حبط عملہ**'' اور ارتداد کے بارے میں ارشاد

باری تعالیٰ ہے:"ومن یرتدد منکم عن دینه فیمت وهو کافر فاولئک حبط اعمالهم" اورشرک کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:"ولو اشرکوا لحبط عنهم ما کانوا یعملون" یہاں اشکال یہ ہے کہ جوسزا کفروشرک وارتداد کی ہے اس کوترک صلوۃ کی سزا کیوں قرار دیا گیا؟ ظاہر بات ہے ترک صلوٰۃ کفر وشرک نہیں ہے۔

جواب: (۱)......ترک نماز علی سبیل الانکار کی یہ سزا ہے، یعنی نماز کی فرضیت کا انکار کرتے ہوئے نماز ترک کرنے والے کی سزا احدیث میں مذکور ہے۔

(۲)......حبط عمل سے مراد حقیقت نہیں بلکہ تشبیہ دینا مقصود ہے کہ ایسا انسان اتنا محروم اور بدنصیب ہے جتنا وہ انسان بد بخت ہے جس کے تمام اعمال سوخت ہو جائیں۔

(۳)......علی سبیل الاستہزاء مراد ہے، یعنی جوشخص نماز استہزاءً ترک کریگا اس کے تمام اعمال ضائع ہو جائیں گے۔

حبط عمل کی تاویل

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ حبط کی تاویل نہیں ہوسکتی، البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ تغلیظ پر محمول ہے، اوراس کا ظاہر مرادنہیں اورتاویل بکثرت کی جاتی ہے کہ"قال النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم تغلیظاً"

قاضی ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ کی توجیہ

لیکن اس تاویل پر اطمینان نہیں ہوتا، اس لئے کہ اس کے معنی یہ ہوئے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تغلیظاً ایک ایسی بات کہہ دی جو کہ واقع کے مطابق نہیں تھی، العیاذ

باللہ۔ یعنی جیسے جھوٹ بول کر اور غلط بات کہہ کر محض بچوں کو ڈرایا جاتا ہے، اسی طریقہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے معاذ اللہ ڈرانے کے لئے ایک ایسی بات کہہ دی جو واقعہ کے مطابق نہیں، لہٰذا یہ تاویل درست ہی نہیں ہے، چنانچہ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دام ظلہم فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اس کی سب سے بہتر توجیہ قاضی ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ نے کی ہے۔

حبطِ عمل کی قسمیں

ابن العربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حبطِ عمل کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: حبطِ عمل کی یہ ہے کہ جتنی حسنات تھیں سب پر پانی پھر گیا، کوئی بھی نیکی نامۂ اعمال میں باقی نہ رہی، اور یہ حبطِ عمل صرف کفر سے ہوتا ہے، العیاذ باللہ. اگر کوئی شخص مرتد ہو جائے تو اس کا عمل اسی طرح حبط ہوگا جیسا کہ سورۂ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں ہے:

"الذین کفروا وصدوا عن سبیل اللہ اضل اعمالھم" (محمد الآیۃ: ۱)

[جو لوگ کہ منکر ہوئے اور روکا اوروں کو اللہ کی راہ سے کھو دیئے اللہ نے ان کے کام]

دوسری قسم: حبطِ عمل کی یہ ہے کہ تمام اعمال تو باطل نہیں ہوئے لیکن درمیان میں کوئی عمل ایسا آ گیا کہ جس نے اس کو موقتاً عمل کرنے سے روک دیا، مثلاً آدمی نے نماز پڑھی تھی، روزے رکھے تھے، صدقات بھی دیتا تھا، لیکن ایک عمل درمیان میں ایسا آ گیا کہ جو ان کے اعمال کے نتائج کے بیچ میں حائل ہو گیا اور ان اعمال کے بدلے میں جو ثواب ملنا تھا اس کو روک دیا، لیکن یہ روکنا موقت ہے، یعنی پہلے اس عمل کی سزا بھگتو، پھر ان اعمال کا نتیجہ ظاہر ہوگا۔

لہٰذا حدیث میں جہاں مختلف گناہوں پر حبطِ عمل وارد ہوا ہے اس سے مراد حبطِ موقت

ہے نہ کہ مؤبد، جوکفر کی وجہ سے ہوتا ہے، یہ بات دل کو بڑی لگتی بھی ہے، لہٰذا جہاں جہاں آپ دیکھیں کہ سوائے کفر کے کسی گناہ کے اوپر حبط عمل کو ذکر کیا ہے تو وہاں حبط عمل موقت مراد ہوگا۔ (عمدۃ القاری: ۴/۵۷) انعام الباری: ۳/۳۰۹۔

نمازِ مغرب میں تعجیل

﴿۵۴۹﴾ وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ كُنَّا نُصَلِّي الْمَغْرِبَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَنْصَرِفُ اَحَدُنَا وَاِنَّهُ لَيُبْصِرُ مَوَاقِعَ نَبْلِهِ۔ (متفق عليه)

حواله: بخاری شریف: ۱/۷۹، باب وقت المغرب، کتاب مواقیت الصلوة، حدیث نمبر: ۵۵۹۔ مسلم شریف: ۱/۲۲۸، باب بیان ان اول وقت المغرب عند غروب الشمس، کتاب المساجد، حدیث نمبر: ۶۳۷۔

حل لغات: ينصرف. مصدر انصراف، (افعال) عنه. ہٹنا، الگ ہونا، چھوڑنا، مواقع. جمع ہے، واحد المَوْقِعَةُ. جائے وقوع۔ نَبْلٌ. تیر، ج: انبالٌ، ونِبَالٌ.

ترجمه: حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہم لوگ مغرب کی نماز پڑھتے تھے، پھر ہم میں سے کوئی بھی شخص نماز سے فارغ ہونے کے بعد اپنے تیر گرنے کی جگہ دیکھ سکتا تھا۔

تشریح: صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین مغرب کی نماز اول وقت میں ادا کرتے تھے، مغرب کا وقت ہونے کے بعد تاخیر نہیں کرتے تھے، تمام علماء کے نزدیک مغرب کی نماز اول وقت میں ادا کرنا مستحب ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

وانہ لیبصر مواقع نبلہ: مطلب یہ ہے کہ مغرب کے بعد بھی اتنی روشنی رہتی تھی کہ تیر گرنے کی جگہ نظر آتی تھی، نسائی کی روایت میں اور زیادہ وضاحت ہے، اس کے الفاظ ہیں: ''کانوا یصلون مع النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم المغرب ثم یرجعون الی اہلیہم الی اقصی المدینۃ ثم یرمون فیبصرون مواقع نبلہم'' (نسائی شریف: ۱/۹۰) [صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھتے پھر اقصائے مدینہ میں اپنے گھر لوٹ جاتے، پھر تیراندازی کرتے تو اپنے تیر گرنے کی جگہ دیکھ لیتے تھے۔]

فائدہ: معلوم ہوا تیراندازی حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا محبوب مشغلہ تھا کہ مغرب کے بعد بھی تیراندازی کی مشق کرتے تھے۔ فقط

نماز عشاء کا وقت مستحب

﴿۵۵۰﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ كَانُوْا يُصَلُّوْنَ الْعَتَمَةَ فِيْمَا بَيْنَ اَنْ يَغِيْبَ الشَّفَقُ اِلٰى ثُلُثِ اللَّيْلِ الْاَوَّلِ۔ (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۱۱۹، باب خروج النساء الی المساجد باللیل والغلس، کتاب الاذان، حدیث نمبر: ۸۶۴۔

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین عشاء کی نماز شفق غائب ہونے سے لے کر شروع تہائی رات کے درمیان پڑھتے تھے۔

تشریح: اس حدیث میں عشاء کے مستحب وقت کا بیان ہے، عشاء کا وقت مستحب شفق کے غائب ہونے کے بعد سے تہائی رات آنے تک ہے، اور عشاء کا وقت جواز صبح صادق تک ہے۔

یصلون العتمۃ: عتمہ سے مراد عشاء کی نماز ہے۔

عشاء کو عتمہ کہنا

عشاء اسلامی نام ہے، قرآن پاک میں اس کو عشاء ہی کہا گیا ہے، "ومن بعد صلوۃ العشاء" حدیث شریف میں بھی عشاء کو عتمہ کہنے کی ممانعت آئی ہے، چونکہ دیہاتی لوگ عشاء کو عتمہ کہتے تھے، عتمہ کے معنی تاخیر کرنے کے ہیں، چونکہ دیہاتی لوگ اس وقت دودھ دوہا کرتے تھے، اور اس میں تاخیر کرتے تھے، اس لئے عتمہ کہنے کی ممانعت فرمائی گئی۔

اشکال مع جواب

اشکال: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کو عتمہ کہنے سے منع فرمایا تھا، پھر ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عشاء کو عتمہ کیوں کہا؟

جواب: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جس وقت یہ بات بیان کی تھی، اس وقت تک عشاء کو عتمہ کہنے کی ممانعت والی حدیث ان کے علم میں نہیں آئی تھی۔ یا یہ بتانا ہے کہ عتمہ کہنا خلاف اولیٰ ہے، ایسا نہیں کہ بالکل ناجائز اور حرام ہے۔

نمازِ فجر غلس میں

﴿۵۵۱﴾ وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيُصَلِّي الصُّبْحَ فَتَنْصَرِفُ النِّسَاءُ مُتَلَفِّعَاتٍ بِمُرُوطِهِنَّ مَايُعْرَفْنَ مِنَ الْغَلَسِ۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۱/۱۲۰، باب خروج النسائی الی المساجد باللیل والغلس، کتاب الاذان، حدیث نمبر: ۸۶۷۔مسلم شریف: ۱/۲۳۰، باب استحباب التبکیر بالصبح فی اول وقتها، کتاب المساجد، حدیث نمبر: ۶۴۵۔

ترجمه: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فجر کی نماز ایسے وقت میں پڑھتے تھے کہ عورتیں اپنی چادروں میں لپٹی ہوئی واپس جاتیں تو اندھیرے کی وجہ سے پہچانی نہیں جاتی تھیں۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فجر کی نماز جلدی پڑھتے تھے، اور چونکہ عورتیں نماز ختم ہوتے ہی مسجد سے نکل جاتی تھیں، اس وجہ سے ان کی واپسی کے وقت بھی اتنا اندھیرا رہتا تھا کہ عورتوں کو پہچاننا ممکن نہیں تھا، نہ پہچاننے کی وجہ یہ بھی ہے کہ ان کے پورے بدن پر چادر ہوتی تھی۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غلس میں اس وجہ سے نماز پڑھتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مسجد میں لوگ رات ہی سے جمع رہتے تھے، دور دراز سے لوگ مسائل سیکھنے کی غرض سے آکر مسجد ہی میں ٹھہرتے تھے، اور ان کو سہولت اسی میں تھی کہ نماز فجر اول وقت ہو جائے، اس وجہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غلس میں ہی نماز پڑھاتے تھے، جیسے آج کل ماہ رمضان میں لوگ غلس میں مسجد میں جمع ہو جاتے ہیں، تو غلس ہی میں نماز کو بہتر قرار دیا گیا ہے، ورنہ نمازیوں کو تنگی ہوگی، عام دنوں میں اسفار ہی میں جماعت میں لوگ کثرت سے شریک ہوتے ہیں، اسی میں ان کو سہولت ہے، اس وجہ سے عام دنوں میں اسفار

میں نماز افضل ہے، لہٰذا اس حدیث پاک کا حدیث "**اسفروا بالفجر فانه اعظم للاجر**" سے کوئی تعارض نہیں رہا۔

ائمہ ثلاثہ مطلقاً ہر نماز کو اول وقت میں ادا کرنے کو مستحب سمجھتے ہیں، احناف بھی اول وقت ہی میں نماز کی ادائیگی کو بہتر قرار دیتے ہیں کیونکہ شریعت کی جانب سے جو حکم ملا ہے اس کی ادائیگی جتنی جلدی ہو جائے اتنا ہی بہتر ہے، لیکن احناف کے نزدیک اگر عوارض درپیش ہوں تو اول وقت میں نماز مستحب نہیں ہے؛ وہ عوارض کیا ہیں؟ وہ عوارض تین ہیں: (۱)......حق صلوۃ۔(۲)......حق مصلی۔(۳)......حق وقت۔

مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرض نمازوں کے ساتھ نفل نمازیں بھی رکھی ہیں، لیکن عصر اور فجر نمازوں کے بعد نفل نماز نہیں ہیں، لہٰذا عصر کی نماز کچھ تاخیر سے پڑھنا چاہئے تاکہ جو شخص نفل پڑھنا چاہے وہ نفل پڑھ لے، عصر کی نماز اگر جلدی سے پڑھ لی جائے گی تو پھر اس کے بعد نفل پڑھنے کی گنجائش نہیں رہے گی، عصر میں یہ تاخیر حق صلوۃ کی بناء پر ہوگی، اسی طرح اگر عام دونوں میں نماز فجر اول وقت میں پڑھی جائے تو اتنے لوگ شریک نہ ہو پائیں گے جتنے لوگ اسفار میں شریک ہو جاتے ہیں، لہٰذا حق مصلین کی بناء پر فجر کو ثانی وقت یعنی اسفار میں پڑھنا افضل ہے۔ جیسے گرمی میں ظہر کی نماز اول وقت میں نہ پڑھنا چاہئے اس وجہ سے کہ سخت گرمی جہنم کا اثر ہے، اور جہنم اللہ تعالیٰ کی صفت غضب کا مظہر ہے، لہٰذا سخت گرمی میں تاخیر افضل ہے، اور یہ تاخیر حق صلوۃ کی بناء پر ہوگی۔

یہ حدیث بظاہر ائمہ ثلاثہ کے موافق ہے، احناف کی طرف سے ایک جواب تو یہی ہے کہ یہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عمل تھا، اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان اسفار میں نماز پڑھنے کیلئے ہے اور عمل پر قول کو ترجیح دی جاتی ہے، چونکہ عمل میں تخصیص کا احتمال ہوتا ہے، قول میں نہیں، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا غلس میں نماز پڑھنے کا

معمول کیوں تھا؟ اس کی وضاحت ماقبل میں ہو چکی ہے، اور بعض لوگ یہ جواب بھی دیتے ہیں کہ درحقیقت لفظ ''من الغلس'' حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی نہیں ہے، بلکہ ان کا قول ''مایعرفن'' پر ختم ہو گیا، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا منشاء یہ تھا کہ عورتیں چادروں میں لپٹی ہوئی آتی تھیں، اس وجہ سے انہیں کوئی پہچانتا نہیں تھا، کسی راوی نے یہ سمجھا کہ نہ پہچاننے کا سبب اندھیرا تھا، اس لئے انہوں نے ''من الغلس'' کا لفظ بڑھا دیا، گویا یہ ادراج من الراوی ہے، اس تقریر کے بعد ائمہ ثلاثہ کا اس حدیث سے غلس میں نماز پڑھنے پر استدلال ہی درست نہیں ہوگا۔ باقی پوری تفصیل شروع باب میں گذر چکی ہے۔

عورتوں کو مسجد میں آنے کی ممانعت

اشکال: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں عورتیں مسجد نبوی میں نماز پڑھتی تھیں، اس دور میں علماء عورتوں کو مسجد میں آنے سے کیوں روکتے ہیں؟

جواب: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عورتوں کو برقع وغیرہ میں سارا بدن چھپا کر چند شرائط کے ساتھ مسجد میں آنے کی اجازت دی تھی، اور ان کو مسجد میں آنے سے روکنے کو منع فرمایا تھا، لیکن اس وقت بھی عورتوں کو ترغیب اسی بات کی دی جاتی تھی، کہ وہ گھروں میں ہی نماز ادا کریں، کیونکہ ان کے لئے گھروں میں نماز پڑھنا مسجد میں نماز پڑھنے کے مقابل میں افضل ہے، چنانچہ حافظ ابن عبدالبر نے لکھا ہے: ''**لم یختلفوا ان صلوۃ المرأۃ فی بیتها افضل من صلاتها فی المسجد**''

(التمهید: ۱۱/۱۹۶)

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے بعد وہ حالات نہیں رہے، لوگوں کے

دلوں کی حالت بدلنے لگی اور جن شرائط کے ساتھ مسجد میں آنے کی اجازت دی گئی تھی، ان کی پابندی میں کوتاہی ہونے لگی، تو فتنے کے سدباب کے لئے عورتوں کو مسجد میں آنے سے منع کر دیا گیا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا فرمان ہے کہ ''اگر آج کے حالات حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دیکھتے تو عورتوں کو مسجد میں آنے سے روک دیتے'' اس لئے عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہی فیصلہ کیا کہ حالات کی اس تبدیلی کی بناء پر اب عورتوں کا مسجد میں آنا فتنہ سے خالی نہیں رہا، س لئے حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عورتوں کو مسجد میں آنے سے منع کر دیا، جب اس دور میں یہ حالات تھے، تو آج کے اس دور میں جب کہ جنسی بے راہ روی نہ صرف عام بلکہ قانونی طور پر درست سمجھی جارہی ہے، اسی لئے فقہاء اسلام عورتوں کا مسجد میں آنا مقاصد شریعت کے خلاف سمجھتے ہیں، اور اس کی اجازت نہیں دیتے ہیں۔

سحری کے فوراً بعد نماز فجر

﴿۵۵۲﴾ وَعَنْ قَتَادَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَزَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ تَسَحَّرَا فَلَمَّا فَرَغَا مِنْ سُحُوْرِهِمَا قَامَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى الصَّلٰوةِ فَصَلّٰى قُلْنَا لِاَنَسٍ كَمْ كَانَ بَيْنَ فَرَاغِهِمَا مِنْ سُحُوْرِهِمَا وَدُخُوْلِهِمَا فِي الصَّلٰوةِ فَقَالَ قَدْرَ مَا يَقْرَأُ

الرَّجُلُ خَمْسِینَ آیَۃً۔ (رواہ البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۸۲/ ۱، باب وقت الفجر، کتاب مواقیت الصلوۃ، حدیث نمبر: ۵۷۶۔

ترجمہ: حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سحری کھائی جب سحری سے فارغ ہو گئے تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز کے لئے کھڑے ہو گئے، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی، ہم نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ سحری سے فارغ ہو کر نماز شروع کرنے تک کتنا فاصلہ تھا، تو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا جتنے وقت میں ایک انسان بچاس آیتیں پڑھ سکے۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سحری کھانے اور فجر کی نماز پڑھانے کے درمیان زیادہ فاصلہ نہیں فرماتے تھے، چنانچہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سحری اخیر وقت میں تناول فرماتے تھے، اور نماز فجر اول وقت میں پڑھتے تھے، دونوں عملوں کے درمیان بچاس آیتیں تلاوت کرنے کے بقدر وقفہ فرماتے تھے۔

یہ حدیث بظاہر احناف کے خلاف ہے، کیونکہ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فجر کی نماز اول وقت میں پڑھتے تھے۔

اس کا جواب بھی گذشتہ حدیث کی تشریح سے سمجھ میں آجاتا ہے نیز اگر یہ رمضان کی سحری ہے، تو رمضان میں عام طور پر لوگ غلس میں جمع ہو جاتے ہیں، اس لئے احناف بھی رمضان میں غلس میں نماز فجر کو مستحب سمجھتے ہیں، اس صورت میں یہ حدیث احناف کے خلاف نہیں ہوگی۔

فائدہ: (۱)...... حدیث پاک سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا تلاوت قرآن پاک کا کیا اہتمام اور کیا ذوق تھا کہ وہ حضرات اوقات کا اندازہ بھی تلاوت کے ذریعہ کیا کرتے تھے۔

(۲)...... زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ سحری کھائی اس سے اجتماعی طور پر سحری کھانا نیز اپنے بڑوں کے ساتھ سحری کھانے کا ثبوت اور اس کا سنت ہونا بھی معلوم ہو جاتا ہے۔ فقط

نماز کو مستحب وقت میں پڑھنے کی تاکید

﴿۵۵۳﴾ وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَیْفَ اَنْتَ اِذَا کَانَتْ عَلَیْکَ اُمَرَاءُ یُمِیْتُوْنَ الصَّلٰوۃَ اَوْ یُؤَخِّرُوْنَہَا عَنْ وَقْتِہَا قُلْتُ فَمَا تَاْمُرُنِیْ قَالَ صَلِّ الصَّلٰوۃَ لِوَقْتِہَا فَاِنْ اَدْرَکْتَہَا مَعَہُمْ فَصَلِّ فَاِنَّہَا لَکَ نَافِلَۃٌ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۲۳۰/۱، باب کراھۃ تاخیر الصلوۃ عن وقتها المختار، کتاب المساجد، حدیث نمبر:۶۴۸۔

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ اس دن تمہارا کیا حال ہوگا جب تمہارے حاکم ایسے لوگ ہوں گے جو نماز کو ماردیں گے، یا نماز کو اس کے وقت سے مؤخر کردیں گے، تو میں نے کہا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجھ کو کیا حکم دیتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تم نماز اس کے وقت پر پڑھ لینا، پھر اگر تم اسی نماز کو ان کے ساتھ پاؤ، تو پھر پڑھ لینا،

یہ نماز تمہارے حق میں نفل ہوگی۔

تشریح: اس حدیث شریف میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک تدبیر بتائی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر تمہارے حاکم اور دنیوی معاملات کے ذمہ داران اپنی غفلت اور سستی کی بناء پر نماز کو تاخیر سے پڑھیں اور تمہارے اندر ان کو ٹوکنے یا ان کی مخالفت کرنے کی سکت نہ ہو تو تم ایسا کرنا کہ پہلے اپنی نماز کو مستحب وقت میں پڑھ لینا، ایسا کرنے سے تمہاری فرض نماز مستحب وقت میں ادا ہو جائے گی، پھر اگر تم کو ان حاکموں کے ساتھ بھی نماز پڑھنی پڑے تو ان کے ساتھ بھی شریک ہو جانا، ان کے ساتھ پڑھی جانے والی نماز تمہارے حق میں نفل ہو جائے گی۔

کیف انت: یعنی اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تمہارے اوپر ایسے امراء مسلط ہو جائیں گے، جو نماز کو اس کے مستحب وقت میں نہیں پڑھیں گے، بلکہ مکروہ وقت میں پڑھیں گے، اور تم ان کی مخالفت پر قادر بھی نہیں ہو گے، اگر تم ان کے ساتھ نماز پڑھو گے تو اول وقت کی فضیلت سے محروم ہو جاؤ گے، اور اگر ان کی مخالفت کرو گے تو ان کی جانب سے تکلیف اٹھاؤ گے، اور جماعت کی فضیلت ہاتھ سے جائیگی۔

یمیتون الصلوۃ او یؤخرونھا: یہاں راوی کو شک ہے کہ اوپر کے راوی نے اس جگہ ''یمیتون' کا لفظ نقل کیا ہے یا''یؤخرون'' کا لفظ نقل کیا، دونوں لفظ مفہوم کے اعتبار سے یکساں ہیں کہ ایک وقت میں تم کو اپنے حکمرانوں کی وجہ سے مشقت میں پڑنا پڑیگا، وہ اپنی غفلت اور سستی کی بناء پر نماز مکروہ وقت میں پڑھیں گے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اعجاز تھا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آئندہ کی خبر بالکل درست بتادی تھی؛ چنانچہ ابوامیہ کے عہد میں یہ صورت حال پیش آئی تھی۔

قلت فما تامرنی: حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا جب ایسی

صورت پیش آئے تو میں کیا کروں؟

فان ادرکتها معهم: یعنی پہلے اپنی نماز پڑھ لو، پھر امام کے ساتھ بھی شریک ہو جاؤ، یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ کوئی امام اگر وقت مستحب سے تاخیر کر کے نماز پڑھتا ہے تو اس کے مقتدیوں کو چاہئے کہ وہ پہلے مستحب وقت میں اپنی نماز پڑھ لیں، اور پھر جماعت کے ساتھ امام کے پیچھے بھی نماز میں شریک ہو جائیں، تا کہ جماعت کی فضیلت اور مستحب وقت میں نماز کی فضیلت دونوں حاصل ہو جائیں۔

مسئلہ: اس سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہو گیا کہ ایک شخص نے یہ خیال کر کے کہ مسجد میں جماعت ہو چکی ہو گی فرض نماز ادا کر لی پھر مسجد پہونچا تو معلوم ہوا جماعت ہو رہی ہے اب اس کو چاہئے کہ جماعت میں شریک ہو جائے، تا کہ جماعت کی فضیلت بھی اس کو حاصل ہو جائے۔

لیکن یہ صورت صرف ظہر اور عشاء کی نمازوں میں ہی اختیار کی جا سکتی ہے، کیونکہ فجر اور عصر کے بعد نفل نماز پڑھنا درست نہیں، چونکہ فجر اور عصر کے بعد نماز پڑھنے کی احادیث کثیرہ صحیحہ میں نہی وارد ہوئی ہے۔ اور مغرب کی نماز میں تین رکعتیں ہوتی ہیں، نفل تین رکعت شریعت سے ثابت نہیں ہے۔

فائدہ: (۱)...... آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مذکورہ بالا حکم ضرورتاً اسی خاص زمانہ کے لئے تھا، جب مملکت کے حکمراں نمازوں میں امامت کرتے تھے، اور لوگ ان کے ساتھ جماعت میں شریک ہونے پر مجبور تھے، اور جماعت میں نہ شریک ہونا فتنے کو دعوت دینا تھا، لہٰذا فتنہ دبانے کی غرض سے مکروہ کام کی اجازت دے دی گئی تھی۔
(مرقاۃ: ۱۳۳/۳۴۴/۲)

(۲)...... معلوم ہوا کہ فتنوں سے احتراز کتنا ضروری ہے۔

(۳)......جس چیز کی اپنے اندر طاقت نہ ہو اس میں پڑ کر اپنے آپ کو فتنہ اور مشقت میں نہیں ڈالنا چاہئے۔

ایک رکعت جس نے پائی اس نے نماز پالی

﴿۵۵۴﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الصُّبْحِ قَبْلَ اَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَقَدْ اَدْرَكَ الصُّبْحَ وَمَنْ اَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الْعَصْرِ قَبْلَ اَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَقَدْ اَدْرَكَ الْعَصْرَ۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۱/۸۲، باب من ادرک من الفجر رکعة، کتاب مواقیت الصلوة، حدیث نمبر:۵۷۹۔ مسلم شریف: ۱/۲۲۱، باب من ادرک رکعة من الصلوٰة فقد ادرک تلک الصلوة، کتاب المساجد، حدیث نمبر:۶۰۸۔

ترجمه: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ جس نے سورج نکلنے سے پہلے صبح کی نماز ایک رکعت پالی اس نے صبح کی نماز پالی اور جس نے سورج چھپنے سے پہلے عصر کی نماز ایک رکعت پالی اس نے عصر کی نماز پالی۔

تشریح: اس حدیث پاک کا ظاہری مفہوم تو یہ نکلتا ہے کہ جس شخص کو فجر کی یا عصر کی ایک رکعت بھی مل گئی تو اس کی نماز ہوگئی یعنی بس ایک رکعت کافی ہے، بقیہ رکعت اس کے لئے پڑھنا لازم نہیں ہے، لیکن یہ مفہوم اجماع کے خلاف ہے، پھر اس حدیث کا کیا مفہوم لیا جائے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ وقت نکلنے سے پہلے ایک رکعت اگر پڑھ لی تو وقت کے بعد نماز

پوری کرلے، نماز ادا ہو جائے گی، اور کچھ لوگ اس کے علاوہ بھی معنی بیان کرتے ہیں۔

ابن الملکؒ کہتے ہیں کہ جس نے ایک رکعت کے بقدر وقت پالیا، اس نے نماز کو پالیا کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص جو کہ نماز کا اہل نہیں تھا، مثلاً پہلے نابالغ تھا یا کافر تھا، یا حائضہ تھی، پھر وہ اہل ہو گیا یعنی نابالغ بالغ ہو گیا، کافر مسلمان ہو گیا، حائضہ پاک ہو گئی، اور ابھی ایک رکعت کے بقدر وقت باقی ہے تو یہ نماز اس پر لازم ہو جائے گی، اور ایک قول یہ ہے کہ جس کو ایک رکعت مل گئی، اس کو جماعت کی فضیلت مل گئی۔

دوران نماز سورج طلوع یا غروب ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

ائمہ ثلاثہ کا مذہب: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک فجر میں اگر طلوع شمس ہو جائے اسی طرح اگر عصر میں غروب شمس ہو جائے تو جس نماز میں لگا ہوا ہے اس نماز کو پورا کرلے، یعنی درمیان میں طلوع شمس اور غروب شمس ہو جائے تو نماز مکمل کرنا چاہئے، دونوں میں سے کوئی نماز فاسد نہیں ہوگی۔

دلیل: ایک دلیل تو حدیث باب ہے، دوسری دلیل آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "**اذا ادرک احدکم سجدة من صلوة العصر قبل ان تغرب الشمس فلیتم صلوته و اذا ادرک سجدة من صلوة الصبح قبل ان تطلع الشمس فلیتم صلوته**" اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز پورا کرنے کا حکم دیا ہے، نماز کے فاسد ہونے کو نہیں بتایا، نیز فجر اور عصر میں کوئی فرق بھی نہیں کیا ہے۔

حنفیہ کا مسلک: حنفیہ کے نزدیک غروب شمس کے پیش آجانے کے باوجود اس دن کی عصر کی نماز پوری کی جائے گی، اور فجر میں طلوع شمس ہو گیا تو نماز فاسد

ہو جائے گی۔اور قضاء ضروری ہوگی۔

حنفیہ میں سے امام طحاوی علیہ الرحمہ فجر کی طرح عصر یوم کو بھی فاسد قرار دیتے ہیں، تا کہ فجر اور عصر میں فرق نہ رہے، امام ابو یوسف علیہ الرحمہ عصر کی طرح فجر کو بھی صحیح قرار دیتے ہیں، مگر انہوں نے اس قید کا اضافہ کیا ہے کہ جب درمیان صلوۃ سورج طلوع ہو جائے تو بوقت طلوع اداء ارکان سے رک جائے جب طلوع ہو جائے تو پھر مابقیہ نماز پوری کرے۔

حنفیه کے دلائل: حنفیہ نے حسب ذیل روایات سے استدلال کیا ہے۔

(۱)......عن ابن عمر ان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال لايتحرى احدكم فيصلى عند طلوع الشمس ولا عند غروبها.

(۲)......حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ثلاث ساعات كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم نهانا ان نصلى فيهن او أن نقبر فيهن موتانا حين تطلع الشمس بازغة حتى ترتفع وحين يقوم قائم الظهيرة حتى تميل الشمس وحين تضيف للغروب حتى تغرب.

(۳)......عن عبدالله الصنابحى ان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال الشمس تطلع ومعها قرن الشيطان فاذا رفعت فارقها فاذا استوت قارنها فاذا زالت فارقها فاذا دنت للغروب قارنها غربت فارقها ونهى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن الصلوة فى تلك الساعات.

اس قسم کی روایتیں یعنی نهى عن الصلوة فى الاوقات الثلاثة درجہ تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں، اس لئے طلوع شمس اور غروب شمس کے وقت نماز کی اجازت نہیں دی جائے گی،

البتہ صرف عصر یوم کو مستثنیٰ کیا گیا ہے۔

عصر اور فجر میں فرق کی وجہ

حنفیہ کے ضابطہ کے مطابق سورج غروب ہونے کے بعد عصر یوم کی بھی اجازت نہ ہونا چاہئے، لیکن حنفیہ عصر یوم کو مکمل کرنے کی اجازت دیتے ہیں، جب کہ فجر کی نماز قضاء پڑھنے کو کہتے ہیں، اس فرق کی وجہ کیا ہے؟

حنفیہ اس فرق کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ حدیث باب اور ان احادیث کے درمیان تعارض ہے، جن میں طلوع اور غروب کے وقت نماز کی ممانعت وارد ہوئی ہے: "**واذا تعارضا تساقطا**" اور جب احادیث کے درمیان تعارض ہوا تو اصول فقہ کے قاعدہ کے مطابق ترجیح کے لئے قیاس کی طرف رجوع کیا جائے گا، اور قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ فجر کی نماز فاسد اور عصر کی نماز درست ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ فجر کا سارا وقت کامل ہے، اس میں کوئی وقت ناقص نہیں ہے، لہٰذا جو شخص آخر وقت میں نماز فجر شروع کر رہا ہے وہ کامل وقت میں نماز شروع کر رہا ہے، اس کے ذمہ نماز کا وجوب کامل درجہ میں ہوا۔ اب اس کو نماز کامل وقت میں پوری بھی کرنا ہے، لیکن طلوع شمس کی وجہ سے ادائیگی ناقص ہوئی، اور وجوب کامل کی صورت میں اگر ادائیگی ناقص ہو تو نماز فاسد ہو جاتی ہے، اس کے برخلاف عصر کا آخری وقت ناقص ہے، جو شخص آخر وقت میں عصر کی نماز ادا کر رہا ہے اس پر نماز ناقص واجب ہوئی، لہٰذا ادائے ناقص درست ہے، اس حکمت کے پیش نظر فجر اور عصر میں ہم فرق کرتے ہیں۔

ائمہ ثلاثہ کے مذہب کی ترجیح

ابن نجیمؒ نے البحر الرائق میں علامہ شبیر احمد رحمہ اللہ نے فتح الملهم میں اور مولانا

گنگوہیؒ نے الکوکب الدری میں ائمہ ثلاثہ کے مذہب کو ترجیح دی ہے، اور یہ کہا ہے کہ جس طرح عصر یوم کی صحت تسلیم کی گئی ہے، اسی طرح فجر کو بھی صحیح کہنا چاہئے۔

حضرت گنگوہیؒ نے تو یہ فرمایا: کہ روایات نھی عن الصلوۃ مستفاد ہے، اور صلوۃ افعال شرعیہ میں سے ہے اور اصلول کا قاعدہ ہے کہ "نھی عن الافعال الشرعیۃ" صحت کے لئے مقتضی ہوتی ہے، اس لئے صحت صلوۃ کا حکم ہونا چاہئے بالخصوص جب کہ زیر بحث روایت بھی موجود ہے۔

اور علامہ عثمانی رحمہ اللہ نے یہ فرمایا ہے: کہ دراصل تعارض روایات نہی اور آیت قرآنیہ "ولا تبطلوا اعمالکم" کے درمیان ہے، روایات نہی کا تقاضا یہ ہے کہ "عند الطلوع والغروب" نماز معتبر نہ ہو، اور "ولا تبطلوا اعمالکم" کا تقاضا یہ ہے کہ اگر پہلے سے نماز شروع کی جا چکی ہے، اور درمیان میں طلوع اور غروب ہو رہا ہے تو ابطال عمل نہ ہو، اور فساد کا حکم نہ لگایا جائے گا، بہر حال روایات نہی اور یہ آیت متعارض ہیں اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سالم من التعارض ہے، اس لئے یہ ہونا چاہئے کہ عین طلوع اور غروب کے وقت نماز شروع کرنے کی اجازت نہ ہو اور اگر نماز پہلے سے شروع کی جا چکی ہے تو پھر فساد کا حکم نہ لگایا جائے، روایات نہی پر بھی عمل ہو جائے گا اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت اور آیت پر بھی عمل ہو جائے گا، بہر حال ان حضرات کی تحقیق کے مطابق فقہائے حنفیہ میں امام ابو یوسفؒ کی روایت اولی اور افضل ہے۔

(نفحات التنقیح: ۲/۲۴۴)

درمیان صلوۃ سورج طلوع ہو تو نماز مکمل کرنا چاہئے

﴿۵۵۵﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ اِذَا اَدْرَكَ اَحَدُكُمْ سَجْدَةً مِنْ صَلوٰةِ الْعَصْرِ قَبْلَ اَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَلْيُتِمَّ صَلوٰتَهٗ وَاِذَا اَدْرَكَ سَجْدَةً مِنْ صَلوٰةِ الصُّبْحِ قَبْلَ اَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَلْيُتِمَّ صَلوٰتَهٗ۔ (رواه البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۷۹/ ۱، باب من ادرک رکعۃ من العصر قبل الغروب، کتاب مواقیت الصلوۃ، حدیث نمبر:۵۵۶۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ تم میں سے کوئی شخص جب عصر کی نماز کی ایک رکعت سورج غروب ہونے سے پہلے پالے تو اس کو چاہئے کہ اپنی نماز پوری کرلے، اور جب صبح کی نماز کی ایک رکعت سورج نکلنے سے پہلے پالے تو اس کو چاہئے کہ اپنی نماز پوری پڑھے۔

تشریح: تفصیل اوپر گذر چکی۔

جو سو گیا وہ بعد میں قضا نماز پڑھے

﴿۵۵۶﴾ وَعَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَسِيَ صَلوٰةً اَوْ نَامَ عَنْهَا فَكَفَّارَتُهَا اَنْ يُصَلِّيَهَا اِذَا ذَكَرَهَا وَفِيْ رِوَايَةٍ لَا كَفَّارَةَ لَهَا اِلَّا ذٰلِكَ۔ (متفق علیه)

حوالہ: بخاری شریف: ۸۴/ ۱، باب من نسی صلوۃ فلیصل اذا ذکرھا، کتاب مواقیت الصلوۃ، حدیث نمبر:۵۹۷۔ مسلم شریف: ۲۴۱/ ۱، باب قضاء الصلوۃ الفائتۃ، واستحباب تعجیل قضائھا، کتاب المساجد، حدیث نمبر:۶۸۴۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ جو شخص نماز کو بھول گیا یا نماز سے غافل ہو کر سویا رہا، تو اس کا کفارہ یہی ہے کہ جب نماز اس کو یاد آئے تو وہ نماز پڑھ لے، اور ایک روایت میں ہے کہ اس کا کفارہ وہی نماز ہے۔

تشریح: نائم وناسی نماز کے مکلف نہیں ہیں، لیکن اگر ناسی کو نماز یاد آجائے یا نائم نیند سے بیدار ہو جائے تو نوم ونسیان کی صورت میں جو معافی تھی وہ ختم ہو جائیگی، اب نماز اس کے ذمہ واجب ہو گئی، لہٰذا جلد از جلد نماز ادا کرنا چاہئے، حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں کہ چونکہ نماز کی قضاء کے بعد انسان کی طبیعت میں تساہل پیدا ہو جاتا ہے اور نماز کی اہمیت مکمل طور سے باقی نہیں رہتی بلکہ طبیعت میں ٹال مٹول پیدا ہو جاتا ہے، اور یہ خیال ہونے لگتا ہے کہ جب چاہیں گے پڑھ لیں گے، اس لئے شریعت میں حکم دیا گیا ہے کہ قضاء نماز یاد آتے ہی پڑھ لو۔

گناہ زائل ہونے کی صورت یہی ہے کہ نماز یاد آتے ہی قضاء پڑھ لے، کئی نمازیں پڑھنا صدقہ وفدیہ دینا اس پر واجب نہیں۔ (مرقاۃ: ۲/۱۳۵)

یاد آنے پر نماز پڑھنے کا مطلب

امام صاحب کا مذہب: فوت شدہ نماز جب یاد آجائے اور وقت بھی صحیح ہو تو فوراً ادا کرلے، ورنہ مکروہ وقت ختم ہوتے ہی ادا کرلے۔

دلیل: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فجر کی نماز چھوٹ گئی، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب بیدار ہوئے تو وقت مکروہ تھا، لہٰذا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فوراً نماز نہیں پڑھی، بلکہ کچھ انتظار کے بعد نماز پڑھی، حدیث کے الفاظ ہیں "**فلما ارتفعت الشمس وابیضت قام فصلی**" یعنی جب سورج بلند ہو کر

بالکل صاف ہوگیا اور وقت مکروہ ختم ہوگیا، تب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز پڑھی۔

شوافع کا مذہب: فوت شدہ نماز یاد آتے ہی پڑھنا ضروری ہے، خواہ یاد آنے کا وقت مکروہ وقت ہی کیوں نہ ہو۔

دلیل: یہ حضرات حدیث کے ظاہر الفاظ سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حدیث میں ہے کہ "**اذا ذکرھا**" یعنی جوں ہی یاد آئے نماز پڑھنا ضروری ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان میں عموم ہے، اب اگر اس سے وقت مکروہ کو الگ کیا جائے تو عموم کو ختم کرنا ہے۔

شوافع کا جواب ومذہب حنفیہ کی ترجیح: حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا کہ یہاں دو روایتیں ہیں، جن میں وقت اور مصلی کے سلسلے میں دو عموم اور دو خصوص ہیں، ایک تو یہی روایت ہے جو نائم وناسی کے بارے میں ہے جس میں "**فلیصلیھا اذا ذکرھا**" کے الفاظ ہیں، اس میں اوقات کا عموم ہے کہ جس وقت بھی یاد آئے نماز پڑھ لے، اور مصلی کا خصوص ہے کہ صرف نائم وناسی کے لئے یہ حکم ہے، اور دوسری وہ مشہور روایات ہیں جن میں اوقات مکروہہ میں نماز سے ممانعت کی گئی ہے، ان روایات میں مصلی کا عموم ہے کہ نائم وناسی ہو یا کوئی دوسرا، اور اوقات کا خصوص ہے کہ ان اوقات میں نماز کی ممانعت ہے، گویا دونوں روایتوں میں سے ہر روایت میں ایک عموم ہے، اور ایک خصوص، اور صورت حال یہ ہے کہ دونوں روایات کو نہ احناف پورے طور پر لے رہے ہیں، اور نہ شوافع، شوافع نے اوقات مکروہہ میں ممانعت کی روایت میں مصلی کے عموم میں سے نائم وناسی کا استثناء کیا ہے، اور احناف نے نائم وناسی کے لئے اوقات کے عموم میں سے اوقات مکروہہ کا استثناء کیا ہے، گویا

دونوں روایتوں کو پورے طور پر نہ شوافع ہی لے سکے، اور نہ احناف، اب دیکھنا یہ ہے کہ کس کی تخصیص قاعدہ کے موافق ہے اور دلیل کے لحاظ سے قوی ہے، تو اس کا فیصلہ پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عمل سے ہو سکتا ہے، اور پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عمل جیسا کہ احناف کی دلیل میں گذرا یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قضاء نماز وقت مکروہ میں نہیں پڑھی، معلوم ہوا کہ حنفیہ کی تخصیص پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عمل کے موافق اور درست ہے۔

فکفارتها ان یصلیها اذا ذکرها الخ: میں "اذا" ظرفیہ کے بجائے شرطیہ ہے، اور معنی یہ ہونگے اگر یاد آجائے تو نماز پڑھ لو لہٰذا اس صورت میں کوئی اشکال نہ ہوگا، لیکن اگر "اذا" کو ظرفیہ کہا جائے تب بھی ظرف موسع مراد ہوگا۔ اس لئے اگر کسی شخص کو نماز حالت جنابت میں یاد آتی ہے تو آپ اس کو غسل کا حکم دیتے ہیں، یا جنابت ہی کی حالت میں جیسے ہی یاد آجائے تو علی سبیل الفور نماز ادا کرنا ضروری ہوتا ہے، ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہے، لہٰذا جیسے جنابت ایک مانع ہے، اسی طرح طلوع شمس غروب شمس بھی مانع ہیں اور وقت میں اتنی گنجائش رکھی جائیگی، کہ موانع صلوۃ مرتفع ہو سکیں۔ (**نفحات التنقیح: ۲/۲۴۶**)

عمداً ترک صلوۃ پر قضاء ہے یا نہیں؟

ظواهر کا مذهب: اہل ظواہر کہتے ہیں کہ فوت شدہ نماز کی قضاء واجب نہیں۔

دلیل: یہ حضرات دلیل میں حدیث باب کو پیش کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ قضاء کے لئے نوم ونسیان شرط ہیں، اور شرط کے انتفاع سے مشروط کا بھی انتفاع ہو جاتا ہے، لہٰذا نوم ونسیان نہ ہونے کی صورت میں قضاء واجب نہیں ہے۔

جمهور کا مذهب: جمہور کے نزدیک عمداً ترک شدہ نماز کی قضاء لازم ہے، فرق یہ

ہے کہ نوم ونسیان کی صورت میں ترک صلوۃ پر گناہ نہیں ہے، اور عمداً ترک کی صورت میں گناہ ہے۔

دلیل: عمداً ترک صلوۃ پر فقہاء کی سب سے مضبوط دلیل یہی روایت ہے، جس میں نائم ونسیان پر قضاء کو واجب کیا گیا ہے، کیونکہ یہ حکم اس حدیث سے دلالت النص کے طور پر ثابت ہو رہا ہے، دلالت النص کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز حکم منصوص سے درجہ اولیٰ میں ثابت ہو، اور یہ استدلال کا نہایت قابل اعتماد طریقہ ہے، جیسے "**لاتقل لھما اف**" میں 'اف' کہنے کی ممانعت سے ضرب وشتم کی ممانعت بدرجہ اولیٰ ثابت ہوتی ہے، بالکل اسی طرح جب نائم وناسی پر یاد آنے کے بعد قضاء واجب ہے جب کہ ان کا عذر قابل قبول تھا، تو عمداً ترک کرنے والے پر بدرجہ اولیٰ قضاء واجب ہوگی، کیونکہ ان کے پاس کوئی قابل قبول عذر شرعی نہیں ہے۔ (بذل المجہود: ۲/۲۵۲)

سوئے رہنے کی حالت میں قصور نہیں

﴿۵۵۷﴾ وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْسَ فِی النَّوْمِ تَفْرِیْطٌ اِنَّمَا التَّفْرِیْطُ فِی الْیَقْظَۃِ فَاِذَا نَسِیَ اَحَدُکُمْ صَلوٰۃً اَوْ نَامَ عَنْھَا فَلْیُصَلِّھَا اِذَا ذَکَرَھَا فَاِنَّ اللّٰہَ تَعَالیٰ قَالَ وَاَقِمِ الصَّلوٰۃَ لِذِکْرِیْ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۲۴۲، باب قضاء الصلوۃ الفائتۃ، کتاب المساجد، حدیث نمبر: ۶۸۴۔

ترجمہ: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''قصور سوئے رہنے کی حالت میں نہیں ہے، بلاشبہ قصور تو جاگے رہنے کی حالت میں ہے، سو تم میں سے کوئی شخص جب نماز پڑھنا بھول جائے یا نماز سے غافل ہو کر سو جائے تو اس کو چاہئے کہ یاد آتے ہی نماز پڑھ لے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''اقم الصلوٰۃ لذکری'' یعنی نماز میرے یاد کرنے کے لئے قائم کرو۔

تشریح: جو شخص محو خواب ہے تو اس حالت میں (سونے کی حالت میں) نماز چھوٹ جانے کی وجہ سے اس غلطی کی نسبت سونے کی طرف نہیں ہوگی، کیونکہ سویا ہوا شخص کسی بات کا مکلف نہیں ہوتا ہے، مکلف تو بیداری کی حالت میں ہوتا ہے، لہٰذا اس کوتاہی کی نسبت جاگتے رہنے کے وقت اس عمل کی طرف ہوگی، جس کی بناء پر وہ نماز کے وقت سوتا رہ گیا۔

انما التفریط: بیداری کی حالت میں جس عمل میں مشغول رہا وہ عمل لائق گرفت ہے، مثلاً شطرنج کھیلتا رہا، یا فضول بکواس کرتا رہا، اور تاخیر سے سویا، جس کی بناء پر نماز فجر چھوٹ گئی، تو ان اعمال کی بابت بازپرس ہوگی۔

مثلاً سونے کے وقت نماز کے وقت پر اٹھنے کا اہتمام کیا یا نہیں، مثلاً گھڑی میں الارم لگایا یا نہیں، کسی پاس والے کو بیدار کرنے کیلئے کہا یا نہیں، اگر ان چیزوں کا اہتمام کرنے کے باوجود بیدار نہیں ہوا تو اس کی گرفت نہیں اور اگر ان چیزوں کا اہتمام نہیں کیا تو بازپرس ہوسکتی ہے۔

و اقم الصلوۃ لذکری: میری یاد کے لئے نماز قائم کرو، مطلب یہ ہے کہ نماز کا اصل مقصد ذکر الٰہی کو تازہ رکھنا ہے، اصل میں بندہ کے لئے مناسب یہ ہے کہ وہ ہمہ وقت ذکر الٰہی میں مشغول رہے، لیکن چونکہ اس سلسلے میں کوتاہی ہوتی ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے بندوں کی آسانی کے لئے ذکر کی مخصوص صورتیں مخصوص اوقات سے متعلق کردی ہیں، پنج وقتہ نمازوں کا مقصد بھی اقامت ذکر ہے، انہی مخصوص صورتوں میں سے ایک صورت یہ ہے کہ اگر انسان نماز کو بھول جائے اور نماز قضاء ہو جائے تو جب یاد آئے اس کو ادا کرلے۔

کسی نے کیا خوب کہا: ؎

ہر وقت اللہ اللہ کر نور سے اپنا سینہ بھر
جینا ہے تو اس کا ہو کر جی مرنا ہے ہے تو اسکا ہو کر مر

﴿الفصل الثانی﴾

تین چیزوں میں عجلت پسندیدہ ہے

﴿۵۵۸﴾ وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا عَلِيُّ ثَلَاثٌ لَاتُؤَخِّرْهَا الصَّلٰوةُ اِذَا اَتَتْ وَالْجَنَازَةُ اِذَا حَضَرَتْ وَالْاَيِّمُ اِذَا وَجَدْتَ لَهَا كُفُوًّا۔ (رواہ الترمذی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۴۳/ ۱، باب ماجاء فی الوقت الاول من الفضل، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۱۷۱۔

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اے علی تین کاموں میں دیر نہ کرو! (۱) نماز! جب اس کا وقت آ جائے۔ (۲) جنازہ! جب تیار ہو جائے۔ (۳) بے نکاحی عورت! جب اس کا کفو تمہیں مل جائے۔

تشریح: تین کام بہت اہم ہیں، انکا وقت آ جانے پر ان میں تاخیر نہ کرنا چاہئے، تاخیر کی صورت میں فتنہ وفساد پھوٹتا ہے، اور معاشرہ میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے، وہ تین کام یہ ہیں۔

(۱)...... جنازہ! جب آ جائے تو اس مین تاخیر ہرگز نہ کی جائے۔

(۲)...... نماز کا وقت! وقت مستحب آنے کے بعد اس کو مؤخر نہ کرنا چاہئے۔

(۳)...... جو مرد یا عورت بے نکاح ہوں اور ان کا کفو مل جائے تو پھر ان کے نکاح میں تاخیر نہ کرنا چاہئے۔

لا تؤخرھا: تین چیزوں میں تاخیر مت کرو، کیونکہ اس میں تاخیر آفت کو دعوت دینے کے مانند ہے، اور یہ تین چیزیں اس حدیث سے مستثناء ہیں، جس میں جلد بازی کو شیطان کی جانب سے کہا گیا ہے۔

الصلوۃ اذا اتت: نماز کا وقت آنے کے بعد اس کو مؤخر نہ کرنا چاہئے، یہ حدیث بظاہر حنفیہ کے خلاف محسوس ہو رہی ہے، لیکن حقیقتاً یہ حدیث حنفیہ کے خلاف نہیں ہے، کیونکہ یہاں اول وقت سے مراد اول وقت مستحب ہے، اور اس کی دلیل اسفار و ابراد کی احادیث ہیں، خود امام شافعیؒ نے وقت عشاء میں یہی تاویل کی ہے۔

والجنازۃ اذا حضرت، حنفیہ کے نزدیک یہ جزء اپنے ظاہر پر محمول ہے، لہذا اگر جنازہ طلوع، غروب، نیز استواء شمس کے وقت بھی آ جائے تو بھی اسی وقت نماز جنازہ پڑھی جائے گی، اور یہ مکروہ نہیں ہوگی، لیکن اگر جنازہ وقت مکروہ سے پہلے آ چکا ہے اور پھر تاخیر کے نتیجے میں مکروہ وقت میں ادا کی جارہی ہے، تو کراہت پیدا ہو جائے گی، یہی حکم سجدہ تلاوت کا بھی ہے۔ والایم اذا وجدت لھا کفوا، "ایم" سے بعض لوگ بے نکاحی مراد لیتے ہیں، حالانکہ ایم کا اطلاق اس عورت پر ہوتا ہے جو خاوند والی نہ ہو خواہ وہ کنواری ہو، ثیبہ ہو، مطلقہ ہو، یا بیوہ ہو، اور علامہ طیبیؒ نے لکھا ہے کہ ایم سے مراد وہ ہے جس کا زوج نہ ہو خواہ مرد ہو یا عورت، کفو ملنے کے بعد نکاح میں تاخیر درست نہیں، کفو سے مراد زوجین کا ایک دوسرے کے اسلام، حریت، دینداری، حسب نسب، پیشہ اور تمول میں برابر ہونا ہے۔ (مرقات: ۲/۱۳۶)

اول وقت نماز پڑھنے کی فضیلت

﴿۵۵۹﴾ وَعَنْ اِبْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْھُما قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْوَقْتُ الْاَوَّلُ مِنَ الصَّلَاۃِ رِضْوَانُ اللّٰہِ وَالْوَقْتُ الْاٰخِرُ عَفْوُ اللّٰہِ۔ (راوہ الترمذی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۴۳، باب ما جاء فی الوقت الاول من الفضل، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۱۷۱۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ نماز کا اول وقت تو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا سبب ہے، اور آخیر وقت میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے معافی ہے۔''

تشریح: الوقت الاول: جو شخص اول وقت نماز ادا کرتا ہے، اس کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہوتے ہیں، لیکن اول وقت سے مراد وقت مختار کا اول ہے۔

والوقت الاخر عفو اللّٰہ: نماز کو آخیر وقت میں پڑھنا ایک قسم کی کوتاہی ہے، لیکن آخر وقت میں بھی نماز ادا ہو جاتی ہے، اور اللہ تعالیٰ اس کوتاہی کو معاف فرمادیں گے، اخیر وقت سے مراد وہ آخری حصہ ہے، جس میں نماز کی ادائیگی کراہت کے ساتھ ادا ہوتی ہے، جیسے عصر کی نماز اصفرار شمس کے بعد اور عشا کی نماز آدھی رات کے بعد پڑھنا، اور اگر تاخیر سے وقت اول کے بعد اور وقت مکروہ سے پہلے کی تاخیر مراد ہو تو پھر یہاں ''عفو'' کے معنی معاف کرنے کے نہ ہوں گے، بلکہ فضل کے معنی ہوں گے، کیونکہ عفو فضل کے معنی میں بھی آتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''ویسئلونک ماذا ینفقون قل العفو'' (وہ

لوگ سوال کرتے ہیں کیا خرچ کریں؟ آپ فرما دیجئے جو بھی تمہاری اور تمہارے عیال کی روزی سے زائد ہو خرچ کرو) آیت میں عفو کے معنی فضل کے ہیں، اسی طرح اس حدیث کا بھی مطلب ہوگا کہ وقت کے آخیر میں اللہ کا بہت فضل ہے، اور مفہوم یہ نکلے گا کہ وقت مکروہ سے پہلے پہلے، یہی حنفیہ کا مذہب بھی ہے۔

نماز اول وقت میں پڑھنا افضل عمل ہے

﴿۵۶۰﴾ وَعَنْ اُمِّ فَرْوَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهَا قَالَتْ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ قَالَ الصَّلٰوةُ لِاَوَّلِ وَقْتِهَا۔ (رواه احمد والترمذی وابوداؤد) وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ لَايُرْوَى الْحَدِيْثُ اِلَّا مِنْ حَدِيْثِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الْعُمَرِيِّ وَهُوَ لَيْسَ بِالْقَوِيِّ عِنْدَ اَهْلِ الْحَدِيْثِ۔

حواله: مسند احمد: ۳۷۴، ۳۷۵/ ۶، ابوداؤد شریف: ۶۱/ ۱، باب فی المحافظة علی وقت الصلوات، کتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۴۲۶۔ ترمذی شریف: ۴۲/ ۱، باب ماجاء فی الوقت الاول من الفضل، کتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۱۷۰۔

ترجمه: حضرت ام فروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ سب سے بہترین عمل کونسا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''نماز کو اول وقت میں پڑھنا۔ (احمد، ترمذی، ابوداؤد) اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ روایت صرف عبداللہ بن عمر عمری کی سند سے نقل ہوئی ہے، اور عمری محدثین کے

نزدیک قوی نہیں ہیں۔

تشــریح: ایمان کے بعد سب سے افضل عمل نماز کا جماعت کے ساتھ اول وقت میں پڑھنا ہے، دیگر اعمال کے بارے میں جو افضلیت ثابت ہے، وہ جزوی اعتبار سے ہے، عمومی اعتبار سے ایمان کے بعد نماز کو افضلیت حاصل ہے۔

حدیث الباب میں فرمایا گیا ہے کہ نماز کو اول وقت مستحب میں پڑھنا افضل الاعمال ہے، چنانچہ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ فرض نمازوں کو ان کے اوقات میں اچھی طرح ادا کرنا تمام اعمال میں سب سے افضل ہے، پھر اس کے بعد جمہور کی رائے یہ ہے کہ علم دین میں اشتغال افضل ہے، اشتغال بالنوافل سے، لیکن اس میں اختلاف ہو رہا ہے کہ اشتغال بالعلم اور جہاد میں کون افضل ہے، جمہور کی رائے یہ ہے کہ شغل علم ہی افضل ہے جہاد سے۔

نیز واضح رہے کہ چونکہ بعض احادیث میں ایمان کو افضل الاعمال قرار دیا گیا ہے، اس لئے علماء نے لکھا ہے کہ ان احادیث میں اعمال سے اعمال بدنیہ مراد ہیں، لہذا اعمال قلبیہ میں سب سے افضل ایمان ہے۔ (الدر المنضود: ۲/۴۳)

آنحضرت ﷺ نے اخیر وقت میں دوبار بھی نماز نہیں پڑھی

﴿۵۶۱﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهَا قَالَتْ مَا صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلوٰةً لِوَقْتِهَا الْاٰخِرِ مَرَّتَيْنِ حَتّٰى قَبَضَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ۔ (رواه البخاری)

حواله: ترمذی شریف: ۴۳/ ۱، باب ماجاء في الوقت الاول من الفضل، کتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۱۴۷۔

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آخر وقت میں نماز دومرتبہ نہیں پڑھی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وفات دے دی۔

تشریح: آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی پوری زندگی میں دونمازیں بھی آخر وقت میں نہیں پڑھیں، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہمیشہ یہی معمول رہا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز کو اس کے مستحب وقت میں ادا فرماتے رہے۔ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے علم کے مطابق یہ بات فرمائی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دومرتبہ بھی آخیر وقت میں نماز نہیں پڑھی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دومرتبہ تو آخیر وقت میں نماز پڑھنا ثابت ہے۔نیز حدیث نمبر:۵۳۶/ کے تحت حدیث السائل عن مواقیت الصلوۃ میں بھی دوسرے دن اخیر وقت میں نماز پڑھنا ثابت ہے۔

نمازِ مغرب اولِ وقت پڑھنے کی تاکید

﴿۵۶۲﴾ وَعَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَایَزَالُ اُمَّتِیْ بِخَیْرٍ اَوْ قَالَ عَلَی الْفِطْرَةِ مَالَمْ یُؤَخِّرُوا الْمَغْرِبَ اِلٰی اَنْ تَشْتَبِكَ النُّجُوْمُ۔ (رواہ ابوداؤد) وَرَوَاهُ الدَّارِمِیُّ عَنِ الْعَبَّاسِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ۔

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۶۰، باب فی الوقت المغرب، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر:۴۱۸۔دارمی:۲۹۷/۲۹۸/۱، باب کراهیة تاخیر

المغرب، حدیث نمبر: ۱۲۱۰۔

ترجمہ: حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میری امت ہمیشہ بھلائی پر یا فطرت اسلام پر رہے گی، جب تک کہ وہ مغرب کی نماز اتنی مؤخر نہ کرنے لگیں کہ چمکتے ہوئے تاروں کا ہجوم ہو جائے۔ (ابوداؤد) اور دارمی نے یہ حدیث حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کی ہے۔

تشریح: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مصر میں عقبہ بن عامر کے پیچھے نماز پڑھی، عقبہ بن عامر مصر کے امیر تھے، انہوں نے مغرب کی نماز میں تاخیر کی، تو ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تاخیر پر اشکال کیا، انہوں نے کسی مشغولی کا عذر کیا تو اس پر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ حدیث سنائی کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے تھے، کہ میری امت خیر پر قائم رہے گی، جب تک نماز میں تاخیر نہ کرے گی۔ یہاں پر حدیث مختصراً ہے، طویل حدیث میں وہ مفہوم ہے جو میں نے ابھی ذکر کیا ہے۔

الی ان تشتبک النجوم: امت اسی وقت تک خیر پر رہے گی جب تک مغرب میں تاخیر نہیں کرے گی، اور اگر مغرب میں اتنی تاخیر کرنے لگی کہ چمکتے ہوئے ستاروں کا ہجوم ہو جائے، تو امت خیر کا دامن چھوڑ دے گی، معلوم ہوا کہ محض ستارے نکل آنے سے مغرب کے وقت میں کراہت پیدا نہیں ہوتی، بلکہ کراہت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب ستاروں کا ہجوم ہو جائے۔

مغرب کا وقت مستحب باتفاق فقہاء غروب شمس کے معاً بعد ہے، شیعہ کہتے ہیں کہ مغرب کا وقت اشتباک نجوم کے بعد داخل ہوتا ہے، مذکورہ بالا حدیث ان کے خلاف واضح دلیل ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مغرب کی نماز تاخیر سے پڑھنا ثابت ہے، لیکن وہ بیان جواز کے لئے تھا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مستقل معمول غروب شمس

کے معاً بعد نماز مغرب پڑھنے کا تھا۔

ثلث لیل تک تاخیر عشاء مستحب ہے

﴿۵۶۳﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَوْ لَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ لَاَمَرْتُهُمْ اَنْ یُّؤَخِّرَ الْعِشَاءَ اِلٰی ثُلُثِ اللَّیْلِ اَوْ نِصْفِهٖ۔ (رواه احمد والترمذی وابن ماجة)

حواله: مسند احمد: ۲/۲۵۰، ترمذی شریف: ۱/۴۲، باب تاخیر العشاء، کتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۱۶۷۔ ابن ماجه شریف: ۵۰، باب وقت صلوة العشاء، کتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۶۹۱۔

ترجمه: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اگر میں اپنی امت پر بھاری نہ سمجھتا تو میں ان کو عشاء کی نماز تہائی رات تک یا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا نصف رات تک مؤخر کرنے کا حکم دیتا۔

تشریح: ایک تہائی رات تک عشاء کو مؤخر کرنا مستحب ہے؛ لیکن اگر قلت جماعت کا اندیشہ ہو یا لوگوں کے مشقت میں پڑنے کا خدشہ ہو تو عشاء کو اول وقت میں پڑھنا مستحب ہے، اس سے معلوم ہوا کہ منشاء رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز عشاء کو مؤخر کرنا ہے، اور یہی حنفیہ کا مذہب بھی ہے۔

لو لا ان اشق علی امتی: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حق مصلین کی وجہ سے تاخیر کا حکم نہیں دیا؛ لیکن اتنا تو معلوم ہوا کہ ثلث رات تک نماز کو مؤخر

کرنا مستحب ہے، لیکن اگر تاخیر میں کثرت جماعت ہوتو تاخیر ہی اولیٰ ہے۔

لامرت: مطلب یہ ہے کہ اگر خدشہ نہ ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وجوباً حکم دیتے، وجوباً حکم نہیں دیا، لیکن استحباب برقرار ہے، چنانچہ حنفیہ کے یہاں یہی مسئلہ ہے، کہ اگر تاخیر سے مشقت نہ ہوتو تاخیر مستحب ہے۔

الی ثلث الیل او نصفہ: راوی کو شک ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ثلث اللیل فرمایا یا نصف لیل فرمایا، لیکن دوسری روایات میں ثلث لیل کی صراحت ہے، اس لئے حدیث میں بھی ثلث متعین ہے۔

فائدہ: (۱)......حدیث پاک سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے امت پر کمال شفقت معلوم ہوتی۔

(۲)......حق مصلین کی رعایت کرنا چاہئے۔

نمازعشاءاس امت کی خصوصیت

﴿۵۶۴﴾ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْتِمُوْا بِهٰذِهِ الصَّلٰوةِ فَاِنَّكُمْ قَدْ فُضِّلْتُمْ بِهَا عَلٰى سَائِرِ الْاُمَمِ وَلَمْ تُصَلِّهَا اُمَّةٌ قَبْلَكُمْ۔ (روہ ابوداؤد والدارمی)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۶۱/۱، باب وقت العشاء الآخرۃ، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۴۲۱۔

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”تم لوگ اس نماز میں تاخیر کرو، دراصل گذشتہ تمام امتوں پر

اسی نماز کے ذریعہ سے تم کو فضیلت بخشی گئی ہے، تم سے پہلے کسی امت نے یہ نماز نہیں پڑھی۔

تشریح: امت محمدیہ کو دیگر امتوں پر جہاں پر بہت سی چیزوں میں فضیلت وبرتری حاصل ہے، وہیں عشاء کی نماز سے بھی یہ امت دیگر امتوں پر فائق ہے، امم سابقہ میں سے کسی بھی امت پر عشاء کی نماز فرض نہیں تھی، یہ نماز صرف امت محمدیہ پر فرض ہوئی ہے، لہٰذا امت محمدیہ کو اللہ تعالیٰ کے اس احسان کی قدر کرنا چاہئے، اور اس نماز کو اہتمام کے ساتھ کچھ تاخیر کر کے پڑھنا چاہئے تاکہ جماعت میں کثرت ہوجائے اور اگر کثرت اول وقت میں ہو تو اول وقت میں عشاء ادا کرنا مستحب ہے۔

عشاء کا وقت مسنون

﴿۵۶۵﴾ وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اَنَا اَعْلَمُ بِوَقْتِ هٰذِهِ الصَّلٰوةِ الْعِشَاءِ الْاٰخِرَةِ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْهَا لِسُقُوْطِ الْقَمَرِ لِثَالِثَةٍ۔ (رواہ ابوداؤد والدارمی)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۶۰/۱، باب فی وقت العشاء الآخرة، کتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۴۱۹۔ دارمی: ۲۹۸/۱، باب وقت العشاء، کتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۱۲۱۱۔

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں اس نماز یعنی عشاء آخرہ کا وقت خوب جانتا ہوں، حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس نماز کو تیسری رات کے چاند چھپنے کے وقت پڑھتے تھے۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عشاء کی نماز ایسے وقت میں پڑھتے

تھے، جس وقت کہ مہینے کی تیسری تاریخ کو چاند نظروں سے غائب ہوتا ہے، اور قمری مہینے کی تیسری تاریخ کو چاند شفق احمر کے کچھ دیر گذرنے کے بعد غائب ہوتا ہے؛ معلوم ہوا کہ عشاء کی نماز اول وقت سے کچھ مؤخر کر کے پڑھتے تھے۔

انا اعلم بوقت ھذہ الصلوۃ: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ عشاء کی نماز سے متعلق آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معمول میں زیادہ بہتر طور پر جانتا ہوں، دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بھی جانتے تھے، لیکن بعض مرتبہ کسی وجہ سے کسی صحابی کو کسی خاص مسئلہ سے زیادہ واقفیت ہوجاتی تھی، اس بناء پر وہ صحابی اس مسئلہ کا خاص اہتمام بھی کرتے تھے، حضرت نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنی طرف "اعلم" کی نسبت کرنا خودستائی کی بناء پر نہ تھا، بلکہ مقصد یہ تھا کہ سامعین ان کی روایت کو توجہ سے سنیں اور قبول کریں، اور یہ بھی لوگوں کے نفع کے پیش نظر تھا، اپنی کوئی ذاتی غرض وابستہ نہیں تھی، اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان کا یہ کہنا اکابر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے انتقال کے بعد ہو، جو راوی حدیث نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے علم میں بڑھے ہوتے تھے۔

صلوۃ العشاء الاخرۃ: شروع میں مغرب وعشاء دونوں کیلئے "عشاء" کا لفظ بولا جاتا تھا، اور فرق کے لئے مغرب کو "العشاء الاولی" اور عشاء کو "العشاء الآخرۃ" سے تعبیر کرتے تھے، پھر بعد میں صلوۃ مغرب کے لئے مغرب کا لفظ اور صلوۃ عشاء کے لئے عشاء کا لفظ خاص ہوگیا۔

یصلیھا لسقوط القمر لثالثۃ: جس وقت تیسری رات کا چاند غروب ہوتا تھا، اس وقت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز عشاء پڑھتے تھے، ابن حجر مکی شافعیؒ حدیث کے اس جزء سے اپنے مذہب پر استدلال کرتے ہیں، ملا علی قاریؒ نے اسی موقع پر ابن حجرؒ کا قول نقل کر کے ان کی تردید کی ہے۔

ابن حجر مکیؒ کہتے ہیں کہ تیسری تاریخ کو چاند عام طور پر شفق احمر کے ساتھ ساتھ غائب ہوتا ہے، اور شفق احمر یہی عشاء کا اول وقت ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معمول عشاء کو اس کے اول وقت میں پڑھنے کا تھا، اور یہ امام شافعیؒ کی تعجیل عشاء کے سلسلے میں صریح دلیل ہوگی، اس کے بعد ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ ابن حجر کی یہ بات غیر محقق ہے، اس وجہ سے کہ شفق کے ساتھ چاند کی غیوبت دوسری رات میں ہوتی ہے، نہ کہ تیسری رات میں، اور یہ امر مشاہد ہے، جو چاہے تجربہ کرلے۔ (مرقاۃ: ۲/۱۳۸)

فجر اسفار میں پڑھنا افضل ہے

﴿۵۶۶﴾ وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَسْفِرُوْا بِالْفَجْرِ فَاِنَّهُ اَعْظَمُ لِلْاَجْرِ۔ (رواه الترمذی وابوداؤد والدارمی) وَلَيْسَ عِنْدَ النَّسَائِيْ فَاِنَّهُ اَعْظَمُ لِلْاَجْرِ۔

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۶۱/۱، باب فی وقت الصبح، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۴۲۴۔ ترمذی شریف: ۴۰/۱، باب الاسفار بالفجر، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۱۵۴۔ نسائی شریف: ۹۴/۱، باب الاسفار، کتاب المواقیت، حدیث نمبر: ۵۴۸۔ دارمی: ۳۰۰/۱، ۳۰۱، باب الاسفار بالفجر، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۱۲۱۷۔

ترجمہ: حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”فجر کی نماز اجالے میں پڑھو، کیونکہ اس میں بہت

بڑا ثواب ہے۔(ترمذی، ابو داؤد، دارمی) اور نسائی کی روایت میں "**فانــہ اعـظـم للاجر**" کے الفاظ نقل نہیں ہیں۔

تشــریــح: اس حدیث شریف کا حاصل یہ ہے کہ فجر کی نماز اسفار میں پڑھو، یعنی جب آسمان اور فضاء کے درمیان روشنی پھیل جائے تو فجر کی نماز پڑھو، اس میں اجر بہت ہے۔

اسفر و ا بالفجر : آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسفار میں نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے، اور یہی حنفیہ کا مذہب بھی ہے، حنفیہ کے نزدیک اسفار میں نماز پڑھنا مستحب ہے، باقی تفصیل اوپر گذر چکی ہے، اور غلس میں نماز پڑھنے کا جواب بھی گذر چکا ہے، کہ حدیث فعلی کے مقابلہ میں حدیث قولی کو ترجیح ہوتی ہے۔فقط

﴿الفصل الثالث﴾

وقت عصر

﴿۵٦٧﴾ وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ كُنَّا نُصَلِّي الْعَصْرَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ تُنْحَرُ الْجَزُوْرُ فَتُقْسَمُ عَشَرَ قِسَمٍ ثُمَّ تُطْبَخُ فَنَأْكُلُ لَحْمًا نَضِيْجًا قَبْلَ مُغِيْبِ الشَّمْسِ۔ (متفق عليه)

حوالہ: بخاری شریف:۳۳۸/۱، باب الشركة فی الطعام، کتاب الشركة، حدیث نمبر:۲۴۸۵۔مسلم شریف:۲۲۵/۱، باب استحباب التبكير بالعصر، کتاب المساجد و مواضع الصلوة، حدیث نمبر:٦٢٥۔

ترجمہ: حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہم لوگ عصر کی نماز پڑھ کر فارغ ہو جاتے، پھر اونٹ ذبح کئے جاتے اور اس کو دس حصوں میں تقسیم کیا جاتا، پھر گوشت پکایا جاتا، پھر سورج چھپنے سے پہلے پہلے ہم وہ پکا ہوا گوشت کھاتے تھے۔

تشریح: آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عصر میں تعجیل فرماتے تھے، اسی وجہ سے عصر کی نماز اور مغرب کی نماز کے درمیان طویل اعمال صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین انجام دے لیتے تھے۔ اس حدیث میں بھی ایک طویل عمل کا تذکرہ ہے، اگر عصر میں تاخیر ہوتی تو اس قسم کا کوئی بھی عمل انجام دینا ممکن ہی نہیں تھا، ائمہ ثلاثہ عصر میں مطلقاً تعجیل کے قائل ہیں، اور حدیث الباب ائمہ ثلاثہؒ کی واضح دلیل ہے۔

حدیث باب کا جواب

حدیث باب بظاہر حنفیہ کے خلاف ہے، کیونکہ مثلین کے بعد اگر نماز پڑھی جائے تو اتنا وقت نہیں رہتا کہ حدیث میں مذکورہ عمل انجام دیا جائے، حنفی علماء کی طرف سے یہ تاویل کی جاتی ہے کہ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو کچھ بیان کیا وہ موسم گرما کا ذکر ہے، اس موسم میں دن بڑا ہوتا ہے، اس لئے طویل کام کی گنجائش رہتی ہے، علامہ ابن ہمامؒ نے لکھا ہے کہ سورج کے زرد ہونے سے پہلے عصر کی نماز پڑھنے کی صورت میں غروب آفتاب تک اتنا وقت باقی رہتا ہے کہ وہ سب کیا جا سکے، جو حضرت رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس حدیث میں بیان کیا ہے، جن لوگوں نے ماہر باورچیوں کو حکام وامراء کے ساتھ سفروں میں کھانا تیار کرتے دیکھا ہے وہ اس بات کی گواہی دیں گے کہ اتنے وقت میں یہ عمل ناممکن نہیں ہے، کیونکہ اس کا تمام تر تعلق مہارت سے ہے، اورنگ زیب عالمگیرؒ کے زمانے کا واقعہ ہے کہ عید الاضحیٰ کی نماز

کے بعد وہیں قربانی کی جاتی تھی، اور خطبے سے فارغ ہونے کے بعد عالم گیر کو قربانی کا پکا ہوا گوشت پیش کیا جاتا تھا، اور وہ نوش فرماتے تھے، معلوم ہوا کہ حدیث میں مذکور عمل عصر کی نماز کے بعد (جو کہ حنفیہ کے مذہب کے مطابق ہو) مغرب کی نماز سے پہلے انجام دیا جا سکتا ہے، اس لئے کہ درمیان میں تقریباً ایک گھنٹے کا وقت ہوتا ہے۔

نماز عشاء میں تاخیر

﴿۵۶۸﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ مَكَثْنَا ذَاتَ لَيْلَةٍ نَنْتَظِرُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ الْعِشَاءِ الْاٰخِرَةِ فَخَرَجَ اِلَيْنَا حِيْنَ ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ اَوْ بَعْدَهٗ فَلَا نَدْرِيْ اَشَيْءٌ شَغَلَهٗ فِيْ اَهْلِهٖ اَوْ غَيْرُ ذٰلِكَ فَقَالَ حِيْنَ خَرَجَ اِنَّكُمْ لَتَنْتَظِرُوْنَ صَلٰوةً مَا يَنْتَظِرُهَا اَهْلُ دِيْنٍ غَيْرِكُمْ وَلَوْلَا اَنْ يَثْقُلَ عَلٰى اُمَّتِيْ لَصَلَّيْتُ بِهِمْ هٰذِهِ السَّاعَةَ ثُمَّ اَمَرَ الْمُؤَذِّنَ فَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَصَلّٰى۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۲۲۹/۱، باب وقت العشاء وتاخیرھا، کتاب المساجد ومواضع الصلوٰۃ، حدیث نمبر: ۶۳۹۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک رات ہم لوگ عشاء آخرہ کی نماز کے لئے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کر رہے تھے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس وقت رات کا تہائی یا اس سے زائد حصہ گذر گیا، ہم لوگوں کے پاس تشریف لائے ہمیں نہیں معلوم تھا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی گھریلو کام میں مشغول رہے یا اس کے علاوہ کوئی بات تھی، جس وقت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم نکل کر باہر تشریف لائے اور ارشاد فرمایا: ''بلاشبہ تم لوگ ایک ایسی نماز کا انتظار کر رہے ہو کہ تمہارے علاوہ کوئی دین والا اس کا انتظار نہیں کرتا، اگر میری امت پر بھاری نہ ہوتا تو میں ان کے ساتھ اسی وقت نماز پڑھتا، اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مؤذن کو حکم دیا، چنانچہ مؤذن نے اقامت کہی اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی۔

تشریح: عشاء کی نماز امت محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطیہ ہے، اور یہ ایسا عطیہ ہے جو کسی دوسری امت کو نصیب نہیں ہوا، لہٰذا اس عطیہ کی قدر کرنا چاہئے، اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ نماز عشاء میں ثلث رات تک تاخیر کرنا افضل ہے، لیکن تاخیر کی صورت میں قلت جماعت کا اندیشہ ہو یا نمازیوں کے مشقت میں پڑنے کا خدشہ ہو تو ایسی صورت میں عشاء کی نماز جلد پڑھ لینا افضل ہے۔

العشاء الآخرة: پہلے مغرب کی نماز کو عشاء اول اور عشاء کی نماز کو عشاء آخرہ کہتے تھے، عشاء آخرہ سے وہی نماز مراد ہے، جس کو ہم عشاء کہتے ہیں۔

ثلث الليل او بعده: یہاں راوی کو شک ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تہائی رات گذرنے کے بعد یا اس سے بھی کچھ زیادہ حصہ گذرنے کے بعد تشریف لائے۔

فلا ندری اشیء شغله في اهله او غير ذلك: یعنی ہم لوگ یہ سوچ رہے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو آج اتنی تاخیر کیوں ہو رہی ہے، کوئی گھریلو مصروفیت ہے جس کی بناء پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف نہیں لا رہے ہیں، یا کوئی دوسرا عذر پیش آ گیا ہے، حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز عشاء کے انتظار کی فضیلت اور اس میں تاخیر کرنے کے ثواب کو بتانا چاہتے تھے، اسی بناء پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تاخیر فرمائی۔

ما ينتظرها اهل دين: یعنی عشاء کی نماز پڑھنے کی سعادت اللہ تعالیٰ نے

صرف امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بخشی ہے، دوسرے دین کے ماننے والے یعنی یہود ونصاریٰ اپنی آرام گاہوں میں آرام وراحت میں لگے ہیں، جب کہ امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے افراد عبادت وریاضت کے ذریعہ قرب خداوندی کے حصول میں لگے ہیں۔ (مرقاۃ: ۲/۱۴۰)

ایضاً

﴿۵۶۹﴾ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الصَّلَوَاتِ نَحْوًا مِنْ صَلٰوتِكُمْ وَكَانَ يُؤَخِّرُ الْعَتَمَةَ بَعْدَ صَلٰوتِكُمْ شَيْئًا وَكَانَ يُخَفِّفُ الصَّلٰوةَ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۲۲۹/۱، باب وقت العشاء وتأخیرها، کتاب المساجد ومواضع الصلوۃ، حدیث نمبر: ۶۴۳۔

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے جیسے ہی نماز پڑھتے تھے، البتہ عشاء کی نماز تمہاری عشاء کی نماز کی بنسبت کچھ تاخیر سے پڑھتے تھے، اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز کچھ ہلکی پڑھتے تھے۔

تشریح: اس حدیث کا بھی حاصل یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عشاء کی نماز اول وقت سے تاخیر کر کے پڑھتے تھے، اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کمزوروں اور بوڑھوں کی رعایت کی وجہ سے عام طور پر نماز میں تخفیف فرماتے تھے۔

وكان يخفف الصلوة: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مقتدیوں کی

رعایت کی بناء پر عام طور سے نماز میں چھوٹی سورتیں تلاوت فرماتے تھے، کبھی کبھی لمبی سورتیں بھی تلاوت فرماتے تھے، چنانچہ مغرب کی دونوں رکعتوں میں سورہ اعراف کا پڑھنا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے؛ لیکن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بڑی سورت پڑھتے تھے تو بھی لوگوں کو قرأت ہلکی لگتی تھی، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قرأت انتہائی لذیذ اور دلکش ہوتی تھی۔ (مرقاۃ: ۲/۱۴۰)

عشاء کی نماز کا انتظار عبادت ہے

﴿۵۷۰﴾ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ صَلَّیْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلٰوۃَ الْعَتَمَۃِ فَلَمْ یَخْرُجْ حَتّٰی مَضٰی نَحْوٌ مِنْ شَطْرِ اللَّیْلِ فَقَالَ خُذُوْا مَقَاعِدَکُمْ فَاَخَذْنَا مَقَاعِدَنَا فَقَالَ اِنَّ النَّاسَ قَدْ صَلُّوْا وَاَخَذُوْا مَضَاجِعَھُمْ وَاِنَّکُمْ لَنْ تَزَالُوْا فِیْ صَلٰوۃٍ مَا انْتَظَرْتُمُ الصَّلٰوۃَ وَلَوْ لَا ضَعْفُ الضَّعِیْفِ وَسَقَمُ السَّقِیْمِ لَاَخَّرْتُ ھٰذِہِ الصَّلٰوۃَ اِلٰی شَطْرِ اللَّیْلِ۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۶۱/ ۱، باب فی وقت العشاء الآخرۃ، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۴۲۲۔ نسائی شریف: ۹۳/ ۱، باب آخر وقت العشاء، کتاب المواقیت، حدیث نمبر: ۵۳۷۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھنے کے لئے حاضر ہوئے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باہر نہیں نکلے، یہاں تک کہ تقریباً نصف شب گذر گئی، پھر آنحضرت صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تم لوگ اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہو'' چنانچہ ہم لوگ اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہے، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''بلاشبہ لوگوں نے نماز پڑھ لی اورانہوں نے اپنے بستر سنبھال لئے، اور بلاشبہ تم لوگ نماز کی حالت میں ہو جب تک تم نماز کا انتظار کرتے رہو، اور اگر کمزور آدمی کی کمزوری اور مریض کے مرض کا خیال نہ ہوتا تو میں اس نماز کو آدھی رات تک مؤخر کرنا مستحب کر دیتا۔''

تشریح: اس حدیث پاک کا حاصل بھی یہی ہے کہ عشاء کی نماز کو مؤخر کرنا مستحب اور پسندیدہ ہے، اور جو شخص اپنی راحت وآرام کو قربان کر کے نماز کے انتظار میں جاگتا رہتا ہے، تو جتنی دیر نماز کے انتظار میں رہتا ہے، اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں وہ نماز پڑھنے والے کے مانند ہے، گویا کہ نماز کا انتظار بھی نماز پڑھنے کی طرح عبادت اور ذریعہ ثواب ہے۔

ان الناس قد صلوا واخذوا مضاجعهم: اس سے دو طرح کے لوگ مراد ہو سکتے ہیں۔

(۱)......غیر دین والے تو مطلب یہ ہوگا کہ دوسرے مذہب کے لوگ شام کو اپنی عبادت سے فارغ ہو کر رات میں آرام میں لگے ہوئے ہیں۔

(۲)...... دوسرے محلّہ کے مسلمان مراد ہیں، مطلب یہ ہوگا کہ جو لوگ مسجد نبوی میں نہیں آتے وہ عشاء کی نماز پڑھ کر سو چکے ہیں، اور تمہیں یہ سعادت حاصل ہو رہی ہے کہ تم نماز کے انتظار میں جاگ رہے ہو۔

الی شطر اللیل: نصف یا اس سے قریب کے لئے شطر بولا جاتا ہے، اس سے ثلث لیل (ایک تہائی رات) بھی مراد ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ دوسری روایت میں ذکر ہوا ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۱۴۱)

ظہر میں تعجیل اور عصر میں تاخیر

﴿۵۷۱﴾ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَشَدَّ تَعْجِيْلاً لِلظُّهْرِ مِنْكُمْ وَاَنْتُمْ اَشَدُّ تَعْجِيْلاً لِلْعَصْرِ مِنْهُ۔ (رواه احمد والترمذی)

حوالہ: مسند احمد: ۲۸۹/ ۶، ترمذی شریف: ۴۲/ ۱، باب ماجاء فی تأخیر صلوۃ العصر، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۱۶۱۔

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز تم سے بہت پہلے پڑھتے تھے، اور تم لوگ عصر کی نماز حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بہت پہلے پڑھ لیتے ہو۔

تشریح: اس حدیث پاک میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عمل کو لازم پکڑنے کے لئے فرما رہی ہیں، اور نمازوں کے اوقات کے حوالے سے لوگوں کو افراط وتفریط کا شکار دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عمل کے مطابق عمل کرنے کی دعوت دے رہی ہیں۔

وقت مستحب پر نماز کی تاکید

﴿۵۷۲﴾ وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهَا سَتَكُوْنُ عَلَيْكُمْ بَعْدِيْ اُمَرَاءُ يَشْغَلُهُمْ اَشْيَاءُ عَنِ الصَّلٰوةِ لِوَقْتِهَا حَتّٰى يَذْهَبَ

وَقْتِهَا فَصَلُّوا الصَّلٰوةَ لِوَقْتِهَا فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! أُصَلِّي مَعَهُمْ قَالَ نَعَمْ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۶۲/ ۱، باب اذا اخر الامام الصلوۃ عن الوقت کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۴۳۳۔

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا: ''میرے بعد تمہارے اوپر ایسے لوگ حاکم ہونگے، جن کو کچھ چیزیں نماز کو اس کے وقت پر ادا کرنے سے باز رکھیں گی، یہاں تک کہ نماز کا وقت چلا جائے گا، تو تم لوگ نماز کو اس کے وقت پر ادا کرلینا'' ایک صاحب نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیا وہی نماز ان حکمرانوں کے ساتھ بھی پڑھوں؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں۔''

تشریح: اگر امام نماز کو مستحب وقت میں ادا نہیں کررہا ہے، بلکہ مستحب وقت گذرنے کے بعد ادا کررہا ہے، تو عام آدمی کو چاہئے کہ مستحب وقت میں اپنی نماز ادا کرلے، پھر اگر مسجد میں حاضر ہو تو پھر سے امام کے پیچھے نماز پڑھ لے، پہلی نماز فرض ہوگی اور دوسری نفل ہوگی۔ اپنی نماز پڑھنے کے بعد امام کی نماز میں شرکت صرف ظہر اور عشاء میں ہوسکتی ہے۔ تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔

اصل میں نماز پڑھانا امام المسلمین کا منصب ہے، یا اس کا منصب ہے جس کو امیر المسلمین مقرر کردے، اب ایسی صورت میں اگر کوئی ایسے امام کی مخالفت کرے گا تو فتنہ فساد پھوٹے گا، اور ملکی نظام میں خلل واقع ہوگا، لہٰذا حکم دیا گیا کہ امام پر نکیر نہ کرو، لیکن اگر صورت حال وہ ہو جو ہمارے زمانے میں ہے، یعنی اہل محلہ مسجد کا اور امام کا انتظام کرتے ہیں، تو ایسی صورت میں امام سے مستحب وقت میں نماز پڑھانے کے لئے کہا جائے گا۔

ستکون علیکم امراء: اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ اعجاز تھا کہ انہوں نے جن لوگوں کے پیدا ہونے کی پیشین گوئی کی تھی وہ لوگ بعد میں پیدا ہوئے، چنانچہ بنوامیہ میں ایسے ائمہ ہوئے جو حدیث کا مصداق بنتے ہیں۔

یشغلھم اشیاء: یعنی بعض امور میں لگ کر نماز سے غافل ہوجائیں گے۔

لوقتھا: بمعنی نماز کو اس کے مستحب وقت میں ادا نہیں کریں گے۔

حتی یذھب وقتھا: وقت مختار نکل جائے گا اور وقت مکروہ آجائے گا۔

فصلوا الصلوۃ لوقتھا: تم لوگ وقت مستحب میں میں نماز ادا کرلینا، خواہ تنہا تنہا ادا کرنا پڑے، لیکن ایسے طور پر ادا کرنا کہ فتنہ وفساد نہ پھوٹے۔

اصلی معھم: یعنی اگر ان کے ساتھ نماز پڑھنے کا اتفاق ہو تو ان کی اقتداء میں بھی نماز پڑھ لینا چاہئے۔

حکام نماز کو مؤخر کریں تو کیا کریں

﴿۵۷۳﴾ وَعَنْ قَبِیْصَةَ بْنِ وَقَّاصٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَکُوْنُ عَلَیْکُمْ اُمَرَاءُ مِنْ بَعْدِیْ یُؤَخِّرُوْنَ الصَّلٰوۃَ فَھِیَ لَکُمْ وَھِیَ عَلَیْھِمْ فَصَلُّوْا مَعَھُمْ مَا صَلُّوْا الْقِبْلَةَ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۶۲/ ۱، باب اذا اخر الامام الصلوۃ عن الوقت، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۴۳۳۔

ترجمہ: حضرت قبیصہ بن وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "میرے بعد جب تم لوگوں کے حکمراں ایسے ہوں گے کہ نمازوں کو دیر کرکے پڑھیں گے، تو تمہارے لئے یہ فائدہ کی چیز ہوگی اور خود ان کیلئے نقصان دہ ہوگی، لہٰذا تم انکے پیچھے نماز پڑھتے رہو، جب تک کہ وہ قبلہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے رہیں۔

تشریح: اس حدیث پاک کا حاصل بھی وہی ہے کہ جو گذشتہ حدیث کا ہے، اس میں مزید یہ بات بتائی گئی ہے کہ امراء کا نماز میں کوتاہی کرنا خود ان کے حق میں مصیبت ہوگا، لیکن تمہارے حق میں رحمت ہوگا، کیونکہ دومرتبہ نماز پڑھنے کی وجہ سے تمہارا ثواب بڑھ جائیگا۔

فھی لکم: امراء تاخیر سے نماز پڑھیں گے، لیکن تم مستحب وقت میں نماز ادا کرلوگے، پھر ان کے ساتھ بھی جماعت میں شریک ہوجاؤ گے، تو دومرتبہ نماز پڑھنے کی وجہ سے تمہارا ثواب بڑھ جائے گا، اور امراء کی یہ تاخیر خود ان کے حق میں وبال جان ہوگی، اس وجہ سے کہ وہ قدرت کے باوجود نماز میں دیر کررہے ہیں۔

فصلوا معھم: تم انکی اطاعت کرو، یعنی انکے ساتھ نماز میں دفع فتنے کیلئے شریک ہو، اور انکے خلاف علم بغاوت بلند نہ کرو، لیکن یہ سب اس وقت تک ہوگا جب تک کہ وہ مسلمانوں کے قبلہ کی طرف رخ کرکے نماز پڑھتے رہیں، یعنی جب تک ان میں علامات اسلام پائی جائیں گی اور وہ دائرہ اسلام سے خارج نہ ہوں گے، اس وقت تک ان کی اطاعت کی جائیگی۔

باغی کی امامت

﴿۵۷۴﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَدِيِّ بْنِ الْخِيَارِ اَنَّهُ دَخَلَ عَلٰى عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ وَهُوَ مَحْصُوْرٌ فَقَالَ اِنَّكَ اِمَامُ عَامَّةٍ وَنَزَلَ بِكَ مَاتَرٰى وَيُصَلِّي لَنَا اِمَامُ فِتْنَةٍ وَنَتَحَرَّجُ فَقَالَ الصَّلٰوةُ اَحْسَنُ

مَـا يَعْمَلُ النَّاسُ فَاِذَا اَحْسَنَ النَّاسُ فَاَحْسِنْ مَعَهُمْ وَاِذَا اَسَاؤُا فَاجْتَنِبْ اِسَاءَ تَهُمْ۔ (رواه البخاری)

حواله: بخاری شریف:۹۶/۱، باب امامة المفتون والمبتدع، کتاب الاذان، حدیث نمبر:۶۹۵۔

ترجمه: حضرت عبید بن عدی بن خیار سے روایت ہے کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس اس وقت آئے جب کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ محصور تھے، اور انہوں نے کہا: کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام المومنین ہیں، اور آپ جس حادثہ سے دوچار ہیں وہ تو آپ دیکھ ہی رہے ہیں، لیکن جو شخص ہماری نمازوں کی امامت کر رہا ہے وہ فتنوں کا امام ہے، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا وہ لوگ جو کچھ کر رہے ہیں ان میں سب سے بہتر عمل نماز ہے، تو جب لوگ اچھا کام کریں تو تم بھی ان کے ساتھ اچھا کام کرو، اور جب لوگ برا کام کریں تو ان کی برائی سے بچو۔

تشریح: انک امام عامة: آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام المسلمین ہیں اور خلیفۂ برحق ہیں، لیکن آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ امامت کرنے سے مجبور ہیں، کیونکہ محصور ہونے کی وجہ سے باہر نہیں نکل سکتے ہیں۔

ویصلی لنا امام فتنة: ہماری امامت وہ شخص کر رہا ہے جو فتنہ کا بانی ہے، اس سے مراد کنانہ بن بشر ہے۔

الصلوة احسن ما یعمل: حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا لوگوں کے عمل میں سب سے اچھا عمل نماز ہے، جب وہ اچھا عمل کریں تو تم ان کے ساتھ شریک ہو جاؤ، اور جب وہ نماز کے بعد شرارت اور فتنہ وفساد کی باتیں کرنے لگیں تو تم اپنے آپ کو ان سے الگ کرلو۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس جملہ سے ان کی عالی ظرفی اور ان کے بلند مرتبہ کا علم ہورہا ہے، وہ لوگ جو ناحق خون کے پیاسے ہیں اور دانا پانی تک بند کر رکھا ہے، ان کے حق میں بھی یہ ارشاد فرمایا جارہا ہے، یہ جملہ ایک خلیفۂ راشد ہی کہہ سکتا ہے، جو لوگ ناحق خلیفہ راشد کی جان کے درپے ہیں جنہوں نے خلیفۂ راشد کو ظلماً قید کر کے مسند پر بھی قبضہ کر رکھا ہے ان کے بارے میں بھی حکم شرعی بیان کرنے میں ذاتی جذبات کی کوئی پر چھائی پڑنے نہیں دیں گے، ان کے پیچھے نماز پڑھنے کی اجازت دی بلکہ ان کے ساتھ ہر کار خیر میں شرکت کی اجازت دی، البتہ ان کے برے کام میں شرکت سے پرہیز کرنے کا حکم فرمایا، اسلام کی درحقیقت تعلیم یہی ہے کہ ہر معاملہ میں اعتدال اور توازن کو برقرار رکھیں۔

فاسق کی امامت

امام فاسق کا مسئلہ مختلف فیہ ہے، فاسق کی دو قسمیں ہیں:

(۱)......من حیث الاعتقاد جیسے مبتدع الداعی الی بدعتہ

(۲)......اور فاسق من حیث الافعال۔

امام مالکؒ کے نزدیک مطلقاً دونوں قسموں کی امامت فاسد ہے، نماز صحیح نہ ہوگی، اور امام احمدؒ کے نزدیک قسم اول کی تو امامت فاسد ہے، اور قسم ثانی میں ان کی دو روایت ہیں، جواز، عدم جواز۔

اور حنفیہ وشافعیہ کے نزدیک دونوں کی صحیح ہے، مع الکراھة. (حاشیہ لامع:۱۶۹)

اور علامہ شعرانی نے لکھا ہے کہ امام مالکؒ کا مذہب اور امام احمدؒ کا مذہب مشہور قول یہ ہے کہ فاسق کا فسق اگر بتاویل ہے تب تو نماز کا اعادہ فی الوقت ضروری ہے، یعنی بعد الوقت اعادہ کی حاجت نہیں، اور اگر وہ فسق بلا تاویل ہے تو اعادہ مطلقاً واجب ہے۔ (الدر المنضود:۲/۱۴۹) ❁

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب فضائل الصلوۃ

اس باب میں فضائل صلوۃ سے متعلق
پندرہ احادیث مبارکہ بیان کی گئی ہیں۔

رقم الحدیث:...... ۵۷۵ تا ۵۸۹

بســــم اللّٰہ الرحمن الرحـــیم

باب فضائل الصلوۃ

(نماز کے فضائل کا بیان)

اس باب میں نماز کے فضائل کا بیان ہے۔ یوں تو پانچوں نمازوں کی پابندی لازم ہے، اور کسی بھی نماز کا ترک کرنا بہت بڑا گناہ ہے، لیکن اس باب میں خاص طور پر عصر اور فجر نماز کی بہت تاکید آئی ہے، ایک طرف ان دونوں نمازوں کے فضائل ہیں تو دوسری طرف ان کی تساہلی پر سخت وعیدیں بھی مذکور ہیں، پانچوں نمازوں کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بتاؤ اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر نہر بہتی ہو جس میں روزانہ پانچ مرتبہ نہاتا ہو تو کیا اس کے بدن پر کچھ میل باقی رہے گا؟ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے جواب دیا کہ اس کے میل میں سے کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ پانچوں نمازوں کی مثال ہے، اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ سے گناہوں کو مٹاتے ہیں۔

﴿الفصل الاول﴾

نماز فجر وعصر کی فضیلت

﴿۵۷۵﴾ وَعَنْ عُمَارَةَ بْنِ رُوَيْبَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَنْ يَلِجَ النَّارَ اَحَدٌ صَلّٰى قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا يَعْنِي الْفَجْرَ وَالْعَصْرَ۔ (رواه مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۲۲۸، باب فضل صلاتی الصبح والعصر، کتاب المساجد، حدیث نمبر: ۶۳۴۔

ترجمہ: حضرت عمارہ بن رویبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''وہ شخص ہرگز جہنم میں داخل نہ ہوگا جو سورج نکلنے سے قبل اور سورج غروب ہونے سے قبل یعنی فجر اور عصر کی نماز پڑھیگا۔''

تشریح: اس حدیث پاک میں فجر اور عصر کی نماز کی اہمیت کا ذکر ہے، چونکہ ان دونوں اوقات میں نماز کی محافظت زیادہ دشوار ہے، اس وجہ سے کہ فجر کا وقت آرام کا ہوتا ہے، اور عصر کا وقت کاروبار میں مصروفیت کا ہوتا ہے؛ لہٰذا جو لوگ ان دونوں نمازوں کی پابندی کرلیں گے، ان کے لئے دیگر نمازوں کی پابندی بھی آسان ہو جائے گی، اور شریعت پر چلنا بھی سہل ہو جائے گا، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ جہنم سے محفوظ رہیں گے، اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ صرف ان دونوں نمازوں کی پابندی کرلی جائے، جہنم سے رہائی ہو جائے گی۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ فجر اور عصر دونوں شہود ملائکہ کے اوقات ہیں، جیسا کہ ایک حدیث کے بعد وہ حدیث آرہی ہے، اس میں صراحت ہے، ان دونوں نمازوں میں ملائکۃ

اللیل والنہار کا اجتماع ہوتا ہے، اور وہ بندوں کے اعمال کو اللہ تعالیٰ کے آگے پیش کرتے ہیں اس بناء پر ان دونوں نمازوں کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۱۴۲)

بعض روایت میں ہے کہ ابتداء دن میں رزق تقسیم ہوتا ہے اور اخیر دن رفع عمل ہوتا ہے، اب جو شخص ان دونوں وقتوں کی نماز پر پابندی کرے گا اس کے رزق و عمل کے اندر برکت ہوگی، اس لئے ان دونوں کو خاص طور سے ذکر کیا گیا۔ (تنظیم الاشتات: ۱/۲۴۱)

عصر اور فجر پڑھنے کا ثواب

﴿۵۷۶﴾ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسیٰ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّی الْبَرْدَیْنِ دَخَلَ الْجَنَّۃَ۔ (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۸۱، باب فضل صلوۃ الفجر، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۵۷۴۔ مسلم شریف: ۱/۲۲۸، باب فضل صلوتی الصبح والعصر، کتاب المساجد، حدیث نمبر: ۶۳۵۔

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس شخص نے ٹھنڈے وقت کی دونوں نمازیں پڑھیں وہ جنت میں داخل ہوگا۔

تشریح: اس حدیث کا مطلب بھی یہی ہے کہ جو شخص ان دونوں وقتوں کی پابندی کریگا باقی اوقات کی بدرجۂ اولیٰ پابندہ کریگا، اور گناہوں سے بھی اجتناب کریگا۔

عصر اور فجر کی نماز میں شہود ملائکہ

﴿۵۷۷﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَعَاقَبُوْنَ فِيْكُمْ مَلَائِكَةٌ بِاللَّيْلِ وَمَلَائِكَةٌ بِالنَّهَارِ وَيَجْتَمِعُوْنَ فِیْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَصَلٰوةِ الْعَصْرِ ثُمَّ يَعْرُجُ الَّذِيْنَ بَاتُوْا فِيْكُمْ فَيَسْأَلُهُمْ رَبُّهُمْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِهِمْ كَيْفَ تَرَكْتُمْ عِبَادِیْ فَيَقُوْلُوْنَ تَرَكْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّوْنَ وَاَتَيْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّوْنَ۔ (متفق علیه)

حوالہ: بخاری شریف: ۷۹/ ۱، باب فضل صلوۃ العصر، کتاب مواقیت الصلوۃ، حدیث نمبر:۵۵۵۔ مسلم شریف: ۲۲۷/ ۱، باب فضل صلوتی الصبح والعصر، کتاب المساجد، حدیث نمبر:۶۳۲۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ فرشتے تمہارے پاس رات و دن میں باری باری آتے ہیں، اور وہ فجر اور عصر کی نماز میں اکٹھا ہوتے ہیں، پھر وہ فرشتے جو تمہارے درمیان میں ہوتے ہیں اوپر جاتے ہیں، تو ان سے ان کا رب باوجودیکہ وہ خوب جانتا ہے سوال کرتا ہے تم میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑ کر آئے ہو؟ وہ فرشتے جواب دیتے ہیں ہم نے ان کو اس حال میں چھوڑا کہ وہ نماز پڑھ رہے تھے، اور جب ہم ان کے پاس پہونچے تھے تو بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے۔

تشریح: اس حدیث پاک میں نماز فجر وعصر کی مواظبت پر ابھارنا مقصود ہے، ان اوقات میں اللہ تعالیٰ فرشتوں کی ڈیوٹیاں بدلتے ہیں اور فرشتے ان اوقات میں بندوں کو

نماز میں مشغول دیکھ کر رب العالمین کے دربار میں شہادت دیتے ہیں، جس کی بناء پر بندہ رب کریم کے رحم وکرم کا مستحق بن جاتا ہے، لہٰذا ان اوقات میں نماز سے ذرہ برابر غفلت نہ کرنا چاہئے۔

رات کے فرشتوں سے سوال کی وجہ

سوال: رات اور دن دونوں طرح کے فرشتے ڈیوٹی دیتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ صرف رات کے فرشتوں سے کیوں سوال کرتے ہیں؟ دن کے فرشتوں سے سوال کیوں نہیں کرتے؟

جواب: (۱)...... عمدۃ القاری: ۳/۴۶ صحیح ابن خزیمہ کے حوالے سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے جس میں اس بات کی صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ دونوں طرح کے فرشتوں سے سوال فرماتے ہیں۔

(۲)...... دربارِ خداوندی میں صرف رات کے فرشتوں کی گواہی کا ذکر، اس لئے ہے کہ جب بندے رات کے وقت عبادت میں مشغول ہیں جو کہ آرام وراحت کا وقت ہوتا ہے، تو دن میں ہرگز غفلت نہیں برتیں گے۔

(۳)...... یہ ایسے ہی ہے جیسے قرآن مجید میں ہے: "سرابیل تقیکم الحر" یعنی ایک چیز کو ذکر کر کے مقابل کو چھوڑ دیا جاتا ہے، کیونکہ مقابل خود سمجھ میں آجاتا ہے۔

فرشتوں سے سوال کی وجہ

سوال: اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہیں پھر فرشتوں سے کیوں سوال کر رہے ہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ جاننے کے باوجود فرشتوں سے اس لئے معلوم کر رہے ہیں تاکہ فرشتوں کی زبان سے شہادت اور اقرار ثابت ہو جائے، کیونکہ یہ فرشتے ہی تھے

جنہوں نے حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت کے موقع پر اللہ تعالیٰ سے عرض کیا تھا۔ "اتجعل فیھا من یفسد فیھا ویسفک الدماء" اللہ تعالیٰ نے سب کچھ جانتے ہوئے فرشتوں سے سوال کیا تا کہ فرشتوں پر واضح ہو جائے کہ وہ بندے جن کے بارے میں انہوں نے خونریزی اور فساد مچانے کی بات کہی تھی انہی میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو ہمہ وقت عبادت میں مصروف رہتے ہیں۔

فیقولون ترکنا ھم وھم یصلون: اللہ تعالیٰ فرشتوں سے جب پوچھتے ہیں کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ تو فرشتے دو باتیں عرض کرتے ہیں:

(۱)......ہم نے ان کو نماز پڑھتے ہوئے چھوڑا۔

(۲)......جب ہم ان کے پاس گئے تھے تب بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے۔

سوال و جواب

سوال: جب اللہ تعالیٰ نے ایک بات پوچھی تھی تو فرشتوں نے دو باتیں کیوں بتائیں؟ یعنی سوال سے زائد جواب کیوں دیا؟

جواب: فرشتوں کی جانب سے جواب میں اضافہ اسلئے ہے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی منشاء کو سمجھ رہے تھے، اللہ تعالیٰ کا منشاء یہ تھا کہ بندوں کے اعمال صالحہ پر گواہی دیں، اسلئے فرشتوں نے سوال سے زیادہ جواب دیا کہ ہم جب گئے تھے تب بھی نماز پڑھ رہے تھے۔

سوال: فرشتوں نے صرف نماز پڑھنے کی شہادت کیوں دی؟ ظاہر بات ہے کہ انہوں نے دن رات میں اور اعمال بھی دیکھے ہوں گے ان کا تذکرہ کیوں نہیں کیا؟

جواب: چونکہ اللہ تعالیٰ کا مقصد اعمال صالحہ پر شہادت لینا تھا، اس لئے انہوں نے سب سے اچھے عمل نماز کا تذکرہ کیا ہے، یا پھر ممکن ہے وہ ایسے فرشتے ہوں جو صرف

نمازوں میں شرکت کے لئے نازل کئے جاتے ہوں، اوران کی نظروں سے برے اعمال پوشیدہ رکھے جاتے ہوں، وہ صرف مسجدوں میں آکر نمازوں میں شرکت کر کے عالم بالا کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

فجر کی نماز پڑھنے والا اللہ کی امان میں ہے

﴿۵۷۸﴾ وَعَنْ جُنْدُبِ الْقَسْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى صَلٰوةَ الصُّبْحِ فَهُوَ فِيْ ذِمَّةِ اللّٰهِ فَلَا يَطْلُبَنَّكُمُ اللّٰهُ مِنْ ذِمَّتِهِ بِشَيْءٍ فَإِنَّهُ مَنْ يَطْلُبُهُ مِنْ ذِمَّتِهِ بِشَيْءٍ يُدْرِكْهُ ثُمَّ يَكُبُّهُ عَلىٰ وَجْهِهِ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ۔ (رواه مسلم) وَفِيْ بَعْضِ نُسَخِ الْمَصَابِيْحِ الْقُشَيْرِيُّ بَدَلَ الْقَسْرِيِّ۔

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۲۳۳، باب فضل صلوۃ العشاء والصبح فی جماعۃ، کتاب المساجد، حدیث نمبر: ۶۵۷۔

ترجمہ: حضرت جندب قسری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس نے صبح کی نماز پڑھی وہ اللہ کے عہد وامان میں ہے، تو ایسا ہرگز نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے عہد کے سلسلے میں تم سے کسی چیز کا مطالبہ کریں، اس لئے کہ جس شخص سے اللہ تعالیٰ اپنے عہد سے متعلق کچھ بھی طلب کریں گے، اس کو پکڑ لیں گے، اوراس کو چہرہ کے بل دوزخ کی آگ میں ڈال دیں گے۔ (مسلم) مصابیح کے بعض نسخوں میں ''قسری'' کے بجائے ''قشیری'' کا لفظ آیا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں فجر کی نماز کی پابندی پر ابھار کر یہ بتایا ہے کہ فجر کی نماز

پڑھنے والا اللہ تعالیٰ کے عہد وامان میں ہے، لہٰذا اس کو اس عہد کا پورا خیال رکھنا چاہئے اور دوسرے لوگوں کو ایسے شخص کو ایذاء و تکلیف پہنچانے سے گریز کرنا چاہئے۔

اس لئے کہ اس کو تکلیف پہنچانا یہ اللہ تعالیٰ کے عہد میں خلل ڈالنا ہے، اس کی سزا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جواب طلبی فرمائیں گے، اور ایسا شخص جواب نہ دے سکنے کی بناء پر اوندھے منہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا، ایک مطلب یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ جس نے صبح کی نماز چھوڑ دی تو گویا اس نے اللہ کے عہد کو توڑ دیا، جس کی بناء پر اس سے باز پرس ہوگی اور قیامت کے دن جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ یہاں صرف فجر کی نماز کا خاص طور پر اس لئے ذکر ہے کہ اس نماز کی مواظبت مخلص شخص ہی کرتا ہے۔ (مرقاۃ)

صف اول کا ثواب

﴿۵۷۹﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِی النِّدَاءِ وَالصَّفِّ الْاَوَّلِ ثُمَّ لَمْ يَجِدُوْا اِلَّا اَنْ يَسْتَهِمُوْا عَلَيْهِ لَاسْتَهَمُوْا وَلَوْ يَعْلَمُوْنَ مَا فِی التَّهْجِيْرِ لَاسْتَبَقُوْا اِلَيْهِ وَلَوْ يَعْلَمُوْنَ مَا فِی الْعَتَمَةِ وَالصُّبْحِ لَاَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۸۶/ ۱، باب الاستهام فی الاذان، کتاب الاذان، حدیث نمبر: ۶۱۵۔ مسلم شریف: ۱۸۲/ ۱، باب تسویة الصفوف واقامتها، کتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۴۳۸۔

حل لغات: يَسْتَهِمُوْا. مصدر استهام. قرعہ اندازی کرنا، ساهَمَهُ مُسَاهَمَةً.

قرعہ اندازی میں مقابلہ کرنا۔ استبقوا الی الشیء او کذا، کسی چیز کی طرف پہونچنے کے لئے ایک دوسرے سے آگے بڑھنا۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اگر لوگ اذان دینے اور پہلی صف میں کھڑے ہونے کا ثواب جان لیں، پھر بغیر قرعہ ڈالے وہ چیز نہ ملے تو وہ لوگ ضرور قرعہ ڈالیں، اور اگر لوگ جان لیں ظہر کی نماز میں جلدی جانے میں کیا ثواب ہے تو لوگ اس کے لئے جلدی کریں، اور اگر لوگ عشاء اور فجر کی نماز کا ثواب جان لیں تو ضرور آئیں، اگر چہ گھٹنوں پر گھسٹ کر آنا پڑے۔

تشریح: اس حدیث پاک میں اذان، صف اول، ظہر، عشاء اور فجر کی نمازوں کی اہمیت اور اجمالاً ان کے ثواب کا تذکرہ ہے، ان چیزوں میں اتنا ثواب ہے کہ اگر لوگوں کو صحیح طور پر ان کا علم ہو جائے تو ان اعمال کو ضرور ادا کریں اور ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی بھرپور کوشش کریں۔

لو یعلم الناس مافی النداء: "ما" کے ذریعہ ابہام پیدا کر کے مبالغہ پیدا کیا گیا ہے، گویا ان چیزوں کا اتنا زیادہ ثواب ہے جس کا احاطہ مشکل ہے، اذان کا ثواب بہت زیادہ ہے، اگر اذان دینے کی متعدد لوگوں کے دلوں میں خواہش ہو، اور اس خیر کے حصول کو لے کر آپس میں اختلاف ہونے لگے، تو حسن صورت یا معرفت اوقات کے سبب ترجیح دی جاسکتی ہے، لیکن اگر خواہش مند استحقاق میں برابر کے مستحق ہوں تو قرعہ اندازی کے ذریعہ فیصلہ کیا جائے گا، بعض لوگ کہتے ہیں کہ ''ندا'' سے اقامت مراد ہے، ملا علی قاریؒ نے مرقاۃ میں اسی کو اوفق قرار دیا ہے۔

والصف الاول: چونکہ صف اول میں کھڑے ہونے میں سب لوگ برابر کے مستحق ہیں اس لئے نزاع کی صورت میں قرعہ اندازی کی جائے گی، صفوں میں مردوں کی صف

کے اعتبار سے پہلی صف سب سے بہترین ہے اور سب سے بدترین آخری صف ہے اور عورتوں میں سب سے بہتر آخری صف اور سب سے بدتر صف پہلی صف ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "خیر صفوف الرجال اولها وشرها آخرها وخیر صفوف النساء آخرها وشرها اولها" (ترمذی شریف: ۱/۵۳)

علماء نے یہیں پر ایک مسئلہ اور جوڑا ہے کہ جنازہ کی صفوں میں بہترین صف آخری صف ہے، اور بدترین صف پہلی صف ہے، نماز میں مردوں کی صف میں پہلی صف کو بہتر اس لئے کہا ہے کہ جو شخص سب سے پہلے آئے گا وہ "السابقون الاولون" میں ہوگا۔ اور بعد میں آنے والا اس فضیلت کو پانے والا نہیں ہوگا، دوسری وجہ یہ ہے کہ آخری صف عورتوں کی صف کے قریب ہے، پھر عورتوں میں جو صف آخری ہے، وہ مردوں سے سب سے زیادہ دور ہے، اس لئے وہ افضل ہے، اور جنازہ میں صفیں بنانے کا حکم ہے، اگر پہلی صف افضل ہو تو پھر کوئی پیچھے آنے کو تیار نہیں ہوگا۔ (واللہ اعلم)

ولو یعلمون مافی التجهیر: نماز ظہر میں سویرے جانے سے کیا مراد ہے؟ اس میں تین قول ہیں:

(۱)...... جاڑے کے موسم میں ظہر جلد ادا کرنے کی طرف راغب کرنا ہے، جاڑے میں تعجیل افضل ہے، اور گرمی میں تاخیر مستحب ہے۔

(۲)...... جس طرح ہر نیکی میں سبقت کیلئے ابھارا جاتا ہے ایسے ہی ظہر کی ادا ئیگی میں سبقت کرنے کی طرف ابھارا ہے، اور مراد یہ ہے کہ وقت مستحب آتے ہی ظہر ادا کرو۔

(۳)...... جمعہ کی نماز کے لئے زوال کے فوراً بعد نکل جاؤ۔

و العتمة: اس سے مراد عشاء کی نماز ہے۔

ولو حبوا: اگر چہ ان کو گھٹنوں یا سرین کے بل گھسٹتے ہوئے آنا پڑے، یعنی اس

ثواب کو پانے کے لئے لوگ ان نمازوں کی جماعت میں آنا اتنا ضروری سمجھیں گے کہ اگر کوئی شخص ناتوانی یا بڑھاپے کے سبب پیروں سے چل کر آنے کی ہمت اور طاقت نہ رکھتا ہو تو وہ بھی اس طرح گھسٹتا ہوا آنے سے دریغ نہ کرے، جس طرح کوئی معذور یا بچہ چلتا ہے۔

منافق پر عشاء و فجر زیادہ بھاری ہے

﴿۵۸۰﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ صَلٰوةٌ أَثْقَلُ عَلَى الْمُنَافِقِ مِنَ الْفَجْرِ وَالْعِشَاءِ وَلَوْ يَعْلَمُوْنَ مَافِيْهِمَا لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۹۰/ ۱، باب فضل العشاء فی جماعة، کتاب الاذان، حدیث نمبر: ۶۵۷۔ مسلم شریف: ۲۳۲/ ۱، باب فضل صلوة الجمعة، کتاب المساجد، حدیث نمبر: ۶۵۱۔

ترجمه: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''منافقین پر فجر اور عشاء کی نماز سے زیادہ کوئی نماز بھاری نہیں ہے، اگر لوگوں کو نمازوں کا ثواب معلوم ہو جائے تو وہ ضرور آئیں اگرچہ گھسٹتے ہوئے آئیں۔''

تشریح: اس حدیث پاک میں عشاء اور فجر کی نماز کی مواظبت پر ابھارا ہے، ان نمازوں کی ادائیگی منافق پر دیگر نمازوں کے مقابلہ میں زیادہ بھاری ہے، اس لئے ان نمازوں کی مواظبت زیادہ ضروری ہے، تاکہ منافقین کی مخالفت ہو سکے۔

لیس صلوة اثقل علی المنافقین: منافقین پر ان دونوں نمازوں سے زیادہ کوئی نماز گراں نہیں ہے، یوں تو منافقین کیلئے ہر نماز بہت دشوار ہے، اس

وجہ سے کہ انکا مقصد نماز سے نہ تو قرب الٰہی طلب کرنا ہوتا ہے، اور نہ ہی نماز سے انکو حصول ثواب کی امید ہوتی ہے، یہ تو نماز ریاء کاری کی وجہ سے پڑھتے ہیں، چونکہ عشاء اور فجر کی نماز میں اندھیرا ہونے کی وجہ سے ریا کاری اور شہرت کا موقعہ کم ہوتا ہے، نیز یہ استراحت کے اوقات ہیں، اس بناء پر یہ نمازیں دیگر نمازوں کے مقابلہ میں منافقین کیلئے زیادہ دشوار کن ہیں، منافقین موقعہ ہاتھ آتے ہی ان نمازوں کو ترک کر دیتے ہیں، اسی بناء پر مسلمانوں کو ان دونوں نمازوں کی مواظبت کی ترغیب دی ہے، تا کہ مخلصین ان نمازوں کی مداومت کر کے منافقین سے ممتاز ہو جائیں۔

عشاء اور فجر جماعت سے پڑھنے کی فضیلت

﴿۵۸۱﴾ وَعَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى الْعِشَاءَ فِيْ جَمَاعَةٍ فَكَأَنَّمَا قَامَ نِصْفَ اللَّيْلِ وَمَنْ صَلَّى الصُّبْحَ فِيْ جَمَاعَةٍ فَكَأَنَّمَا صَلَّى اللَّيْلَ كُلَّهٗ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۲۳۲/ ۱، باب فضل صلوۃ العشاء والصبح فی جماعۃ، کتاب المساجد، حدیث نمبر: ۶۵۶۔

ترجمہ: حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جس نے عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی اس نے گویا آدھی رات قیام کیا، اور جس نے فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی تو گویا اس نے ساری رات نماز پڑھی۔

تشریح: من صلی العشاء فی جماعة: جس نے عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کی تو اسکو شروع کی آدھی رات جاگ کر عبادت کرنے کا ثواب ملے گا۔

ومن صلی الصبح فی جماعة: جس نے عشاء کی جماعت کے ساتھ نماز پڑھی، پھر فجر بھی جماعت کے ساتھ پڑھی تو پوری رات جاگ کر عبادت کرنے کا ثواب ملے گا، نصف شب کے قیام کا ثواب عشاء کی وجہ سے اور باقی نصف شب کا قیام فجر کی وجہ سے ملے گا۔

کله: ''کله'' کا یہ بھی مطلب ذکر کیا جاتا ہے کہ فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا پوری رات نماز پڑھنے کے حکم میں ہے، ایسی صورت میں یہ اس بات کی طرف بھی اشارہ ہوگا کہ فجر کی نماز کا ثواب عشاء کی نماز کے ثواب سے زیادہ ہے، اس وجہ سے کہ فجر کی نماز میں عشاء کے مقابلے زیادہ مشقت اور زیادہ دشواری ہے، اس میں شیطان سے زیادہ لڑنا پڑتا ہے، اس وجہ سے نیند آ جانے کے بعد اس کو چھوڑنا بہت بڑا مجاہدہ ہے، لہٰذا شریعت نے نماز فجر کا ثواب نماز عشاء سے زیادہ رکھا ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۱۴۵)

مغرب کو عشاء اور عشاء کو عتمہ کہنے کی ممانعت

﴿۵۸۲﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَغْلِبَنَّكُمُ الْاَعْرَابُ عَلٰى اِسْمِ صَلٰوتِكُمُ الْمَغْرِبِ قَالَ وَيَقُوْلُ الْاَعْرَابُ هِيَ الْعِشَاءُ وَقَالَ لَا يَغْلِبَنَّكُمُ الْاَعْرَابُ عَلٰى اِسْمِ صَلٰوتِكُمُ الْعِشَاءِ فَاِنَّهَا فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ الْعِشَاءَ فَاِنَّهَا تَعْتِمُ بِحِلَابِ الْاِبِلِ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: بخاری شریف: ۲۲۹/۱، باب من کرہ ان یقال للمغرب العشاء، کتاب مواقیت الصلوۃ، حدیث نمبر:۵۶۳۔مسلم شریف: ۲۲۹/۱، باب وقت العشاء وتاخیرھا، کتاب المسجد، حدیث نمبر:۶۴۴۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تمہاری مغرب کے نماز کے نام پر دیہاتی ہرگز ہرگز غالب نہ آئیں، راوی نے کہا اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دیہاتی لوگ مغرب کو عشاء کہتے ہیں، اور فرمایا تمہاری عشاء کے نام پر دیہاتی ہرگز ہرگز غالب نہ آئیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں اس نماز کو عشاء ہی کہا گیا ہے، دیہاتی اونٹنیوں کا دودھ دوہنے کی وجہ سے دیر کر دیا کرتے ہیں۔

تشریح: اس حدیث میں مغرب کی نماز کو عشاء کہنے اور عشاء کی نماز کو عتمہ کہنے سے منع کیا گیا ہے، کیونکہ یہ زمانۂ جاہلیت کے گواروں اور دیہاتیوں سے متأثر ہو کر رکھے ہوئے نام ہیں، شریعت نے جو نام مغرب اور عشاء کے تجویز کئے ہیں انہیں ناموں سے ان نمازوں کو موسوم کرنا چاہئے، اس حدیث سے یہ سبق ملتا ہے کہ مسلمانوں کو اپنی بول چال اور عادات واطوار شریعت کی متعین کردہ حدود میں رکھنا چاہئے، غیروں سے مرعوب ہو کر ان کے طور طریقے اختیار کرنا ممنوع ہے۔

لایغلبنکم الاعراب: زمانہ جاہلیت کے دیہاتی مراد ہیں۔

صلوتکم المغرب: یعنی تم لوگ دیہاتیوں کی دیکھا دیکھی مغرب کو عشاء نہ کہا کرو، ورنہ مغرب کی نماز کا نام عشاء ہی پڑ جائے گا۔

صلوتکم العشاء: اور عشاء کو عتمہ نہ کہا کرو،

فانها تعتم: یہاں سے ممانعت کی علت بیان کر رہے ہیں۔

قدیم زمانے سے عرب میں دستور تھا کہ شفق ڈوبنے کے بعد وہ اونٹنیوں کا دودھ دوہتے تھے، اوراس میں بہت تاخیر کرتے تھے، حتی کہ رات تاریک ہو جاتی تھی، پھراسی وقت کو عتمہ کہتے تھے، جب اسلام نے عرب کومنور کیا اور نمازیں فرض ہوئی تو دیہاتی دودھ دوہنے کے بعد بہت تاخیر سے نماز عشاء پڑھتے تھے، اوراس نماز کوعتمہ والی نماز کہتے تھے، چونکہ یہ غیر شرعی نام تھا، اس وجہ سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا، اورجن احادیث میں عشاء کوعتمہ کہا گیا ہے، وہ ممانعت سے پہلے والی احادیث ہیں۔(مرقاۃ:۲/۱۴۶)

سوال وجواب

سوال: اس حدیث میں عتمہ کہنے سے منع کیا گیا ہے جب کہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث گذری:"**لو یعلمون ما فی العتمة لاتو هما**" دونوں حدیثوں میں تطبیق کی کیا شکل ہے؟

جواب: ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدیث مذکورقرآن مجید کی آیت "**من بعد صلوۃ العشاء**" نازل ہونے سے پہلے سن رکھی تھی، اس لئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان کوبعینہ نقل کیا ہے، خودآنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عتمہ کیوں کہا؟ اس کے بارے میں امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ عتمہ کا استعمال بیان جواز کیلئے تھا، اورنہی تنزیہی ہے، یا پھر عتمہ کہہ کران لوگوں کو خطاب کیا گیا ہے جو عشاء کے نام سے ناواقف تھے، عرب میں عشاء کیلئے عتمہ زیادہ مشہور تھا۔(التعلیق الصبیح:۱/۲۸۸)

فائدہ: حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ اسلامی نام اوراسلامی الفاظ استعمال کرنے کا اہتمام کرنا چاہئے، بلاضرورت غیراسلامی ناموں سے احتراز کرنا چاہئے، کسی موقعہ پراگر ضرورت متقاضی ہوتو پھرگنجائش ہے، مضائقہ نہیں، مگرافسوس کہ آج ہم بلاضرورت

غیر اسلامی الفاظ استعمال کرنے کے عادی ہو گئے ہیں۔

عصر کی نماز صلوۃ وسطیٰ ہے

﴿۵۸۳﴾ وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَوْمَ الْخَنْدَقِ حَبَسُوْنَا عَنْ صَلٰوةِ الْوُسْطٰى صَلٰوةِ الْعَصْرِ مَلَأَ اللّٰهُ بُيُوْتَهُمْ وَقُبُوْرَهُمْ نَارًا۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۲/۶۵۰، تفسیر سورة البقرة، باب حافظوا علی الصلوات و الصلوة الوسطیٰ، کتاب التفسیر، حدیث نمبر:۴۵۳۳۔مسلم شریف:۱/۲۲۷، باب الدلیل لمن قال الصلوة الوسطیٰ هی صلوة العصر، کتاب المساجد، حدیث نمبر:۶۲۷۔

ترجمه: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خندق کے دن ارشاد فرمایا: ''کافروں نے ہمیں ''صلوۃ وسطیٰ''، یعنی عصر کی نماز سے روک دیا، اللہ تعالیٰ ان کے گھروں اوران کی قبروں کو آگ سے بھر دے۔''

تشریح: غزوۂ خندق ذیقعدہ ۵ھ میں پیش آیا، اور امام بخاری کی رائے ہے کہ شوال ۴ھ میں، چونکہ اس غزوہ میں مدینہ کے اردگرد خندق کھودی گئی تھی، اس لئے اس کو غزوۃ الخندق کہتے ہیں، اور غزوۃ الاحزاب بھی اسی کو کہتے ہیں، کیونکہ مشرکین کے بہت سے قبائل جس میں یہود مدینہ بھی شامل ہو گئے تھے، مدینہ پر چڑھ آئے تھے، مشرکین کی تعداد دس ہزار اور مسلمانوں کی تین ہزار لکھی ہے، اس کے باوجود بحمد اللہ مسلمانوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا، انتہائی تیز ہوا چلی جس نے کھانے کی ہانڈیوں اور چولہوں میں جو آگ جل رہی تھی سب کو

اٹھا کر پھینک دیا، اس کے علاوہ اور بھی چیزیں پائی گئیں جس سے مشرکین پریشان ہوکر بھاگ گئے، اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ مشرکین نے ہم کو صلوۃ وسطی یعنی صلوۃ عصر پڑھنے سے روک دیا۔ (حتی کہ وہ قضا ہوگئی)

ملاء اللہ بیوتھم و قبورھم نارا: اللہ تعالیٰ ان کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھرے، اول احیاء کے اعتبار سے ہے، اور ثانی اموات کے اعتبار سے، اس حدیث سے معلوم ہورہا ہے کہ صلوۃ وسطی کا مصداق صلوۃ عصر ہے، مسئلہ مختلف فیہ ہے، اس میں تقریباً بیس قول ہیں، بذل میں علامہ عینیؒ کے حوالہ سے مذکور ہیں، لیکن زیادہ معروف ان میں تین ہیں، جن کو امام ترمذی نے ذکر کیا ہے، اس کا مصداق صلوۃ العصر ہے، یہی حنفیہ حنابلہ کا مشہور قول ہے، اسی کو امام نووی اور حافظ ابن حجرؒ نے راجح قرار دیا ہے، امام ترمذیؒ فرماتے ہیں **وھو قول اکثر العلماء** ترمذی میں حضرت سمرہ بن جندب اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں سے مرفوعاً یہی مروی ہے، اس کا مصداق صلوۃ الفجر ہے، اسی کے قائل ہیں، ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور یہی منقول ہے، امام شافعیؒ اور امام مالکؒ سے، اس کا مصداق صلوۃ ظہر ہے، یہ زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہے، **وروایۃ عن الامام الاعظم.** علماء کا اس میں بھی اختلاف ہے کہ وسطی **وسط بسکون السین** بمعنی درمیان سے ماخوذ ہے، یا **وسط بفتح السین** بمعنی فضیلت سے۔

غزوۂ خندق میں فائتہ نمازوں کی تعداد

اس حدیث شریف سے معلوم ہورہا ہے کہ غزوۂ خندق میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صرف ایک نماز یعنی عصر فوت ہوئی، صحیحین کی روایت سے بھی یہی ثابت ہے، لیکن ترمذی اور نسائی وغیرہ سنن کی روایات دو طرح کی ہیں، بعض میں صرف عصر کے فوت ہونے کا ذکر

ہے،اور بعض میں چار نمازوں کے ظہر،عصر،مغرب،عشاء،یہ سب نمازیں عشاء کے وقت میں پڑھی گئیں،عشاء کی نماز بھی چونکہ معمول سے موٴخر ہوگئی تھی،اس لئے راوی نے اس کو بھی قضا کہدیا،یہ بظاہر تعارض ہے،ایک اور چار کا،اس کی تطبیق دوطرح کی گئی ہے،بعض ترجیح کی طرف مائل ہوئے ہیں،جیسے ابن العربی،انہوں نے صحیحین کی روایت کو ترجیح دیتے ہوئے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صرف عصر کی نماز فوت ہوئی تھی،اور سنن کی روایات کو انہوں نے ضعیف اور منقطع لکھا ہے،اور بعض نے جمع بین الروایتین کو اختیار کیا،اور یہی رائے حضرت گنگوہیؒ کی کوکب میں ہے کہ دونوں روایتیں صحیح ہیں،کہ کسی دن ایسا ہوا کہ صرف ایک نماز فوت ہوئی اور کسی دن چار نمازیں اس لئے کہ غزوۂ خندق میں مقابلہ کئی روز تک چلتا رہا، بعض نے چوبیس دن لکھے ہیں۔

ایک سوال یہاں یہ ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس موقعہ پر صلوۃ الخوف کیوں نہ پڑھی،تاکہ نمازوں کے قضا ہونے کی نوبت نہ آتی،اس کے دو جواب دئے گئے ہیں اول یہ کہ اس وقت تک صلوۃ الخوف مشروع ہی نہیں ہوئی تھی،اس لئے کہ صلوۃ الخوف کی مشروعیت یوم عسفان میں ہوئی ہے،"کما هو مصرح في رواية ابي داؤد" اور غزوۂ عسفان بعد الخندق ہے،اور دوسرا جواب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو صلوۃ الخوف پڑھنے کی بھی قدرت نہ ہوئی،استیلاء عدو کی وجہ سے کہ کفار جمیع جوانب سے احاطہ کئے ہوئے تھے۔(الدر المنضود:۲/۲۷)

ملاء اللہ بیوتھم وقبورھم نارا: اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت محمد مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کبھی بھی اپنی ذاتی پریشانیوں اور صدمات کی بناء پر مشرکین کے لئے بددعا نہیں فرماتے تھے،لیکن یہاں چونکہ مشرکین کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے حق کی ادائیگی وقت پر نہیں ہوپائی،اس لئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے حق میں بددعا فرمائی۔

﴿الفصل الثانی﴾

صلوۃ وسطیٰ سے مراد عصر کی نماز ہے

﴿۵۸۴﴾ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ وَسَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُمَا قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةُ الْوُسْطىٰ صَلٰوةُ الْعَصْرِ۔ (رواہ الترمزی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۴۵/۱، باب ماجاء فی صلوۃ الوسطیٰ، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۱۸۱۔

ترجمہ: حضرت ابن مسعود اور حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”نماز وسطیٰ سے مراد نماز عصر ہے۔“

تشریح: اس حدیث میں یہ بات بتائی گئی ہے کہ جو ثواب اور فضیلت وسطیٰ نماز سے متعلق احادیث میں بیان ہوئی ہے، وہ فضیلت نماز عصر پڑھنے سے حاصل ہوگی، کیونکہ نماز وسطیٰ کا مصداق نماز عصر ہی ہے۔

وسطیٰ کی نماز کا مطلب وہ نماز جو درمیان میں ہے، عصر کی نماز دن کی دونوں نمازوں یعنی فجر اور ظہر اور رات کی دو نمازوں یعنی مغرب اور عشاء کے درمیان ہے، اس لئے اس کو وسطیٰ کہا گیا ہے، عصر کی نماز کا وقت کاروبار کی مصروفیت کا وقت ہوتا ہے، کاروبار میں پھنس کر آدمی نماز عصر کو قضاء نہ کردے، اسلئے خاص طور پر اس نماز کا ذکر کیا گیا ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۱۴۷)

نماز فجر کی فضیلت

﴿۵۸۵﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ قَوْلِهٖ تَعَالیٰ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ کَانَ مَشْهُوْدًا قَالَ تَشْهَدُهٗ مَلَآئِکَةُ اللَّیْلِ وَمَلَآئِکَةُ النَّهَارِ۔ (رواہ الترمذی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۲/۱۴۵، باب ومن سورۃ بنی اسرائیل، کتاب تفسیر القرآن، حدیث نمبر: ۳۱۳۵۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان "ان قرآن الفجر کان مشھودا" کی تفسیر میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس وقت رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔

تشریح: اس حدیث پاک میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز فجر کی مواظبت اور اس کو دل جمعی کے ساتھ ادا کرنے کی ترغیب فرمائی ہے، چونکہ اس نماز میں دن کے اور رات کے دونوں فرشتے جمع ہوجاتے ہیں، اور فرشتے بندہ کو جس کیفیت پر پاتے ہیں اللہ کے حضور میں اس کا ذکر کرتے ہیں، لہٰذا بندہ کو چاہئے کہ پورے اطمینان اور خشوع وخضوع کے ساتھ نماز فجر ادا کرے، تا کہ فرشتے اس کے حق میں بہتر سے بہتر گواہی دیں۔

ان قرآن الفجر: قرآن سے مراد قراءت ہے، اور "قرآن الفجر" سے مراد نماز فجر ہے، قراءت نماز کا ایک جزء ہے، لہٰذا یہاں جزء بول کر کل مراد لیا گیا ہے، جیسے کہ کئی احادیث میں سجدہ بول کر رکعت مراد لی گئی ہے، یہاں فجر کی نماز کو قراءت کہہ کر طول

قراءت کی طرف اشارہ ہے کہ نماز فجر میں طویل قراءت کی جاتی ہے۔

مشہود: اس کی تشریح آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود فرمائی ہے، کہ اس نماز میں رات ودن کے ملائکہ حاضر ہوتے ہیں، دن کے ملائکہ تو فجر سے پہلے آتے ہیں اور عصر کی نماز تک رہتے ہیں، اور رات کے ملائکہ عصر سے پہلے آتے ہیں، اور فجر تک رہتے ہیں، فجر اور عصر ایسی نمازیں ہیں کہ جن میں دونوں وقتوں کے ملائکہ موجود رہتے ہیں۔

﴿الفصل الثالث﴾

نماز ظہر صلوۃ وسطیٰ ہے

﴿۵۸۶﴾ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ وَعَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَا الصَّلٰوةُ الْوُسْطٰى صَلٰوةُ الظُّهْرِ۔ رَوَاهُ مَالِكٌ عَنْ زَيْدٍ وَالتِّرْمِذِيُّ عَنْهُمَا تَعْلِيقًا۔

حوالہ: موطا امام مالک: ۴۸، باب الصلوۃ الوسطیٰ، کتاب صلوۃ الجماعۃ، حدیث نمبر: ۲۷۔ ترمذی شریف: ۴۵/ ۱، باب ما جاء فی الصلوۃ الوسطیٰ انھا العصر، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۱۸۲۔

ترجمہ: حضرت زید بن ثابت اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ارشاد فرمایا: ''کہ نماز وسطیٰ ظہر ہے، اس روایت کو امام مالک نے صرف حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور امام ترمذی نے دونوں سے تعلیقاً نقل کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث پاک میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت زید

بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اقوال ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ صلوۃ وسطیٰ نماز ظہر ہے، چونکہ ظہر کی نماز دن کے دونوں کناررروں پر ہے، اس وجہ سے ان حضرات نے اس نماز کو صلوۃ وسطیٰ کہا ہے۔

و الصلوۃ الوسطی: جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ صلوۃ وسطیٰ کے حوالے سے اقوال متعدد ہیں، شاید کوئی ایسی نماز ہو جس کو وسطیٰ نہ کہا گیا ہو، لیکن شواہد اور دلائل پر مبنی اور بہت سی مرفوع احادیث سے ثابت شدہ قول عصر کی نماز سے متعلق ہے، عصر کے علاوہ جن نمازوں کو وسطیٰ کہا گیا ہے وہ راویوں کے اقوال ہیں، جو اس وقت کے ہیں جب کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد عصر سے متعلق مشہور نہیں ہوا تھا، لوگوں نے اپنے اجتہاد سے صلوۃ وسطیٰ کی تعیین کی تھی، لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "**صلوۃ الوسطیٰ صلوۃ العصر**" کی شہرت ہوگئی تو کوئی اختلاف نہیں رہا۔

ایضاً

﴿۵۸۷﴾ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الظُّهْرَ بِالْهَاجِرَةِ وَلَمْ يَكُنْ يُصَلِّي صَلٰوةً أَشَدَّ عَلَى أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهَا فَنَزَلَتْ "حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى" وَقَالَ إِنَّ قَبْلَهَا صَلَاتَيْنِ وَبَعْدَهَا صَلَاتَيْنِ۔ (رواه احمد وابوداؤد)

حوالہ: مسند احمد: ۵/۱۸۳، ابوداؤد شریف: ۱/۵۹، باب فی وقت صلوۃ العصر، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۴۱۱۔

ترجمہ: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سخت گرمی کی حالت میں ظہر کی نماز پڑھتے تھے، اور حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر سب سے زیادہ سخت یہی نماز تھی، چنانچہ "حافظوا علی الصلوات و الصلوة الوسطیٰ" [تمام نمازوں کی پابندی کرو، خاص طور سے درمیان نماز کی] آیت نازل ہوئی، اور راوی نے کہا کہ اس سے پہلے بھی دو نمازیں ہیں اور اس کے بعد بھی دو نمازیں ہیں۔

تشریح: اس حدیث شریف سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

(۱)...... آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ظہر میں تعجیل فرماتے تھے، ظہر کی نماز سے متعلق تفصیل پیچھے گذر چکی ہے۔

(۲)...... صلوۃ وسطیٰ ظہر کی نماز ہے، اس کی کچھ تحقیق بھی گذشتہ احادیث میں گذر چکی ہے۔

فنزلت حافظوا: اس آیت کریمہ کو ظہر کی نماز کے سلسلے میں پیش کرکے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ صلوۃ وسطیٰ ظہر کی نماز ہے۔

وقال ان قبلها صلوتین وبعدها صلوتین: ظہر کی نماز سے پہلے بھی دو نمازیں ہیں اور اس کے بعد بھی دو نمازیں ہیں، اس سے اور مؤکد کرکے یہ بات بتارہے ہیں کہ صلوۃ وسطیٰ ظہر کی نماز ہے، حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بات اپنے اجتہاد سے کہی ہے جب کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد یہ ہے کہ "صلوۃ وسطیٰ عصر کی نماز ہے" حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بات اس وقت کہی ہے جب ان کو حدیث مرفوع پہنچی نہیں تھی۔ (مرقاۃ: ۲/۱۴۸)

اشکال مع جواب

اشکال: حضرت زید رضی اللہ عنہ نے نماز ظہر کو وسطیٰ قرار دیا اور اس کی وجہ تسمیہ یہ ذکر کی

ہے کہ اس سے پہلے بھی دونمازیں ہیں اور اس کے بعد بھی دونمازیں ہیں، اشکال یہ ہے کہ یہ بات تو ہر نماز پر صادق آتی ہے آپ جس نماز کو بھی لیں گے تو دونمازیں اس سے پہلے ہوں گی اور دونمازیں اس کے بعد ہوں گی، کیونکہ کل پانچ نمازیں ہیں۔

جواب: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مراد یہ ہے کہ بعض رات کی نمازیں اور بعض دن کی، ظہر کی نماز پر یہ بات صادق آتی ہے کہ اس سے پہلے ایک رات کی نماز ہے اور ایک دن کی اور ایسے ہی اس کے بعد بھی ایک رات کی نماز ہے، اور ایک دن کی، یہ بات کسی اور نماز پر صادق نہیں آتی۔

نماز فجر صلوٰۃ وسطیٰ ہے

﴿۵۸۸﴾ وَعَنْ مَالِكٍ بَلَغَهٗ اَنَّ عَلِيَّ بْنَ اَبِيْ طَالِبٍ وَعَبْدَاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا كَانَا يَقُوْلَانِ الصَّلٰوةُ الْوُسْطٰى صَلٰوةُ الصُّبْحِ۔ (رواہ فی المؤطا) وَرَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ وَابْنِ عُمَرَ تَعْلِيْقًا۔

حوالہ: موطا امام مالک: ۴۹، باب الصلوۃ الوسطیٰ، کتاب صلوۃ الجماعۃ، حدیث نمبر: ۲۸۔ ترمذی شریف: ۴۵/ ۱، باب ماجاء فی صلوۃ الوسطیٰ انها العصر، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۱۸۲۔

ترجمہ: حضرت امام مالکؒ سے روایت ہے کہ ان کو حضرت علی بن ابی طالب اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت پہونچی کہ وہ دونوں فرماتے تھے کہ "نماز وسطیٰ" نماز فجر ہے۔ (موطا امام مالک) امام ترمذی نے اس روایت کو حضرت ابن عباس اور حضرت ابن

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بطریق ارسال نقل کیا ہے۔

تشـــریـــح: اس روایت میں بھی حضرت ابن عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کا اجتہاد منقول ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فجر کی نماز وسطیٰ نماز ہے، فجر کی نماز کو وسطیٰ اس وجہ سے کہا ہے کہ یہ رات کی دو نمازوں مغرب اور عشاء اور دن کی دو نمازوں ظہر اور عصر کے درمیان ہے، حضرت علی وابن عباس رضی اللہ عنہما کے اقوال کے سلسلے میں ایک امکان تو یہ ہے کہ ان تک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: ''صلوۃ وسطیٰ عصر کی نماز ہے'' نہ پہونچا ہو، لہٰذا انہوں نے اپنے اجتہاد سے فجر کی نماز کو وسطیٰ قرار دیا ہو، دوسرا امکان یہ ہے کہ ان حضرات نے یہ بات احتمال کے طور پر کہی ہو یعنی احتمال ہے کہ فجر کی نماز صلوۃ وسطیٰ ہو۔ (مرقاۃ: ۲/۱۴۸)

لیکن یہ سب اقوال اس وقت کے ہیں جب لوگوں میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد ''صلوۃ الوسطیٰ صلوۃ العصر'' کی شہرت نہیں ہوئی تھی جب شہرت ہوگئی تو متفقہ طور پر یہ طے پایا صلوۃ وسطیٰ کا مصداق صلوۃ عصر ہے، تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔

تارکِ فجر کے ہاتھ میں شیطان کا جھنڈا

﴿۵۸۹﴾ وَعَنْ سَلْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ غَدَا اِلىٰ صَلوٰةِ الصُّبْحِ غَدَا بِرَايَةِ الْاِيْمَانِ وَمَنْ غَدَا اِلَى السُّوْقِ غَدَا بِرَايَةِ اِبْلِيْسَ۔

(رواه ابن ماجة)

حوالہ: ابن ماجه شريف: ۱۶۲، باب الاسواق، كتاب التجارات، حدیث نمبر: ۲۲۳۴۔

ترجمہ: حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''کہ جو شخص صبح کو فجر کی نماز کیلئے جاتا ہے تو وہ ایمان کا جھنڈا لے کر جاتا ہے، اور جو شخص صبح کو بازار جاتا ہے وہ شیطان کا جھنڈا لے کر جاتا ہے۔

تشریح: جو شخص فجر کی نماز پڑھتا ہے وہ دین کا حامی اور خیر خواہ ہے، اور جو شخص فجر کی نماز پڑھے بغیر کاروبار میں مصروف ہو جاتا ہے وہ شیطان کا دوست اور دین کا دشمن ہے۔

من غدا الی صلوۃ الصبح: علامہ طیبیؒ نے لکھا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے لشکر اور شیطان کے لشکر کی طرف تمثیلاً اشارہ ہے، جو شخص صبح کی نماز پڑھنے کے ارادے سے مسجد کا رخ کرتا ہے تو گویا وہ ایمان کا جھنڈا لے کر شیطان سے لڑنے کے لئے نکلتا ہے، لہٰذا ایسا شخص اللہ کا لشکری ہے اور جو شخص صبح ہوتے ہی مسجد کے بجائے بازار کا رخ کرتا ہے گویا وہ شیطان کا جھنڈا لے کر دین کو کمزور کرنے کے ارادے سے نکلتا ہے، لہٰذا یہ شخص شیطان کا لشکری ہے، اگر کوئی شخص نماز پڑھ کر اپنے معاش کی تلاش میں بازار جاتا ہے تو وہ شیطان کا لشکری نہیں ہے، بلکہ وہ اللہ تعالیٰ ہی کے لشکر میں ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۱۴۹)

کیا خوب کسی نے کہا ہے: ؎

صبحدم جو خورشید منہ دکھاتا ہے
کوئی دیر کوئی میکدہ کو جاتا ہے
جو دل سے پوچھتا ہوں تو کدھر جاتا ہے
تو بھر کے آنکھوں میں آنسو یہ کہہ سناتا ہے
صبحدم چو مردم بکارو باراوند
بلا کشان محبت بکوئے یار روند

❁❁❁

تم
الجزء الخامس بحمد اللہ تعالیٰ
و احسانہ و توفیقہ تعالیٰ و بمنہ و کرمہ
ویلیہ الجزء السادس اولہ باب الاذان ان شاء
اللہ تعالیٰ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وتب
علینا انک انت التواب الرحیم بحرمۃ حبیبک
سید المرسلین و صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وعلیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین
الی یوم الدین
محمد فاروق غفرلہ